معارفِ رضا

سالنامہ ۱۴۲۹ھ 2008ء

مدیر اعلیٰ
سید وجاہت رسول قادری

مدیر
پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی)
اسلامی جمہوریہ پاکستان
www.imamahmadraza.net

مسلسل اشاعت کا اٹھائیسواں سال
جلد: ۲۸ شمارہ: ۱، ۲، ۳
جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۸ء
ذی الحجہ، محرم الحرام، صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

ہدیہ شمارہ خاص: 150 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/200 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے
بیرون ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔
زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

رقم دستی یا منی آرڈر/بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارفِ رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 4-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار/مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

25۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، پوسٹ بکس نمبر 7324، جی پی او صدر، کراچی 74400۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان
فون: 2725150-21-92+ فیکس: 2732369-21-92+
ای میل: imamahmadraza@gmail.com ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

فہرس

دعا

کلام: امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ

یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
رَبِّ سَلِّم کہنے والے غمزدا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لب سے آمیں رَبَّنَا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب رضؔا خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

حسن تیرا سا نہ دیکھا نہ سنا

کلام: امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمۃ

آنکھیں رو رو کے سجانے والے
جانے والے نہیں آنے والے

جیتے کیا دیکھ کے ہیں اے حورو!
طیبہ سے خُلد میں آنے والے

نیم جلوے میں دو عالم گلزار
واہ وا گل جمانے والے

حسن تیرا سا نہ دیکھا نہ سنا
کہتے ہیں اگلے زمانے والے

وہی دھوم ان کی ہے ماشآء اللہ
مِٹ گئے آپ مٹانے والے

لب سیراب کا صدقہ پانی
اے لگی دل کی بجھانے والے

ساتھ لے لو مجھے میں مجرم ہوں
راہ میں پڑتے ہیں تھانے والے

ہوگیا دھک سے کلیجا میرا
ہائے رخصت کی سنانے والے

خلق تو کیا کہ ہیں خالق کو عزیز
کچھ عجب بھاتے ہیں بھانے والے

کشتۂ دشتِ حرم جنت کی
کھڑکیاں اپنے سرہانے والے

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ میرے دھوم مچانے والے

قصیدۂ تاریخی

نضرِ فردوس

......۱۴۰۰ھ......

در شانِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از حضرت مولانا حکیم ابوالبرکات محمد نعیم الدین صدیقی قادری

اے امام اہل سنت تاجدار علم و فن — خوب کی تجدید ملّت تم نے اے سَروِ چمن

نائب شاہِ دنیٰ ہو جانشینِ اولیاء — رونقِ بزم طریقت واقفِ سِرّ و عَلَن

یادگار بو حنیفہ غوث اعظم کے شبیہ — نازشِ مردانِ حق ہو زینتِ باغ و چمن

تیرے علم و فن کا ہے وہ دبدبہ، جاہ و شکوہ — جھک گئے سب تیرے آگے فیلسو فان زَمَن

تم نے ہی البرٹ جیسے نامور کو دی شکست — جس کا شاہد ہے ابھی وہ نیّرِ چرخِ کہن

حلقۂ بیعت میں آتے ہی ہوئے شیخ اجل — یعنی اول ہی سے تم ہو پاک طینت پاک تن

مست دل مجذوب حق بھی رہتے تم سے باادب — اہل باطن کی نگاہوں میں ہو ایسے باوزن

نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی کے تم — ہو امیر کارواں مقبولِ ربِّ ذُو المِنَن

دین حق کی خدمت و اِحیائے سنّت کے سبب — اعلیٰ حضرت آپ کو کہتے ہیں سب اہلِ سنن

کیوں نہ ہو چرچا تمہارا باعثِ کیف و سرور — محسن ایمان و دیں ہو صاحب خُلقِ حسن

عظمتِ شانِ نبی کا تم نے وہ خطبہ دیا — جان و تن میں نور آیا بڑھ گئی دل کی لگن

آپ کی رحلت کو اک عرصہ ہوا لیکن حضور — ہو وہی خورشیدِ تاباں جس کی پھیلی ہے کرن

عشق محبوب خدا کی تم کو وہ خوشبو ملی — جس کے بوئے مست سے ہے منفعل مشک ختن

امتِ خیر الوریٰ ہے بے قرار و اشک بار — اب ذرا پردہ اٹھاؤ کھول دو بندِ کفن

آپ کے اوصاف تک کس کی رسائی ہو بھلا — ہو نبی کے معجزہ بس ختم ہے اس پہ سخن

عرض کرتا ہے نعیم قادری باصد ادب! — ہم پہ برساؤ شہا! اب خاص نعمت کی بھرن

منقبتِ اعلیٰ حضرت۔ ایک منفرد انداز میں

نوٹ: اس منقبت کو درج ذیل چار طرح سے پڑھا جائے:

(الف) پورے پورے مصرعے پڑھے جائیں۔ (ب) قوسین میں درج الفاظ قوسین سے قبل درج الفاظ کے ساتھ ملا کر پڑھے جائیں۔ (ج) قوسین میں درج الفاظ میں قوسین کے بعد لکھے الفاظ ملا کر پڑھے جائیں۔ (د) صرف قوسین میں درج الفاظ پڑھے جائیں۔ صابر سنبھلی

اعلیٰ حضرت (علم کے دریا بحرِ شریعت) اعلیٰ حضرت
صوفی صافی (صاحبِ تقویٰ، فخرِ ولایت) اعلیٰ حضرت

فاضلِ اکمل (عاشقِ مولیٰ، گنجِ کرامت) اعلیٰ حضرت
شیخِ طریقت (ہادیٔ اعظم، حامیٔ سنت) اعلیٰ حضرت

اب تک بھی ہیں (ہر باطل فرقے پر آفت) اعلیٰ حضرت
ہم پر (یعنی اہلِ سنن پر رب کی عنایت) اعلیٰ حضرت

آخر دم تک (بد دینی سے ٹکر لی ہے) رب کے کرم سے
آپ تھے بیشک (عہد میں اپنے دین کی طاقت) اعلیٰ حضرت

ہے یہ حقیقت (اُس ظالم کو آپ سے کد ہے) بیشک بیشک
فطرت سے ہے (حق کی مخالف جس کی طبیعت) اعلیٰ حضرت

یہ بھی سچ ہے (ہر لب ہر دل میں اب تک) جاری ساری
گھر گھر میں ہے (آپ کا چرچا، آپ کی مدحت) اعلیٰ حضرت

وقت پڑے تو (ذکر خدا کا اور نبی کا) سب سے بہتر
بھول نہ جانا (بعد میں صابرؔ، اعلیٰ حضرت) اعلیٰ حضرت

☆ [illegible] سنبھل ضلع مراد آباد (یوپی) انڈیا۔

رفتید ولے نہ از دلِ ما

امامِ اہلِ سنّت، حجۃ الاسلام، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خان محمدی حنفی قادری برکاتی بریلوی نوراللہ مرقدہٗ

مادہ ھائے تاریخ

سال ہائے ولادت ووصال (ہجری وعیسوی)

از: محمد عبد القیوم طارق سلطانپوری

سالِ ولادت

۱۲۷۲ھ	۱۸۵۶ء
جلوۂ خورشیدِ حق	ضیائے رخِ مصطفوی
دروازۂ فیضانِ حق	کمالِ فیضانِ صداقتِ مصطفیٰ
انعامِ عظیم، اجملِ طیبہ	جبینِ مصطفیٰ، شرقِ انوارِ قدرت
شمعِ معرفتِ ماہِ طیبہ	منہاجِ تمکنت وحشمتِ الٰہی
خوشبوئے کرمِ حبیب اللہ	خوبیِ ایوانِ فیضانِ مصطفیٰ
نسیمِ باغِ مدینہ	ماہِ خوبیِ فیوضِ رسول
تخصصِ محمد	جلوۂ باغِ معرفتِ حجاز
خوبیِ کردارِ مصطفیٰ	تنویرِ شمسِ معرفت
یمِ عشق ومحبتِ رسول	ضیائے مہرِ معرفت
قوتِ عشقِ رسول	فروغِ مجلسِ فقرِ مجید
نازشِ جمعیتِ فقرِ طیبہ	چراغِ طاقِ نعتِ حبیب
یگانہ ذوقِ فقر	چراغِ مدحت کاجلِ مدینہ
مرکزِ فیضانِ دین	مقامِ غوثِ حقانی
تجدیدِ آئینِ معرفت	لوحِ محفوظِ جہانِ طریقت
آفاقِ منیرِ معرفت	آوازِ تنظیمِ امت
خوبیِ اہلِ حقیقت	منظرِ خوبیِ اولیا
تابشِ بزمِ نعت	آفتابِ رضا، صدق وصفا
حسنِ خُلدِ نعت	پاکیزہ ذہن وضمیر

شرعتِ نعتِ حبیب	ضوفشاں منہاجِ نعت
بصیرتِ شرع	منہاجِ ریاضِ محبتِ رسول
بابِ کاشانۂ فیض	فروغِ شمع مجالسِ طیبہ
ذکرِ مردِ حق	منزلِ حق کا خضر

سالِ وصال

۱۳۴۰ھ	۱۹۲۱ء
رضائے الرحمٰن	جلوہ گاہِ رضائے خدا و مصطفیٰ
تجلّیاتِ عرفانِ محبوبِ اوّل	مجموعۂ فیضانِ مصطفوی
نعیمِ فیضانِ مصطفیٰ	تابشِ صراطِ فقر و عشقِ نبی
چراغِ طاقِ طیبہ	تنویرِ شبستانِ فقرِ نبی
مناظرِ حدائقِ طیبہ	نورِ چراغِ فقرِ عبدہٗ
بابِ کاشانۂ فیضِ نبوی	روح پرور منظرِ مدینہ
تجلّیاتِ عشقِ طیبہ	بہارستانِ فقر و معرفتِ طیبہ
منظورِ اہلِ حق	تابشِ خاکِ شہرِ محمد
امیرِ شریعتِ مدینہ	مرغوب العشاقِ مدینۂ نبی
خیابانِ روحانیات	زجاجِ عرفانِ غوث
حُسنِ خورشیدِ ایماں	سرخیلِ جہاد و استقامت
متاعِ دانش و حکمت	صراطِ باغِ حقیقت
منہاجِ فیضِ قرآن	چراغِ منہاجِ حقیقت
مرکزِ فیضانِ اسلام	جلوۂ فیضانِ علم و معرفت
زینتِ مسندِ طریقت	ذخیرہ گاہِ فقر
پیکرِ کشف و بصیرت	نشانِ صدق و فضیلت
تاجِ علم و معرفت	فضیلتِ صدق و عرفان
پُر شکوہ حزبِ معرفت	خوبیِ بُستانِ معرفت
اعتبارِ کشورِ علم	فیضانِ فقرِ متقین
صراطِ محبت و عقیدت	جہانِ خوبیِ اخلاص و تقویٰ
فخرِ جہانِ عرفان	فخر المشائخِ جہاں
آئینۂ رضائے ربّانی	رضا، خوبیِ افکار

قرآنی مادۂ تاریخ

ا۔ سالِ ولادت:

''لِمَن تاب وآمن وعمل صالحًا ثم اهتدی'' (طٰہٰ)

۱۸۵۶ء

۲۔ سالِ وصال:

''لَاَجرُ الاٰخرۃِ خیرٌ لِلّذین اٰمنوا وکانوا یتقون''

۳۸۴۲ھ

نصف ۱۹۲۱ء (بلحاظ صنعتِ تناصف)

ب۔ ''اُولٰئک مع الّذین انعم اللّٰہُ علیہم''

۱۳۴۰ھ

نتیجۂ فکر

''دلدادۂ پاکی وخوبیِ افکارِ رضا''

۲۰۰۸ء

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

''تذکرۂ جمیل ووہاج'' (۱۴۲۹ھ)

۲۰۰۸ء	۸۸واں سالِ وصال ہے	بہ الفاظ بحساب ابجد ''اَدَبِ عَبْدُہٗ''
۲۰۰۸ء	۸۷واں عرس شریف ہے	بہ الفاظ بحساب ابجد ''ودادِ محبوبِ وہّاب''
۱۴۲۹ھ	۹۰واں سالِ وصال ہے	بہ الفاظ بحساب ابجد ''دوامِ حبیبِ طابہ''
۱۴۲۹ھ	۸۹واں عرس شریف ہے	بہ الفاظ بحساب ابجد ''اَوجِ نبیٔ طابہ''

عمر شریف

۶۵ سال (سنِ عیسوی کے حساب سے)	بہ الفاظ بحساب ابجد ''مہک''
۶۶ سال	بہ الفاظ بحساب ابجد ''آدابِ حبیبِ اِلٰہ''
۶۸ سال (سنِ ہجری کے حساب سے)	بہ الفاظ بحساب ابجد ''یادِ احمد'' ''حُبِّ حبیبِ اِلٰہ''

گل ہائے تحسین

حافظ کے حسنِ شعر سے تحریر اس کی خوب ۔ بیدار مغز عارفِ حافظ کہوں اسے

حافظ کے شعر اس کی نگارش میں دیکھ کر ۔ ''دلدادۂ معارفِ حافظ'' کہوں اسے

۱۴۲۸ھ

بخدمت مکرمی جناب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی مدیر اعلیٰ، ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کراچی (ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کا ترجمان جریدۂ حمیدہ) جو لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشعارِ نغز سے اکثر اپنے مضامین کی زینت وافادیت کو

دوبالا کرتے ہیں۔کلامِ حافظ کی شیرینی و معارف افروزی کا یہ ناچیز بھی شیفتہ و دلدادہ ہے اور حافظ پسندی میں جناب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری زید فیوضہ کا ''شراکت دار'' ہے۔ الحمدللہ رب العالمین

ناچیز

''بادہ کش خمِ حافظ، جیّد ووَجیہ''

۲۰۰۸ء

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری (حسن ابدال)

قطعۂ تاریخ (سالِ وصال)

امامِ اہلِ سنت، فیض درجت، اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ القادری البریلوی قدس سرہ العزیز

''زیبا باغِ معرفتِ حق''

۱۹۲۱ء

(سالِ وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

اجملِ ہر جہاں کا دِلدادہ — والۂ ماہِ انورِ طیبہ
مصطفیٰ کا غلام شاہ حشم — عبد ذی شانِ سرورِ طیبہ
وہ ثنا خوانِ مصطفیٰ بے مثل — بے بدل وہ ثناگرِ طیبہ
اس کا ممدوح اک ملیح عرب — اس کا موصوف دلبرِ طیبہ
اس کے اشعار نعت کا ہر شعر — عکسِ زیبائے منظرِ طیبہ
اس کی تحریر و گفتگو کا خصوص — ذکر ایمان پرورِ طیبہ
جان و دل سے عزیز تر اس کو — ہر وہ شے جو ہے مظہرِ طیبہ
فاتحِ مکہ کا مدیح نگار — نعت گوئے مُظفرِ طیبہ
قائدِ کاروانِ عشقِ حبیب — ترجمانِ قد آورِ طیبہ
عاشق و واصف محمد تھا — مثلِ حسّان منبرِ طیبہ

اس کا سالِ وصال ہے طارق
''جلوہ ہائے پیغمبرِ طیبہ''
۱۳۴۰ھ

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

رضویات بطورِ فرعِ علم۔ آغاز و ارتقاء

رضا یہ نعتِ نبی نے بلندیاں بخشی

مدیرِ اعلیٰ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کے قلم سے

علم ایک روشنی ہے جس سے حقیقتِ شئی اس کے حامل پر منکشف ہو جاتی ہے۔ علامہ راغب اصفہانی ''علم'' کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

اَلْعِلْمُ إِدْرَاكُ الشَّيْءِ بِحَقِيقَتِه وَذٰلِكَ ضَرْبَانِ: إِدْرَاكُ ذَاتِ الشَّيْءِ، وَالثَّانِي: اَلْحُكْمُ عَلَى الشَّيْءِ بِوُجُودِ شَيْءٍ هُوَ مَوْجُودٌ لَهُ، او نفى شيء عنه

علم حقیقتِ شئی کا ادراک ہے اور یہ دو جز و ہیں۔ ایک ذاتِ شئی کا ادراک، دوسرا کسی شئی کے وجود اور عدمِ وجود پر حکم کا لگایا جانا۔ [۱]

اسی طرح عالم کے اجمالی معنیٰ ''موصوف بالعلم ہونا'' ہے لیکن اس کے تفصیلی معنیٰ کیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا:

''علم پر عمل پیرا ہو کر اس کی تبلیغ و ابلاغ کرنے والا''

تمام علوم کا منبع اللہ جل شانہٗ کی ذات ہے۔ اسی کا علم ازلی، ابدی اور حقیقی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ [۲]

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر نہاں و عیاں کا جاننے والا۔ (کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ نے اپنے کرمِ خاص سے اپنے محبوب، پسندیدہ و چنندہ بندوں کو علمِ لدنی عطا فرما کر مزید برگزیدہ بنایا اور دنیا والوں پر واضح کر دیا کہ جب وہ اپنے کسی بندہ کو مصطفیٰ یا ''رضی اللہ عنہ'' کے زمرے میں شامل کر لیتا ہے تو پھر انہیں اپنے بے پایاں فضل و کرم سے علم و حکمت کا وہ بحرِ بے کنار عطا فرماتا ہے کہ انسانی عقل و فہم ششدر و حیران رہ جاتی ہے۔ گویا۔

یہ علم عطا تب ہوتا ہے جب خاص عنایت ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ علیم و خبیر کی اس عادتِ کریمہ پر بے شمار آیاتِ قرآنیہ شاہدِ عدل ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا O [۳]

تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علمِ لدنی عطا کیا۔ (کنز الایمان)

(۲) عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا O اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ [۴]

غیب کا جاننے والا، تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ (کنز الایمان)

آپ قرآن حکیم کی تلاوت فرمائیں، جگہ جگہ آپ کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ علیم و خبیر کی اس رحمت اور فضلِ بے کراں کے نظارے نظر آئیں گے۔

ابو البشر حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برگزیدہ کیا تو فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [۵]

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ (کنز الایمان)

سیدنا حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے فضل و کرم سے نوازا تو اعلان کیا:

وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ط [٦]

اوراسے جو چاہے سکھایا۔ (کنزالایمان)

سیدنا حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نظرِ رحمت فرمائی تو ارشاد ہوا:

اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا O

ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علمِ لدنی عطا کیا۔ (کنزالایمان)

حسنِ صوری اور معنوی کے پیکر سیدنا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رحمتِ الٰہی نے اپنی رضامندی کے اظہار میں انہیں علم وحکمت اور حکم وحکومت سے نوازا:

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ط [٨]

ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔ (کنزالایمان)

سیدنا حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سرفرازی کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا [٩]

اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم دیا۔ (کنزالایمان)

لیکن جب اپنے محبوب مکرم، رحمتِ عالم، امام الانبیاء، خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ فانی فی اللہ باقی باللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذریعہ اکنافِ عالم میں یہ اعلان فرما کر اپنی محبوب کی عظمت کا ڈنکا بجوایا:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا O

(اور اللہ نے تم پر (خاص اور آخری) کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ کنزالایمان)

اس طرح (بقول صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب وحکمت کے اسرار وحقائق پر مطلع فرمایا۔[۱۱]

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

اور ایک دوسری جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ مہربان (الرحمٰن) نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو کمال مہر ومحبت کے ساتھ قرآن سکھایا، انسانوں کی فلاح اور تربیت کی خاطر انسانیت کی جان محمد ﷺ کو پیدا کیا، ماکان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔[۱۲]

پھر معلّمِ کائنات اَعْلَمِ کل کائنات، فوق ذی کل علمٍ علیم ﷺ کے دامنِ کرم سے جو غلام بھی وابستہ ہوئے، خواہ وہ کسی بھی زمان و مکان کے ہوں، انہیں بھی آپ ﷺ کی وابستگی اور بھلائی کے ساتھ آپ کی پیروی کے طفیل علم وحکمت سے نوازا گیا اور ان کے درجے اللہ الرحمٰن و الرحیم نے اپنے فضل وکرم سے بلند کئے۔ انہیں یہ مژدہ سنایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ط
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O [١٣]

اور جو بھلائی کے ساتھ (صحابہ کرام، سابق الاولین، مہاجرین وانصار) کے پیرو ہوئے، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔ (کنزالایمان)

خاتم النبیین علیہ السلام کی امت کے علماء و اولیاء (علم و عمل کے اعتبار سے) بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔[۱۴] ان کے کمالات و کرامات، علمی فتوحات و روحانی کمالات کا آئینہ ہیں۔ان ذوات قدسیہ پر تعلیم و تعلم اور پرورش و پرداخت کے اعتبار سے رحمۃ للعالمین و بالمؤمنین رؤف و رحیم علیہ السلام کی خصوصی نظرِ کرم ہے۔یہ حضرات ہر دور میں علم و حکمت کے چراغ اور تفقہ فی الدین کے فانوس بن کر فروزاں اور تاباں رہے ہیں۔عوام و خواص سب کے مرجع اور مفید و مفیض رہے ہیں۔یہ علم حقیقی کا منبع اور دانشِ نورانی کا پیکرِ کل بھی تھے، آج بھی ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک رشد و ہدایت کا نور رہیں گے۔اہل اللہ، صاحبِ علم و بصیرت، عوام و خواص، سب حل الاشکال کے لیے خواہ دینی معاملہ ہو یا دنیوی، علمی معاملہ ہو یا معاشرتی و معاشی، انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

چودھویں صدی ہجری میں مجددِ دین و ملت، شیخ الاسلام والمسلمین، امام احمد رضا فاضلِ بریلوی قدس اللہ سرہ العزیز کی عبقری شخصیت اللہ رب العزت کے انہی انعام یافتہ عباد المخلصین اور تبع تابعین کی ذوات قدسیہ کی یادگار اور ان کی باقیات الصلحات میں سے تھی۔

امام احمد رضا، اللہ تعالیٰ کے ان مقرّب اور برگزیدہ بندوں میں تھے جن کو لوح و قلم کے سہارے تو بہت کچھ ملا ہی تھا مگر فیضِ ربِّ قدیر سے وہ کچھ ملا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔یہی وہ علم ہے جس کی جھلک ان کی ہر تصنیف میں نظر آتی ہے، یہی فکرِ رسا ہے جس کو دیکھ کر اہلِ علم حیران ہوئے جاتے ہیں۔[۱۵] مشہور ریاضی داں اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے ایک مسئلہ میں الجھ گئے، سلجھانے کے لیے جرمنی جانا چاہتے تھے، قدرتِ الٰہی ڈاکٹر صاحب کو امام احمد رضا کی چوکھٹ پر لے آئی، مسئلہ پیش کیا گیا، آن کی آن میں حل کر کے ڈاکٹر صاحب کو حیران کر دیا۔انہوں نے یہی فرمایا، یہ علم لدنی ہے کسب و ریاض سے حاصل نہیں ہوتا۔یہ عطائے ربانی ہے۔[۱۶]

کثیر علوم و فنونِ عقلیہ و نقلیہ میں آپ کی مہارتِ تامّہ بالخصوص اسلامی فقہ میں آپ کے بے مثال تبحر اور اس کی جزئیات و کلیات پر کامل دسترس کا بے شمار علمائے عرب و عجم، جس میں امام صاحب سے اعتقادی، نظری اور علمی اختلاف رکھنے والے بھی شامل ہیں، برملا اعتراف کرتے ہوئے اپنی حیرت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں اور یہ سلسلۂ اکتسابِ فیض آج بھی جاری و ساری ہے اور ان شاء اللہ جب تک آفتاب و ماہتاب چمک رہے ہیں، جاری رہے گا کیونکہ دانشِ نورانی اور علمِ نفع بخش کی فیض رسانی کسی زمان و مکان کی مقید نہیں۔ایسے علماء و اسکالرز کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ طوالت کے خوف سے یہاں ذکر نہیں کیا جاسکتا البتہ جن کو مطالعہ و تحقیق کا شوق ہے، وہ ماہرِ رضویات قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اور دیگر مصنفین رضویات کی کتب ملاحظہ کرسکتے ہیں۔بلاشبہ امام احمد رضا کا ایوانِ علم و دانش ایک ایسا حیرت کدہ ہے جہاں زمانے کے بڑے بڑے دانشور گم ہوتے نظر آتے ہیں۔غرضکہ اس مقرب بارگاہِ رسالتمآب علیہ السلام کا یہی گرانقدر علمی، فکری، تحقیقی و تصنیفی سرمایہ ہے جسے آج کے اہلِ علم و تحقیق "رضویات" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز ستّر سے زیادہ علوم و فنون پر حاوی تھے[۱۷] لیکن ان کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا عشقِ رسول اور تفقہ فی الدین ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے پر خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے تفقہ فی الدین کی دولتِ گرانمایہ سے مالا مال فرما دیتا ہے[۱۸]۔ثابت ہوا کہ تفقہ فی الدین کا ملکہ رحمتِ خداوندی کی عطا ہے اور یہی علم لدنی ہے۔دین میں تفقہ حاصل کرنے والے ہی صاحبِ حکمت اور صاحبِ "خیرِ کثیر" کہلاتے ہیں۔[۱۹]

گویا ایک فقیہ، مجتہد اور مجدد، صاحبِ امروز اور اپنے وقت کا امام ہوتا ہے، زمانے کی نبض کی رفتار پر اس کی نگاہ ہوتی ہے، اس کے پاس علم و عرفان اور دانشِ نورانی کی صورت میں خیرِ کثیر ہوتی ہے، وہ اپنے زمانے کے تمام علوم پر حاوی ہوتا۔وہ ربِّ قدیر کی عطا کردہ باکمال صلاحیتوں کی روشنی میں غور و خوض کرتا ہے اور امتِ مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔اس طرح وہ امت کے تمام معاملات کا مرجع بن جاتا ہے۔زندگی کے

آخری لمحہ تک اصلاح اور بہتری کی سعی میں مشغول رہتا ہے۔ اسلام کے دورِ اول اور اوسط میں ایسی بے شمار عبقری شخصیتیں گذری ہیں جو مصلحین، مجتہدین اور مجددین کے زمرے میں آتی ہیں مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام حنبل، امام غزالی وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) لیکن جب ہم دورِ آخر (چودھویں صدی ہجری) کے حالات اور رجالِ کار کا جائزہ لیتے ہیں تو جو شخصیت اس اعتبار سے سب سے زیادہ قدآور نظر آتی ہے وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی ہے جو بیک وقت شانِ مصلحیت، مجتہدیت اور مجددیت کی جامع ہے[۲۰]۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی ذات میں جس طرح تینوں شعبے جمع ہیں، آپ کے کام میں بھی جمع ہیں۔ جب آپ کی خدمات کا عقائد و مسلک کے باب میں جائزہ لیا جاتا ہے تو آپ مجدد نظر آتے ہیں، فقہی خدمات کے اعتبار سے دیکھیں تو آپ مجتہد فی المسائل نظر آتے ہیں اور اگر طریقت و تصوف کے زاویے سے نقد و نظر کریں تو آپ مصلح نظر آتے ہیں۔

کسی بھی شخصیت کو علمی نظم و ضبط کے آئینہ میں جائزہ لینے اور مطالعہ کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب اس شخصیت میں چند اہم اجزائے ترکیبی موجود ہوں۔

۱۔ وہ فہم و ذکاوت اور علم و فن کے اعتبار سے اپنے وقت کی عبقری ہو۔
۲۔ عصری مسائل اور حالات کے اعتبار سے مرجعِ خواص و عوام ہو۔
۳۔ اس کے علم و بیان میں کمال درجہ کا نظم و ضبط ہو۔
۴۔ اپنے دور کے مسائلِ جدیدہ و قدیمہ پر محیر العقول دسترس رکھنے والی اور علم کے تمام موجود وسائل اور اس کے استعمال سے اچھی طرح واقف ہو۔
۵۔ تحریر و تقریر، فصاحت و بلاغت، براعت اور دلائل و براہین سے مدوّن و مزیّن ہو۔

جب اس کسوٹی پر ہم امام احمد رضا کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم ان کی ہمہ جہت شخصیت کی انفرادیتیں اور امتیازات کہیں زیادہ نمایاں پاتے ہیں۔ ان کی شخصیت کے خاص خاص نکات یہ ہیں:

۱۔ وقت کی جید علمائے عرب و عجم نے آپ کی عبقریت کو تسلیم کرتے ہوئے یگانۂ روزگار، نادرِ زمن، مجدد مأۃ حاضرہ، علامۂ دوراں، قاضی القضاتِ عالمِ اسلام، امام الامہ، فرید الدھر، وحید العصر، خاتم المحققین، سید العلماء الاعلام[۲۱] وغیرہ جیسے القابات سے نوازا ہے۔
۲۔ عشقِ رسول ﷺ میں سرشاری و جذبۂ فداکاری اور کمالِ اتباعِ رسول ﷺ۔
۳۔ فکر و نظر میں عُمق و دقّت
۴۔ مطالعہ میں کمال درجہ کی وسعت اور ہمہ گیریت
۵۔ فہم میں اعلیٰ درجہ کی صحت و قطعیت
۶۔ بے پناہ قوتِ استدلال
۷۔ اخذِ نتائج میں کمال درجہ پختگی اور مہارت
۸۔ رائے میں حد درجہ ثقاہت و صلابت اور قولِ فیصل صادر کرنے کی غیر متبادل صلاحیت (جسے کسی سطح پر نہ چیلنج کیا جاسکے اور نہ جس کا کوئی متقابل ہو)۔
۹۔ علم و بیان میں کمال درجہ کا نظم و ضبط۔
۱۰۔ زبان و بیان میں فصاحت و بلاغت اور براعت کا اعلیٰ معیار
۱۱۔ علومِ جدیدہ و قدیمہ پر محیر العقول دسترس۔
۱۲۔ مسائلِ جدیدہ و قدیمہ پر گہری نظر اور اس کی بہترین تنقیح اور حل پیش کرنے کی صلاحیت

یہ اور آپ کی شخصیت کے دیگر بے شمار امتیازات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ماہرینِ تعلیم اور جامعات کے اساتذۂ علم و فن ''رضویات'' کی طرف متوجہ ہوں اور اسے بطور ایک موضوعِ سخن یعنی مستند فرعِ علم کے اسکول، کالج اور جامعات کے نصاب میں متعارف کرائیں۔

امام احمد رضا کی تصانیف بالخصوص فتاویٰ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ اہلِ تحقیق کے لیے موضوعات کی کمی نہیں بلکہ بقول

ماہرِ رضویات مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب زید مجدہٗ ہر فن کے جاننے والے کے لیے فتاوٰی رضویہ کی ہر جلد میں اس قدر موضوعات ہیں کہ محقق کے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ کس موضوع کو لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔ [۲۲]

پاکستان کی شرعی عدالت کے جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری مرحوم نے بھی اپنے ایک مقالہ میں رضویات پر تحقیق کے حوالے سے کچھ اسی قسم کے تاثرات کا اظہار کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''آپ کی شخصیت علمی حلقوں میں اس طرح متعارف نہیں ہوئی جیسا کہ اس کا حق ہے، مولانا نے علوم و معارف کی جو میراث ہمارے لیے چھوڑی ہے اگر ہم زندگی بھر اسے سمیٹنے کی کوشش کریں تو جمع نہیں کر سکتے۔'' [۲۳]

قطع نظر فتاوٰی رضویہ کے آپ کی عبقری اور ہمہ جہت شخصیت کا ہر پہلو ایک مستقل موضوع ہے، مثلاً:

۱۔آپ طریقت میں کس طرح مصلح ہوئے؟

......طریقت میں کیا خرابیاں در آئی تھیں؟

......ترکِ شریعت کا خطرناک رجحان کس قدر غالب آ گیا تھا؟

......غیر مسلم معاشرے کے اثرات کے پیشِ نظر مسلم معاشرے میں جو خرابیاں اور بدعات شامل ہو گئی تھیں، ان کے تدارک کے لیے اور معاشرے کے اصلاح کے لیے آپ نے کیا کاوشیں کیں؟ کیا علاج تجویز کیا؟

۲۔امام احمد رضا کے عمرانی، مدنی اور سیاسی افکار و نظریات کیا تھے؟

۳۔عقائد کے باب میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں یا کی جارہی تھیں؟

......امتِ مسلمہ کے خرمنِ ایمان کو جلا کر راکھ کر دینے کے لیے کیا کیا سازشیں درونِ خانہ اور بیرونِ خانہ ہو رہی تھیں؟

......آپ نے اس سیلابِ اہانت کے آگے کس طرح بند باندھا؟

......اس طوفانِ بدتمیزی کا رُخ موڑ کر آپ نے کس طرح امتِ مسلمہ کے خرمنِ عقائد کے تحفظ کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کیں؟ مستقبل میں اس کے کیا اثرات ہوئے؟

۴۔مسلم نوجوانوں بالخصوص آئندہ آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت، درس و تدریس، نصاب و تربیت کے لیے آپ کے نظریات کیا تھے؟ مفید علومِ نقلیہ و عقلیہ (روایتی و سائنسی علوم) کے ابلاغ کے لیے آپ نے کیا عملی اقدام اٹھائے اور ٹھوس تجاویز و نظریات پیش کیے؟

یہ اور اس قسم کے دیگر بیسیوں عنوانات تحقیق کے مستقل موضوعات ہیں جو اہلِ علم کو ''رضویات'' کو بطور فرعِ علم مطالعہ کرنے اور اس کی درس و تدریس کے ابلاغ کی دعوت دے رہے ہیں۔

دیکھا جائے تو ''رضویات'' کا اصل منبع قرآن و سنت ہیں اس لیے یہ کوئی نئی فرعِ علم نہیں ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی تحریر و فکر کی تمام تابانیاں و جولانیاں قرآن حکیم اور اعلمِ کائنات، عالمِ ما کان و ما یکون علیہ السلام کے نور کی پرتو ہیں۔ وہ علمِ مصطفیٰ علیہ السلام کے صاف و مصفّٰی سرچشمہ سے سیراب اور آئمہ کرام امّت بالخصوص امام اعظم، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بحرِ علم سے فیضیاب ہیں بلکہ دورِ جدید میں حنفی المذہب اور صحیح العقیدہ ہونے کی آپ ہی شناخت ہیں۔ ''حنفیت'' بذاتِ خود گذشتہ چودہ سو برس سے دورِ صحابہ کے معاً بعد اور تابعین کے دور سے علومِ اسلامی کی سب سے اول اور وسیع تر فرع ہے۔ دیگر ثلاثہ مذاہب، شافعیت، مالکیت، حنبلیت بعد کی پیداوار ہیں اور یہ سب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبین، تلامذہ یا تلامذۃ التلامذہ کے فیض یافتہ افراد سے منسوب ہیں۔ امام احمد رضا کی تمام علمی و فکری کاوشوں کا محور حنفیت ہے۔ ایک

جگہ آپ خود فرماتے ہیں:

''میرے وہ فنون جن کے ساتھ مجھے پوری دلچسپی حاصل ہے، جن کی محبت عشق و شیفتگی کی حد تک (مجھے) نصیب ہوئی ہے، وہ تین ہیں:

۱۔ سب سے پہلا، سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ، سب سے قیمتی فن یہ ہے کہ رسولوں کے سردار (صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین) کی جناب پاک کی حمایت کے لیے اس وقت کمر بستہ ہو جاتا ہوں جب کوئی کمینہ وہاں گستاخانہ کلام کے ساتھ آپ کی شان میں زبان دراز کرتا ہے۔۔۔

۲۔ پھر دوسرے نمبر پر وہابیوں کے علاوہ ان تمام بدعتیوں کے عقائدِ باطلہ کا رد کر کے انہیں گزند پہنچاتا رہتا ہوں جو دین کے مدعی ہونے کے باوجود دین میں فساد ڈالتے رہتے ہیں۔

۳۔ پھر تیسرے نمبر پر بقدرِ طاقت، مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ تحریر کرتا ہوں، وہ مذہب جو مضبوط بھی ہے اور واضح بھی۔

تو یہ تینوں میری پناہ گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں پر میرا بھروسہ ہے۔'' [۲۴]

امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب اسی فرعِ علم یعنی حنفیت پر امام احمد رضا کی کمال دسترس اور انتہائی ذہانت و فطانت اور ذکاوت کے ساتھ فقہ حنفی کے اصول و ضوابط، دلائل اور جزئیات و کلیات کو اپنے فتاویٰ میں سمونے اور انہی بنیادوں پر اپنے دور کے جدید مسائل میں قولِ فیصل صادر کرنے کی صلاحیت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے علمائے حرمین شریفین نے فرمایا:

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں یہ فتاویٰ (رضویہ) اگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور اس کے مؤلف کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے۔'' [۲۵]

افغانستان کی سابق عبوری حکومت کے چیف جسٹس علامہ مفتی نصر اللہ خاں افغانی مدظلہ العالی فقہ اسلامی بالخصوص فقہ حنفی میں تبحر کے اعتبار سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے بارے میں اپنے عمیق مطالعہ کے بعد جامع تبصرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ

''امام احمد رضا قدس سرہٗ سامی مجتھد فی المسائل تھے۔ ان کی شانِ اجتہاد ایسی ہے کہ ہر مسئلہ میں پہلے اصول دیتے ہیں، کلیہ پیش کرتے ہیں، اصول کے تحت جزئیات کو پیش کرتے ہیں اور اس بات سے پوری طرح واقف ہیں کہ کون کون سی جزئیات کن کن اصولوں کے تحت ہیں۔ پھر سیاق و سباق کو بھی دیکھتے ہیں، عبارات، اشارات اور اقتضیٰ کو بھی مد نظر رکھتے ہیں، الفاظ و کلمات اور ان کے معانی اور استعمال سے بھی باخبر ہیں، رسم و رواج اور محاورات اقوام کے بھی عارف ہیں۔ پانچ سو سے زیادہ آیاتِ قرآنیہ اور تین ہزار سے زیادہ احادیث مبارکہ جو حلال و حرام کے احکام جلی سے متعلق ہیں ان کے بارے میں وہ علم الیقین، بلکہ عین الیقین، نہیں بلکہ حق الیقین رکھتے ہیں۔'' [۲۶]

یقیناً عالمِ اسلام کی ایسی عبقری اور متبحر شخصیت کے افکار و نظریات اور اس کا علمی نظم و ضبط اس قابل ہے کہ اسے دورِ حاضر کے علوم کی ایک فرع (Discipline) کی حیثیت سے تمام عالمی جامعات اور تحقیقی اداروں میں ''رضویات'' (اس کے اپنے نام کی مناسبت) سے معنون کر کے باقاعدہ ایک نصاب کے تحت متعارف کرایا جائے اور یہ چند وجوہ سے نہایت ضروری ہے۔

۱۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے علم و تحقیق کی اساس قرآن و حدیث، آثار و سیر اور اقوالِ ائمہ ہیں، اس لیے ''رضویات'' کا مطالعہ اور اس پر تحقیق کرنے والا مآل کار قرآن و حدیث، اجماع اور قیاس کے اصل مآخذ تک رسائی حاصل کر سکے گا۔ [۲۶ ب]

۲۔ فقہ اسلامی کی چودہ سو سالہ تاریخ میں فقہ حنفی کی جزئیات اور کلیات کے حوالے سے جس قدر تحقیقی اور تصنیفی کام اب تک ہوا ہے ان سب کا نچوڑ امام احمد رضا کے اصل بارہ جلدوں پر جلدوں پر مشتمل مجموعہ فتاویٰ (جو بعد میں ترجمہ اور تخریجات کے ساتھ رضا فاؤنڈیشن، لاہور سے شائع ہوئیں) میں موجود ملے گا اس لیے بھی رضویات کا مطالعہ بطور فرعِ علم ناگزیر ہے۔

۳۔ گذشتہ چار، پانچ سو سال میں فقہ حنفی پر جو کچھ لکھا گیا ہے اور علمائے اسلام کی جو کچھ بھی تحقیقات اور مجموعہ فتاویٰ سامنے آئے ہیں، مسائل کی تفہیم، تحقیق، تدقیق، تنقیح، علمی نظم وضبط اور جامعیت کے اعتبار سے فتاویٰ رضویہ اپنے تمام سابقین پر فوقیت رکھتا ہے، فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ وتحقیق کے بغیر گذشتہ چار سو سالہ فقہی سرمایہ کا کوئی بھی علمی جائزہ یا ان پر نقد ونظر نامکمل ہوگا اس لیے بھی ''رضویات'' کا مطالعہ اور اس کی درس وتدریس نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

۴۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جسے اپنے اور غیر سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ امام احمد رضا سے قبل گذشتہ دو صدیوں میں ان جیسا بلند پایہ فقیہہ، ماہرِ علوم اسلامیہ اور ریاضیات اور دیگر سائنسی علوم میں کامل دسترس رکھنے والا موسوعاتی عالم برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں نہیں گذرا اس لیے ان دو صدیوں میں اسلامی فقہ بالخصوص فقہ حنفی اور دیگر علومِ نقلیہ اور عقلیہ کی ترویج واشاعت کا تاریخی تسلسل میں جب بھی جائزہ لیا جائے گا، امام احمد رضا قدس سرہٗ جیسی عبقری شخصیت کے فکری، نظری، فقہی، دینی اور سائنسی کارناموں کے ذکر کو اولیت حاصل ہوگی۔ اس لیے عہدِ حاضر اور مستقبل کے نوجوانوں کے لیے نصابی نظم وضبط کے تحت ''رضویات'' کا مطالعہ نہایت ضروری قرار پاتا ہے۔

راقم کی تحقیق کے مطابق ''رضویات'' کی اصطلاح بطور علم کی ایک فرع (Discipline of Knowledge) پہلی بار تحریری طور پر ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء میں استعمال ہوئی جب ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی نے ''آئینہ رضویات'' کے نام سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر لکھی گئی ۲۲ کتابوں پر جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ کے مطبوعہ مقدمات کا مجموعہ شائع کیا تھا۔ اس کے مرتب راقم اور ادارہ ہٰذا کے جنرل سکریٹری محترم پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب زید مجدہٗ تھے۔ اس کا پیش لفظ راقم نے تحریر کیا تھا۔ پیشِ لفظ کا اختتام ان لفظوں میں ہے:

''اس اعتبار سے 'آئینہ رضویات' فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت وفکر کے مختلف گوشوں کے بارے نہایت نادر معلومات جمع کردی گئی ہیں۔ یہ مجموعہ یقیناً محققین اور دانشوروں خصوصاً 'رضویات' پر کام کرنے والوں کے لیے ایک علمی اثاثہ ثابت ہوگی۔''

البتہ ۱۹۹۲ء سے معارفِ رضا کے سالناموں میں رضویات کی اصطلاح باقاعدہ استعمال ہونے لگی۔ ''آئینہ رضویات'' کے اسی حصہ میں قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے لیے پہلی بار ''ماہرِ رضویات'' کا خطاب استعمال ہوا ہے۔ اگر کسی محقق کو ۱۹۸۹ء سے قبل کسی اور رسالہ یا کتاب میں ''رضویات'' کی اصطلاح کے استعمال کا علم ہو تو وہ ہمیں ضرور مطلع فرمائیں، ہم تصحیح کرلیں گے۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء کے دوران زبانی طور پر اس ہیچمدان راقم نے ''رضویات'' کی اصطلاح ''اقبالیات'' کے مقابل تجویز کی تھی جس کو حضرت علامہ شمس بریلوی مرحوم مغفور، حضرت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب اور بانی وصدر اول ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا حضرت مولانا سید ریاست علی قادری مرحوم مغفور نے پسند فرمایا۔ ان حضراتِ گرامی کی تائید وتوثیق کے بعد راقم نے اسے ضبطِ تحریر میں لایا اور اب امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی فکر اور علمی آثر سے معنون، علم کی ایک فرع کی حیثیت سے محققین اور اہلِ قلم حضرات اپنی اپنی تحریروں میں ''رضویات'' کی اصطلاح مستقلاً اور مداومت کے ساتھ استعمال کررہے ہیں حتیٰ کہ عالمی جامعات کے ایوانوں میں بھی اس کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ چنانچہ مصر کے عصرِ حاضر کے عظیم صاحبِ علم وقلم، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی زبانوں کے شاعر اور جامع از ہر شریف، قاہرہ کے لائق استاذ، مجمع اللغات الامم الاسلامیہ جامع عین الشمس قاہرہ کے رکن رکین عربی کے علاوہ گیارہ زبانوں اور آٹھ عالمی زبانوں میں درس وتدریس دینے والے ڈاکٹر حسین مجیب مصری مرحوم نے ''رضویات'' کو بطور فرعِ علم مصر کی جامعات بالخصوص جامعہ ازہر شریف کے نصاب میں شامل کرنے کی ضرورت پر ایک عربی مقالہ بعنوان ''وجہ الحاجات الی دراسۃ مولانا احمد رضا خاں'' (۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء) تحریر فرمایا جس میں آپ نے لکھا:

ان تلك المقالات التي القت الاضواء علي هذه الشخصية الاسلامية التي ينبغي لكل مسلم أن يعرف شيأ عنها

تعد بلاريب انجازا لما ينبغي إنجازه لأن دراسة هذه شخصية في ملامحها وفي تراثها الاسلامي هي في الحقيقة الامر دراسة لدين الحق في اصوله و ملامحه وما ينبغي أن يعرف عنه...

إن دراسة مولانا احمد رضا خان من الاهمية بمكان عظيم لأكثر من وجه فهو شخصية إسلامية مرموقة مافي ذلك ريب، كما أنه متعدد الجوانب في تراثه الاسلامي جملة و تفصيلاً. إنه فقيه إمام له فتاوى التي تجلى من الحقائق مالم يكن لعلماء المسلمين عهد له كما أن صيته طبق آفاق البلاد الإسلامية. إنه شاعر صاحب ديوان في العربية والأردية والفارسية۔''

مولانا احمد رضا پر تحقیقی مقالات ان کی (عظیم) اسلامی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس شخصیت سے کما حقہ باخبر ہو، اس شخصیت کے کارنامے اس سے کہیں زیادہ ہیں جواب تک تحقیقی مقالات میں بیان کیے گئے اس لیے کہ اس شخصیت کے خدوخال (سوانح) اور اس کے ورثۃ العلمی الاسلامی کا مطالعہ دراصل دینِ حق کے اصول اور لوازمات کا مطالعہ ہے جن کا جاننا ہم سب کے لیے ضروری ہے۔

مولانا احمد رضا (رضویات) پر درس وتدریس کثیر وجوہ کی بنیاد پر عظیم اہمیت کی حامل ہے۔ وہ (امام احمد رضا خاں) اسلام کی ایک عبقری شخصیت ہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں اس لیے کہ کثیر الجہات اعتبار سے ان کے ورثۃ العلمی الاسلامی میں ان کی خدمات کی اجمال و تفصیل دیکھنے میں آئی ہیں، وہ امامت کے منصب پر فائز ایک فقیہ ہیں جن کے فتاویٰ حقائق کی ایسی تجلیات سے جگمگار ہے ہیں کہ ان کے عہد کے عالمِ اسلام کے علماء وہ جولانیاں نہ دکھا سکے۔ گویا ان کا تبحر علمی (اور علومِ اسلامیہ عقلیہ نقلیہ میں ان کی کمال دسترس کی خوبی) عالمِ اسلام کے افق پر روشنی بن کر چھا گئی ہے۔ وہ عربی، اردو اور فارسی کے صاحبِ دیوان (عظیم) شاعر ہیں۔'' (مفہوم) [۲۷]

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری نقشبندی صاحب، امام احمد رضا پر تحقیق کی ضرورت کیوں؟ کے تحت امام احمد رضا کی ہمہ جہت اور عبقری شخصیت کے مختلف گوشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''امام احمد رضا پر تحقیق (وتدریس) کی ضرور اس لیے محسوس کی جارہی ہے کہ:

۱۔ وہ سوادِ اعظم اہلِ سنت کے علمبردار ہیں،

......ان کے جذبے میں بڑا خلوص ہے،

......ان کی فکر میں بڑی گہرائی (اور گیرائی) ہے،

......انہوں نے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو ملت کی فکری اساس قرار دیا،

......ان کے نزدیک زندگی عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے عبارت ہے۔

۲۔ انہوں نے ستر سال قبل ملتِ اسلامیہ کو خبردار کیا تھا:

......''نصاریٰ اور یہود و ہنود سب ملتِ اسلامیہ کے بدخواہ ہیں، ان سے دوستی نہ کرنا، ان کو اپنا نہ سمجھنا، ان کو رازدار نہ بنانا۔ جس نے ان کو خیر خواہ سمجھا، اس نے ٹھوکر کھائی۔''

۳۔ امام احمد رضا نے سقوطِ سلطنتِ اسلامیہ (ترکیہ) کے فوراً بعد پست ہمت مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے، ان کے دلوں کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی گرمی سے گرمایا اور اسی دولتِ عشق کا احساس دلا کر کم مائیگی کا احساس مٹایا (اور) ایک بھرپور تحریک چلائی۔

......امام احمد رضا اتحادِ عالمِ اسلامی کے داعی تھے۔

...... جب (مسلمانوں کا) کارواں لٹ رہا تھا، وہ لوٹنے والوں کا تعاقب کرر ہے تھے اور لٹنے والوں کا دامن کھینچ کھینچ کر (امن وسلامتی کی طرف) بلا رہے تھے۔

امام احمد رضا کے عہد میں ظاہر ہونے والی تمام نئی نئی تحریکوں اور سیدھے راستہ سے ہٹ کرنئی نئی راہیں بنانے والوں کے (جن کا امام احمد رضا اس وقت تعاقب کرر ہے تھے) نتائج آج ہمارے سامنے ہیں اور تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان نتائج وعواقب کو سامنے رکھ کر امام احمد رضا کے فکر وتدبر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

امام احمد رضا کے فکر وتدبر کے عظیم ذخیرے ''فتاویٰ رضویہ'' کو کھنگالیں اور اس خداداد دانش نورانی کا خود نظارہ کریں اور دوسروں کو بھی کرائیں۔ آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی فکر و تعلیمات (رضویات) پر کس قدر کام کی ضرورت ہے۔ آج ہمیں امام احمد رضا کی ضرورت ہے، وہ دلوں کی آواز ہیں اور وقت کی پکار ہیں۔ برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ فراخدلی سے کام لے کر حضرت رضا بریلوی کا مطالعہ ضرور کریں اور پھر علم وادب اور فضل وکرم میں یگانۂ روزگار پائیں تو اس طرف متوجہ ہوں، ایسی پہلودار شخصیت پر ایک نہیں بیسیوں عنوانات مل جائیں گے ع

مجبورِ یک نظر آ، مختار صد نظر جا'' [۲۸]

غرض کہ امام احمد رضا ایک عظیم عبقری تھے۔ ان کی فکر کا ایک اہم ترین پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے عہد سے بہت آگے دیکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی فکر وتعلیم سے اپنے عہد کو بہت متاثر کیا اور اپنے بعد آنے والے زمانوں پر بھی گہرے نقوش چھوڑے اور کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی جامعات کے اساتذہ اور اہلِ علم وتحقیق حضرات نے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی کاوشوں کی بدولت گذشتہ ۳۰ برسوں میں امام احمد رضا پر خاص توجہ دی جس کی وجہ سے ''رضویات'' اقبالیات کے طرز پر بطور ایک فرعِ علم (A Discipline of Knowledge) ابھر کر ایک نظم وضبط کے ساتھ سامنے آئی ہے جس کی بدولت دیگر ممالک کی جامعات، بالخصوص عرب ممالک مثلاً مصر میں جامعہ ازہر شریف، جامعہ عین الشمس، عراق میں جامعہ اسلامیہ (سابق جامعہ صدام) اور شام میں معہد الفتح الاسلامی کے اساتذۂ کرام اور اہلِ قلم حضرات رضویات کے موضوعات کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے زیادہ کام قاہرہ میں ہوا ہے اور اس کا سہرا بلاشبہ دکتور شیخ حازم محفوظ، استاذ شعبہ اردو، جامعہ ازہر شریف اور پھر اس کے بعد عالمِ اسلام کی عظیم محقق اور کثیر السانی شخصیت فضیلۃ الشیخ دکتور حسین مجیب مصری کے سر ہے۔ واضح ہو کہ ادارہ ہٰذا نے گذشتہ ۲۸ برسوں میں امام احمد رضا کی شخصیت اور ان علمی ورثہ کے حوالے سے مختلف النوع موضوعات پر اس قدر مقالات اور تحقیقی مواد فراہم کر دیا ہے کہ اب ''رضویات'' پر بطور فرعِ علم کام نہایت آسان ہو گیا ہے۔

''رضویات'' کے حوالہ سے ''فقیہِ اسلام'' کے عنوان پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا سب سے پہلا مقالہ تحریر کرنے والے ڈاکٹر حسن رضا اعظمی (پٹنہ یونیورسٹی، ۱۹۷۹ء) مقالہ کے مقدمہ میں اس بات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ انہیں ''رضویات'' پر تحقیقی کام کرنے کی تحریک کیسے اور کیوں پیدا ہوئی؟ تحریر کرتے ہیں:

> ''اعلیٰ حضرت مجد دِ دین وملت علامہ شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مسلکِ اہلسنّت کے ایک عظیم شارح، ایک دردمند مصلح اور مسلمانوں کے ایک مقتدر امام کی حیثیت سے ہمیشہ ہماری فکر ونظر کے مرکز رہے لیکن ان کی علمی اور فقہی حیثیت پر تحقیقی کام کرنے کا خیال اس وقت پیدا ہوا جب آج سے چند سال پیشتر جمشید پور میں امام احمد رضا کانفرنس کے نام ان کے علمی اور دینی کارناموں پر ایک مذاکرۂ علمیہ منعقد ہوا تھا۔۔۔
>
> اعلیٰ حضرت پر جتنی کتابیں اب تک ہندو پاک میں لکھی جاچکی ہیں ان میں بیشتر کتابیں میرے مطالعہ میں آئیں ان کتابوں کے

مطالعہ سے اعلیٰ حضرت کے متعلق میری معلومات میں جو اضافہ ہوا وہ تو مسلّم ہے لیکن ایک عظیم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اعلیٰ حضرت کو سمجھنے کے لیے براہِ راست ان کی تصانیف کے مطالعہ کا اشتیاق میرے دل میں پوری شدت سے پیدا ہو گیا۔۔۔

یہ میری زندگی کا بالکل پہلا اتفاق تھا جبکہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کا عرفان بغیر کسی واسطہ کے حاصل ہوا۔ فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کے دوران مجھے اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں متعدد اصحاب کمال کے چہرے نظر آئے۔ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو ایک ایسے فقیہ کی تصویر ابھر آتی ہے جو قوتِ اجتہاد، بصیرتِ فکر، ذہانت و تعقل اور علمی استحضار میں دور دور تک اپنا جواب نہیں رکھتا۔ مطالعہ کے دوران جب آگے بڑھے تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب ہم کسی فقیہ کے سامنے نہیں بلکہ وقت کے ایک عظیم مؤرخ کے سامنے ہیں جو کسی مسئلہ کی تنقیح کے سلسلے میں تاریخ کے مختلف مراحل پر بحث کر رہا ہے۔ پھر اور کچھ دور چلے تو دیکھا کہ وہی مؤرخ ادب و لغت اور صرف و نحو کے ایک جلیل القدر امام کی حیثیت سے علم و فن کے جواہر ریزے بکھیر رہا ہے۔ کچھ اور آگے بڑھے تو مسئلے کے استنباط کے ذیل میں ایک حدیث زیرِ بحث آگئی۔ اب اس کا قلم ایک عظیم محدث، ایک نکتہ رس نقاد اور جرح و تعدیل اور اصولِ حدیث کے ایک ماہرِ فن کی حیثیت سے حیرت انگیز تحقیقات کے دریا بہا رہا ہے اور چند اوراق الٹنے کے بعد تو میں حیران رہ گیا اور پہلی بار مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ ایک فقیہ صرف منقولات ہی پر حاوی نہیں ہوتا بلکہ علمِ طبیعات، علم الافلاک، علم ہندسہ، فلسفۂ کون و فساد، علمِ تشریح الابدان اور علمِ جغرافیہ کے اصول و جزئیات سے بھی ایک ماہرِ فن کی طرف باخبر ہوتا ہے۔

"فتاویٰ رضویہ" کے صفحات پر عقل و نقل اور علم و فن کی بے شمار شاخوں میں اعلیٰ حضرت کے علمی رسوخ، دقتِ نظر اور مہارت و تبحر کی تفصیلات سے گذرتے ہوئے دیکھ کر میں بار بار سوچنے لگا کہ ہماری یہ فروگذاشت کیا تاریخ کبھی معاف کرے گی کہ ہم نے چودھویں صدی کی ایک عبقری اور نادر الوجود شخصیت کے مقام و فضل سے اہلِ علم کی دنیا کو کبھی متعارف نہیں کرایا اور نہ خود دانشورانِ ہند کو کبھی یہ توفیق ہوئی کہ وہ مسلک کے اختلاف سے پرے ہو کر ایک مسلم الثبوت اور یگانۂ روزگار شخصیت کے کارناموں کا غیر جانبدارانہ طور پر مطالعہ کرتے اور ان کے مقامِ علم و فضل سے روشناس ہوتے۔ حکمت و فن کا گوہرِ گرانمایہ جہاں بھی ملے وہ بہر حال مردِ مومن کی میراث ہے۔

یہی وہ احساسات تھے جن کی وجہ سے میرے دل میں اعلیٰ حضرت پر تحقیقی کام کرنے کی تحریک پیدا ہوئی۔" [۲۹]

قائدِ اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد کے استاذ پروفیسر جمیل قلندر صاحب نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی عبقری شخصیت کا ایک نہایت ہی اچھوتا تجزیہ کیا ہے جو یقیناً رضویات کے محققین کے لیے نئے زاویے اجاگر کرتا ہے۔ وہ اپنے ایک مقالہ میں تحریر کرتے ہیں:

"قرآن حکیم نے انسانی ذات، خارجی کائنات اور خالقِ کائنات سے متعلق ایک نئے اسلوبِ بیان اور اندازِ فکر کی داغ بیل ڈالی، جسے آج کل کی اصطلاح میں Holistic یا Interdicciplinary approch کہتے ہیں۔ اس کی رو سے بزمِ ہستی کی مختلف اور متنوع اشیاء کو علیحدہ علیحدہ دیکھنے کی بجائے ان کو ایک دوسرے کے مشترکہ تناظر میں دیکھتے ہیں۔ قرآن حکیم کے بعد دو شخصیتیں قابلِ ذکر اور لائقِ توجہ ہیں جنہوں نے خالص دینی پلیٹ فارم سے اس قسم کی بین الموضوعاتی اور کلیاتی مؤقف اپنا کر اس کی تعلیم دی۔ ایک شخصیت مبارکہ تو حضرت امام علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات گرامی قدر ہے، جن کا کم و بیش بیس مجلدات پر مشتمل کلام انفس و آفاق کے ہر گوشے پر محیط ہے اور علم و معرفت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے

اور دوسری شخصیت برگزیدہ حضور رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں سے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اس قسم کے اندازِ فکر کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اسی کے مطابق سائنسدانوں، فلسفیوں، علماء اور فقہاء کی ایک پوری نسل تیار کی جس میں آپ کے ایک ہونہار شاگرد امام ابو حنیفہ بھی ہیں۔۔۔

تقسیم پاک و ہند سے پہلے ہندوستان میں علامہ امام احمد رضا خاں بریلوی دینی پلیٹ فارم پر غالباً وہ واحد شخصیت نمودار ہوئے جنہوں نے نرے سپیشلا ئزیشن کی روش سے ہٹ کر علوم وفنون کے بارے میں وہی انسائیکلوپیڈیائی، موسوعاتی، انٹرڈسپلینری اور ہولسٹک رویہ اپنایا جو مشرق کے قدیم سائنسدانوں، فلسفیوں، علماء، فقہاء اور مؤرخین کا وطیرہ اور معمول رہا ہے۔۔۔

علامہ امام بریلوی نے اپنی تحقیقات و اجتہادات کی بنیاد خالصۃً استقراء یعنی ذاتی تجربے اور مشاہدے پر رکھی اور اس میں استدلال کا طریقہ قطعی طور پر وہی اپنایا جسے ریاضیاتی و ہندسی طریقۂ استدلال (Mathimatical & Geomatrical Method of Argumentaion) کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ علامہ امام بریلوی ایک سائنسدان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ ریاضی داں بھی تھے۔'' [۳۰]

امام ممدوح بکثرت علوم وفنون پر حاوی تھے جن کی تعداد کا اندازہ شروع میں ۵۵ کے قریب تھا لیکن ان پر تحقیق وتدقیق جس طرح سے روز بروز آگے بڑھ رہی ہے، حیرت واستعجاب کے نئے نئے دروا ہو رہے ہیں۔ جامعہ کراچی کے ریسرچ اسکالر پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے ان علوم کی تعداد کا اندازہ ستر (۷۰) کے قریب لگایا ہے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے بانی اور صدر اول جناب ریاست علی قادری مرحوم ومغفور نے ان کی تعداد ۱۰۵ (ایک سو پانچ) شمار کی ہے اور اب حال ہی میں مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب زید علمہٗ نے اپنی تحقیق میں ان علوم کی تعداد ۱۱۴ (ایک سو چودہ) بیان کی ہے جبکہ مولانا محمد اسحاق رضوی مصباحی زید مجدہٗ نے اپنے حالیہ تحقیقی مقالہ ''امام احمد رضا۔ جامع العلوم شخصیت'' مشمولہ معارف رضا سالنامہ ۲۰۰۳ء میں ان علوم کی تعداد ۲۰۰ سے زیادہ بتائی ہے۔

امام احمد رضا نے مختلف اور متنوع علوم وفنون پر اپنی یادگار تصانیف بھی چھوڑی ہیں جن کی تعداد ہزار سے زیادہ ہے۔ علامہ ہمدانی نے امام ہمام کی تقریباً نوسو پچاس (۹۵۰) کتب ورسائل کی فہرست مرتب کرلی ہے۔ [۳۱]

کرشمہ دم دل می کشد کہ جا اینجاست

شعر وادب میں بھی امام احمد رضا کا مقام بہت بلند ہے۔ نعتیہ شاعری کے معروف ناقدین ومحققین ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر اشفاق اور ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کے محاسن بیان کرتے ہوئے انہیں نعتیہ شاعری کے ایک نئے دبستان کا بانی قرار دیا ہے۔ ان کے اسلوبِ سخن نے نہ صرف یہ کہ ان کے اپنے دور کے بلکہ بعد میں آنے والے مدح خوانِ رسول ﷺ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ ذکر وفکرِ رسول ﷺ کو عام کیا ہے اور عشقِ رسول ﷺ کے گلشن جگہ جگہ سجائے ہیں۔ آج برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش میں اردو میں نعت گوئی کا فروغ اسی عاشقِ رسول ﷺ کا مرہونِ منت ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر اشفاق اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی شائع شدہ پی۔ ایچ۔ ڈی تھیس)

پاکستان کے معروف ادیب، شاعر اور محقق مولانا کوثر نیازی، امام احمد رضا کے قصیدۂ سلامیہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''بلا خوفِ تردید کہتا ہوں کہ تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام (مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام) ایک طرف۔ دونوں کو ایک ترازوں میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی بھاری ہوگا۔''

پھر لکھتے ہیں:

''مجھے افسوس ہے کہ اہلِ قلم نے اس جانب توجہ نہیں کی ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔''

[کوثر نیازی، مولانا، امام احمد رضا خاں بریلوی۔ ایک ہمہ جہت شخصیت، ۱۹۹۱ء، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ص: ۲۱، ۲۲]

مولانا کوثر نیازی نے سچ فرمایا:

صرف اس قصیدۂ سلامیہ کے مطلع کو ہی لے لیجئے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اس کا ہر ہر لفظ ایک مستقل عنوان ہے۔ مثلاً:

۱۔ ''مصطفیٰ'' ﷺ ایک عنوان ہے، ۲۔ ''جانِ رحمت'' دوسرا عنوان ہے،

۳۔ ''لاکھوں سلام'' تیسرا عنوان ہے، ۴۔ ''شمع'' چوتھا عنوان ہے،

۵۔ ''بزمِ ہدایت'' پانچواں عنوان ہے، ۶۔ ''شمعِ بزمِ ہدایت'' چھٹا عنوان ہے،

۷۔ ''لاکھوں سلام'' شمعِ بزمِ ہدایت کے حوالے سے ایک اور عنوان ہے، پھر اس میں مزید ذیلی عنوانات بھی نکل سکتے ہیں، مثلاً:

۸۔ ''جان'' بھی ایک عنوان ہے، ۹۔ اور ''رحمت'' بھی ایک مزید عنوان ہے،

۱۰۔ ''بزم'' بھی ایک عنوان ہے، ۱۱۔ اور ''ہدایت'' بھی ایک مزید عنوان ہے،

۱۲۔ پھر ''سلام'' خود بھی ایک وسیع المعانی عنوان ہے۔

گویا صرف مطلع کے ان دو مصرعوں میں ۱۲ رعنوانات ہیں اور ہر ہر عنوان اہلِ علم و تحقیق کو دعوتِ تحریر دے رہا ہے۔ سبحان اللہ! یہ ہے امام احمد رضا کے علم کی گہرائی و گیرائی۔ آپ کی ذات اللہ تبارک و تعالیٰ کی شانِ کبریائی کا مظہر ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

علامہ شیخ محمد مختار بن عطارد الجاوی المکی، استاذ حرم المکی علیہ الرحمۃ، امام احمد رضا کی شخصیت کو سید عالم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"وأن المؤلف من سلطان العلماء المحققين في هذا الزمان، وأن كلامه حق صراح فكانه من معجزات نبيناﷺ اظهر الله تعالى على يد هذا الإمام"

یعنی بیشک مؤلف (الدولۃ المکیہ) اس زمانہ میں علماء کا بادشاہ ہے اور اس کی ساری باتیں سچی ہیں، گویا وہ ہمارے نبی ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو اس یگانۂ روزگار امام کے دستِ مبارک پر حق تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

امام احمد رضا اسم بامسمّٰی ہیں جنہوں نے ہمیں ''رضائے احمد مجتبیٰ'' کی راہ دکھائی۔ اب آپ اُس ذاتِ گرامی سے بھی متعارف ہوں جنہوں نے ہمیں احمد رضا کے ''عشقِ سرورِ کونین'' (ﷺ) کے جلوے دکھائے، اس ''تاجورِ سخن'' کے اقلیم کی سیر کرائی اور اس ''عاشقِ سرورِ کونین'' کی سیرت لکھی یعنی سراپا ایثار و محبت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری نقشبندی ''مسعود نام، صفت حق و صداقت'' آج جن کا نامِ نامی بحمد اللہ دینی، علمی اور تحقیقی اقلیمِ سخن کا ایک معتبر و مستند اسمِ گرامی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ کی سیرت و کردار، اندازِ گفتار اور طرزِ تحریر سے ایک عاشقِ مصطفیٰ ﷺ کا عرفان اور اس کے ''عشقِ سرمدی'' کی لذّت

آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ یوں تو ان کی علمی اور تصنیفی زندگی کی ابتداء ۱۹۵۶ء کے اوائل سے ہوتی ہے لیکن بارگاہِ خداوندی سے ان کے قلم کو وقار، تمکنت اور ان کی تحریرات کو عزّت و افتخار اس دن سے عطا ہونا شروع ہوا جب ان کا شہوارِ قلم ''ادبی تحقیق کے ریگ زار'' اور ''مدحتِ سنبل و ریحان'' کے خارزار سے گزر کر حصولِ رضائے احمد ﷺ کے لئے بحرِ عشق میں غوطہ زن ہوا اور احمد رضا کے چشمۂ آبِ حیوان سے اپنی علمی و تحقیقی تشنگی کو سیراب کرنا شروع کیا۔ اسی ''ریاضتِ عشق'' نے آپ کو ''مسعودِ ملّت'' کے تاج کے ساتھ ''مسندِ رضویات'' پر صدر نشین کیا، اور آپ کے قلم کو اعتبار و اعتماد اور نگارشات کو قبولِ عام کی سند بخشی۔

انفرادی طور پر رضویات پر تحقیقی اور تصنیفی کام کے آغاز کا سہرا ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے سر ہے۔ ان کے یے رضویات پر کام کے محرکات و عوامل کے دو بنیادی پہلو ہے:

[۱] ایک تو مخلص حضرات کی تحریک [۲] دوسرا حالات کا عمل دخل

اس ضمن میں چند مخلص شخصیات کے نام سامنے آتے ہیں۔ ان میں پاکستان سے تعلق رکھنے والے معروف حضرات کے نام درج ذیل ہیں:

☆ محسن اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ (م ۱۹۹۹ء)
☆ علامہ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی صاحب علیہ الرحمہ (م ۲۰۰۳ء)
☆ علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ (م ۲۰۰۴ء)
☆ مولانا مفتی جلال الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ (م ۲۰۰۸ء)
☆ مولانا سید ریاست علی قادری مرحوم علیہ الرحمہ (م ۱۹۹۲ء) بانی و صدر اول، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی)
☆ علامہ شمس الحسن شمس بریلوی مرحوم (م ۱۹۹۶ء) سرپرست، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی
☆ علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری علیہ الرحمہ
☆ شیخ محمد عارف قادری ضیائی صاحب
☆ صوفی مقبول احمد ضیائی صاحب
☆ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب

ہندوستان میں جن شخصیات نے ''رضویات'' کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا یا اس میں تعاون کیا ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

☆ ملک العلماء علامہ مولانا ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ
(مصنف ''حیاتِ اعلیٰ حضرت، چار جلدیں، سنِ تحریر ۱۳۲۹ھ/۱۹۳۸ء، سنِ اشاعت جلد اول، ۱۹۵۵ء، مکمل چار جلدیں، ۲۰۰۳ء)
☆ مولانا عبدالرؤف علیہ الرحمہ ☆ علامہ محمد احمد مصباحی ☆ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
☆ علامہ یٰسین اختر مصباحی ☆ مولانا افتخار احمد مصباحی وغیرہم

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سے قبل ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کا قیام عمل میں آیا۔ اس نے نوری مسجد، ریلوے اسٹیشن، لاہور پر ''یوم رضا'' منانے کا آغاز کیا جس میں علماء و فضلاء امام احمد رضا کے حوالے سے اظہارِ خیال کرتے۔ یوم رضا میں پڑھے گئے مقالات و خطبات کو مجموعی شکل میں شائع کیا گیا جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا:

''مولانا قاضی عبدالنبی کوکب صاحب (شعبۂ علوم شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) نے ''مقالاتِ یوم رضا'' ترتیب دے کر

۷۱۔۱۹۶۸ء میں تین مجلدات میں لاہور سے شائع کیے۔''

تقریباً ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کے قیام کے بعد محسنِ اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی تحریک سے رضویات پر تسلسل سے کام شروع ہوا جو ایک طویل عرصہ تک جاری رہا۔

پاک و ہند میں مرکزی مجلسِ رضا ہی ایسا واحد ادارہ تھا جس نے سب سے پہلے نامساعد حالات کے باوجود امام احمد رضا سے متعلق صالح لٹریچر بلا قیمت پیش کیا اور پاک و ہند کے علاوہ مختلف ممالک میں متعارف کرایا۔ مجلس کے روحِ رواں حکیم محمد موسیٰ امرتسری اہلِ علم کے شکریہ کے مستحق ہیں، مگر

ع صلۂ شہید کیا ہے، تب و تاب جاودانہ

مجلسِ رضا نے فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ پر بہت مفید لٹریچر شائع کیا ہے اور پاک و ہند نیز بیرونی ممالک میں اس کو پھیلا کر ایک ایسے طبقے میں فاضلِ بریلوی کا تعارف کرایا جو اس سے پہلے نابلد تھا۔ فی الحقیقت یہ بہت بڑا کام تھا جو بانی مجلس رضا کے اخلاص اور لگن کی وجہ سے بہت تھوڑے وقت میں ہوگیا۔ بعد میں رضا اکیڈمی، لاہور اور رضا اکیڈمی، ممبئی (انڈیا) نے بھی تصانیفِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت پر توجہ دی۔ جن مختلف اداروں میں امام احمد رضا پر بڑے پیمانے پر اشاعتی کام ہو رہا ہے، ان کی حسبِ اطلاع فہرس درج ذیل ہے:

۱۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی
۲۔ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور
۳۔ المجمع الاسلامی، مبارکپور، انڈیا
۴۔ رضا اکیڈمی، ممبئی، انڈیا
۵۔ رضا اکیڈمی، لاہور
۶۔ رضا اکیڈمی، اسٹاکپورٹ، برطانیہ
۷۔ امام احمد رضا اکیڈمی، ساؤتھ افریقہ
۸۔ سُنّی دارالاشاعت، مبارکپور، انڈیا
۹۔ الرضا اسلامک سینٹر، ڈیرہ غازی خان، پنجاب، پاکستان
۱۰۔ رضا فاؤنڈیشن، لاہور
۱۱۔ کنزالایمان سوسائٹی، لاہور
۱۲۔ ادارۂ افکارِ رضا، ممبئی، انڈیا
۱۳۔ مرکزِ اہلِ سنت برکاتِ رضا، پوربندر، گجرات، انڈیا
۱۴۔ سُنّی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل، ماریشس، ڈربن، مانچسٹر
۱۵۔ رضا دارالاشاعت بھیڑی، بریلی، انڈیا
۱۶۔ ادارۂ اشاعتِ تصنیفاتِ رضا، بریلی شریف، انڈیا
۱۷۔ ادارۂ تصنیفاتِ امام احمد رضا، کراچی
۱۸۔ برکاتی فاؤنڈیشن، کراچی
۱۹۔ المجمع الرضوی العلیمی (بالہند) بغدادشریف
۲۰۔ اعلیٰ حضرت فاؤنڈیشن، بنگلہ دیش
۲۱۔ رضا اسلامک اکیڈمی، بنگلہ دیش
۲۲۔ امام احمد رضا اکیڈمی، پیلی کوٹھی، بریلی شریف، انڈیا
۲۳۔ شعبۂ اعلیٰ حضرت، دعوتِ اسلامی، فیضانِ مدینہ، کراچی
۲۴۔ دارالسنہ، کراچی (اسلم رضا قادری شامی)

مصر میں گذشتہ کچھ سالوں میں جو تحقیقی اور تصنیفی کام ہوا ہے اس کا ایک اجمالی خاکہ الدکتور حازم صاحب نے قاہرہ میں شائع شدہ ''کتاب الذکاری۔ مولانا احمد رضا خان'' میں پیش کیا ہے جو قارئین کرام کی دلچسپی اور مطالعہ کے لیے پیشِ خدمت ہے۔ اس کو پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ سرزمینِ مصر میں اہلِ علم نے رضویات پر کام کا کتنا اہتمام کیا ہے۔

یونیورسٹیوں کے تحقیقی مقالات:

☆ الامام احمد رضا خان واثرہ فی الفقه الحنفی (امام احمد رضا خاں اور فقہ حنفیہ میں ان کا اثر) ایم۔فل مقالہ از مولانا مشتاق احمد شاہ فاضل جامعہ محمدیہ غوثیہ، سرگودھا، پاکستان

☆ الشیخ احمد رضا خان البریلوی شاعرا عربیا (مولانا احمد رضا خاں بحیثیت عربی شاعر) ایم۔فل مقالہ از مولانا ممتاز احمد سدیدی ابن علامہ عبدالحکیم شرف قادری، لاہور، پاکستان

علمی کتب:

☆ بساتین الغفران (عربی دیوان امام احمد رضا خاں) ترتیب وتدوین: الدکتور پروفیسر حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ

☆ الدراسات الرضویه فی مصر العربیه (مصر میں رضویات) مولف: الدکتور پروفیسر حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ

☆ امام احمد رضا خان والعالم العربی (امام احمد رضا اور عالمِ عرب) مولف: الدکتور پروفیسر حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ

☆ بساتین الغفران کے مقدمے کا اردو ترجمہ، تحریر: پروفیسر حازم، ترجمہ: حمزہ شرف قادری

☆ الامام احمد رضا خان فی الصحافة المصرية (امام احمد رضا خاں مصری صحافت میں) مولف: دکتور حازم محمد محفوظ، نبیلہ اسحاق

☆ اقامة القيامة على طاعن القيام النبى تهامة (نبی علیہ السلام کے لیے قیامِ تعظیمی پر طعن کرنے والے قیامت) از: امام احمد رضا خاں (عربی ترجمہ: مولانا ممتاز احمد سدیدی الازہری)

☆ المنظومة السلامیه فی مدح خیر البرية (سلام رضا کا عربی ترجمہ مع تعارف امام احمد رضا بریلوی)
منثور ترجمہ: الدکتور حازم محمد محفوظ، منظوم ترجمہ: ڈاکٹر حسین مجیب المصری

☆ المفكر الاسلامیه الصوفی الکبیر والداعیة والادیب العالمی مولانا احمد رضا البریلوی الهندی عند صفوة من مفكر العربی المعاصرین اعداد و تقدیم: دکتور حازم محمد احمد عبدالرحیم محفوظ (مولانا احمد رضا بریلوی ہندی منتخب عرب مفکرین و معاصرین کی نظر میں)

☆ الامام احمد رضا بین نقاد الادب فی مصر الازهر (امام احمد رضا مصر اور جامعہ ازہر کے ادباء اور ناقدین کی نظر میں)
ترتیب وتدوین: ڈاکٹر رزق مرسی ابوالعباس و حازم محمد احمد المحفوظ

☆ الامام احمد رضا خان فی مؤتمر العالمی ۱۹۹۸م (امام احمد رضا خاں عالمی کانفرنس ۱۹۹۸ء میں) ترتیب وتدوین: حازم محمد احمد محفوظ

☆ اقبال و احمد رضا (اقبال اور احمد رضا) مولف: حازم محمد محفوظ

☆ امام احمد رضا خاں اور عربی زبان، نبیلہ اسحاق، قاہرہ

علمی مقالات:

☆ مدرسه بریلی الاسلامیه الفکریه (بریلی کا اسلامی مکتبِ فکر) مولف: پروفیسر حازم محمد احمد المحفوظ

☆ احمد رضا خان مصباح هندی بلسان عربی (امام احمد رضا خاں ہندی چراغ بزبانِ عربی) مولف: ڈاکٹر رزق مرسی ابوالعباس

☆ مولانا احمد رضا خان و اللغة العربية (مولانا احمد رضا خاں اور عربی زبان) مولف: ڈاکٹر حسین مجیب مصری
☆ وجه الحاجة الى دراسة مولانا احمد رضا خان (رضویات کی تعلیم کی ضرورت و اہمیت) مولف: پروفیسر ڈاکٹر حسین مجیب المصری
☆ شيخ العلماء الامام محمد احمد رضا خان مولف: پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمنعم خفاجی
☆ القاب مولانا الامام احمد رضا خان عند علماء العرب (علمائے عرب کے ہاں امام احمد رضا کے القاب) مولف: حازم محمد محفوظ
☆ اردو نعت گوئی کے امام۔ امام احمد رضا خاں بریلوی از: پروفیسر ڈاکٹر نجیب الدین جمال
☆ الصوفی الکبیر الامام احمد رضا خان قادری (عظیم صوفی امام احمد رضا خاں) مولف: مولانا ممتاز احمد سدیدی، جامعہ ازہر
☆ الامام الفقیہ احمد رضا خان البریلوی (فقہ کے امام احمد رضا خاں حنفی بریلوی) مولف: علامہ محمود جیرۃ اللہ الازہری المصری
☆ مؤقف اقبال و احمد رضا خان من اقامة دولة باكستان (مملکت پاکستان کے قیام کے بارے میں علامہ اقبال اور مولانا احمد رضا خاں کا مؤقف) مولانا ثناء اللہ الازہری
☆ مصر في ادب احمد رضا خان (مصر تخلیقاتِ احمد رضا میں) مولف: دکتور پروفیسر حازم محمد محفوظ

امام احمد رضا خاں کے علمی آثار پر ملکی اور عالمی سطح پر جو کچھ کام ہوا ہے اور الحمدللہ اب برابر آگے بڑھ رہا ہے اور جس نے ''رضویات'' کو بطورِ فرعِ علم ایک نظم و ضبط بخشا ہے، وہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے رضویات پر سب سے پہلی کتاب امام احمد رضا کے سیاسی افکار پر ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' پیش کی جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلسِ رضا، لاہور، پاکستان نے شائع کی۔ اس کے بعد اس کے مزید ایڈیشن شائع ہوئے۔ امام احمد رضا کے حالات و افکار سے متعلق دوسری کتاب

''فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں''

پیش کی جو ۱۹۷۳ء میں مرکزی مجلسِ رضا، لاہور نے شائع کی۔ اس کے بعد چار ایڈیشن لاہور سے شائع ہوئے اور چھٹا ایڈیشن المجمع الاسلامی، مبارکپور، انڈیا نے شائع کیا۔

[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ''آئینۂ رضویات'' (امام احمد رضا مطلعِ تاریخ پر) مرتبہ: محمد عبدالستار طاہر، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، صفر المظفر ۱۴۲۵ھ/اپریل ۲۰۰۴ء]

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جامعات کی سطح سب سے پہلے رضویات پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا تحقیقی مقالہ ڈاکٹر حسن رضا صاحب نے ''العطایا الرضویہ فی مسائل الشریعۃ'' کے نام سے ستمبر ۱۹۷۹ء میں پٹنہ یونیورسٹی، بہار، انڈیا میں داخل کرایا اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کی جبکہ رضویات پر دوسری پی۔ ایچ۔ ڈی کولمبیا یونیورسٹی سے ایک ہندو خاتون مسز اوشا سانیال نے

Devotional Islam & Politics in British India

(Ahmad Raza Khan Bariellvi and his movement) 1870-1921

کے عنوان پر ۱۹۹۰ء میں حاصل کی۔

اس طرح ایم۔فل کا پہلا مقالہ آنسہ آر۔بی مظہری صاحبہ نے ''امام احمد رضا کے حالات اور اردو صحافت میں ان کا حصہ'' پر لکھ کر سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سے سند حاصل کی جبکہ ایم۔فل کا دوسرا مقالہ ۱۹۹۰ء میں ''مولانا محمد احمد رضا خاں کی عربی زبان و ادب میں خدمات'' کے عنوان پر پروفیسر ڈاکٹر محمود حسین بریلوی صاحب نے لکھا اور علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔فل کی سند حاصل کی۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ۱۹۶۸ء سے ''رضویات'' پر کام کے آغاز کے بعد تک جامعات کی سطح پر ''رضویات'' کو متعارف کرانے کے لیے ۱۲، ۱۳ سال تک سخت جدوجہد کرنی پڑی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے افکار و علمی کارناموں کی تشہیر و نشر و اشاعت کرنے والے پاک و ہند کے ۲۵ سے زائد ادارے اپنی اپنی کاوشوں کے لیے قابلِ ستائش ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملکی اور عالمی جامعات کی سطح پر امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کو متعارف کروانے اور پھر ''رضویات'' کو بطور موضوعِ علم ایک نظم و ضبط دینے میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، پاکستان اور اس کے سرپرستِ اعلیٰ ماہرِ رضویات مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی کاوشوں کا جو حصہ ہے وہ اہلِ علم و بصیرت سے مخفی نہیں۔ الحمدللہ ۱۹۹۰ء کے بعد امام احمد رضا کی شخصیت اور رضویات کے موضوعات جامعات کی سطح پر اس قدر متعارف ہوگئے کہ اب کسی بھی جامعہ کے لیے یہ ممکن نہیں رہا ہے کہ وہ پی۔ایچ۔ڈی یا ایم۔فل کی سطح پر رضویات یا اس کے متعلقات پر کام کروانے سے انکار کردے یا اس کو یہ کہہ کر رکوا دے کہ یہ متعارف شخصیت یا موضوع نہیں ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے خلفاء، تلامذہ، مریدین و متعلقین و متوسلین کے دینی اور علمی کارناموں پر بھی ملکی اور غیر ملکی جامعات میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی سطح پر کام ہوا ہے جنہیں ہم ''متعلقاتِ رضویات'' کا نام دے سکتے ہیں جو ایک الگ تحقیقی مقالہ کا متقاضی ہے۔ اس تناظر میں اگر جائزہ لیا جائے تو ''رضویات'' پر کام کا دائرہ ملکی اور عالمی جامعات کی سطح پر وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور ہمارے نوجوان فاضل اسکالرز کی قلم آزمائی کے لیے نئی نئی سمتوں میں متنوع موضوعات دعوتِ نظارہ دیتے نظر آئیں گے جن پر کام کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ اس لیے ضرورت ہے کہ مخیّر حضرات کی مدد اور حمایت سے ایک امام احمد رضا انٹرنیشنل یونیورسٹی قائم کی جائے۔

۲۔ پبلک سیکٹر اور پرائیوٹ سیکٹر کی یونیورسٹی میں ''رضویات'' کی چیئر قائم کی جائے۔

۳۔ یہاں سے معارفِ رضا ریسرچ جرنل کے لیے اردو، سندھی، انگریزی اور عربی میں علیحدہ علیحدہ مقالات تحریر کروائے جائیں۔

جب ہم جامعات کی سطح پر ''رضویات'' پر ایم۔اے، ایم۔ایڈ، ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے لیے لکھے گئے مقالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ مسز اوشیا سانیال کے پی۔ایچ۔ڈی مقالہ کے بعد اعلیٰ حضرت پر تحقیقی کے رجحان میں تیزی آئی ہے۔ مقالات کے اس سرعت سے لکھے جانے میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (ت ۱۹۸۰ء) کی سعی و کاوش کا اس میں بہت عمل میں دخل ہے کیونکہ جب جامعات کے علم دوست اور حق پسند اسکالرز اور اساتذۂ علم و فن نے دیکھا کہ ایک ایسا عالمِ دین جو تحقیقات کے لیے ایک غیر ملکی (امریکہ) جامعہ (کولمبیا یونیورسٹی) کے اسکالرز اور اساتذۂ فن کا مرکزِ توجہ بن سکتا ہے تو واقعی اس کی شخصیت اور اس کے علمی کارناموں کی عبا میں علم و حکمت کا کوئی نہ کوئی تو گوہرِ نایاب پوشیدہ ہے تو پھر ہم بھی اس سے استفادہ کیوں نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جب ہم بین الاقوامی جامعات کی مختلف سطحوں پر امام احمد رضا پر تحقیقی کام کا ایک اجمالی جائزہ لیتے ہیں تو صورتحال کچھ یوں بنتی ہے:

نمبر	سطح	تکمیل شدہ (۱۹۶۸ء تا ۱۹۸۱ء)	تکمیل شدہ (۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۷ء)	داخل شدہ (۱۹۶۸ء تا ۱۹۸۱ء)	داخل شدہ (۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۷ء)	زیرِ تکمیل/رجسٹرڈ (۱۹۶۸ء تا ۱۹۸۱ء)	زیرِ تکمیل/رجسٹرڈ (۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۷ء)	کل میزان (۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۷ء)
۱۔	پی۔ایچ۔ڈی	۱	۲۱	ـ	ـ	ـ	۱۲	۳۴
۲۔	ایم۔فل	۱	۷	ـ	ـ	ـ	۲	۱۰
۳۔	ایم۔ایڈ	ـ	۱۲	ـ	ـ	ـ	ـ	۱۲
۴۔	ڈی۔لیٹ	ـ		ـ	ـ	ـ	۱	۱
۵۔	علمائے اہلِ سنت کے حوالے سے پی۔ایچ۔ڈی	ـ	۲	ـ	ـ	ـ	۷	۹
۶۔	علمائے اہلِ سنت پر ایم۔فل	ـ	۱	ـ	ـ	ـ	ـ	۱
۷۔	مجموعی تعداد	۲	۴۳	ـ	ـ	ـ	۲۲	۶۷

۱۹۶۸ء تا ۱۹۸۱ء محض دو اسکالرز رضویات کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ گذشتہ ۲۷ برسوں میں (۲۰۰۷ء تک حاصل شدہ اطلاعات کے بموجب) بحمد اللہ تعالیٰ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کی کاوشوں کی بدولت ۳۳ بین الاقوامی جامعات میں ۶۵ ۱ اسکالرز امام احمد رضا قدس سرہٗ پر تحقیقی کام میں مشغول ہوئے اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا صبحِ قیامت جاری رہے گا۔

نوٹ: عالمی جامعات کے وہ طلباء/ اساتذہ حضرات جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ یا دیگر علمائے اہلِ سنت کی حیات اور علمی وملی کارناموں پر ایم۔فل/ پی۔ایچ۔ڈی کرنے کے خواہشمند ہیں وہ اپنی رہنمائی، موضوعات کے انتخاب، خاکہ اور مواد و مآخذ کے لیے درج ذیل حضرات سے ادارہ کے پتہ پر رجوع کر سکتے ہیں:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (فون گھر: 021-4021657 موبائل: 0322-2175095)
۲۔ پروفیسر دلاور خاں (فون دفتر: 021-4503076 فون گھر: 021-6657910 موبائل: 0322-2473267)
۳۔ ریسرچ اسکالر سلیم اللہ جندران (فون دفتر: 054-6622142 فون گھر: 054-6622273)
۴۔ ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری (موبائل: 0300-4860699)

اس مطالعہ سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہوا کہ ''رضویات'' کے تین ارتقائی دور ہیں:

۱۔ رضویات پر تحقیق کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کی مطبوعہ، غیر مطبوعہ نایاب کتب، خطوط، دستاویزات کی تلاش، جمع اور تدوین کا دور
۲۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر رضویات کی نشر و اشاعت کا دور
۳۔ ملکی اور عالمی جامعات میں تحقیق و تصنیف کی ابتداء و ارتقاء

دوسرے دور کا آغاز ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی اعلیٰ حضرت کی سوانحِ حیات پر مرتب کردہ ''دائرۂ معارفِ رضا'' کے اس خاکہ سے ہوتا ہے جو ۱۵ رجلدوں پر مشتمل ہوگا۔ مستقبل کی رضویات کے محققین کے لیے تھیسس کی تیاری سے قبل موضوع اور اس کی ذیلی

عنوانات کے انتخاب کے حوالے سے یہ خاکہ ایک رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ جتنی بھی ایم۔فل یا پی۔ایچ۔ڈی کے مقالات لکھے جاچکے ہیں وہ کسی نہ کسی اعتبار سے اس میں بیان کردہ عنوانات سے تعلق رکھتی ہیں۔ البتہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت اس قدر ہمہ جہت اور پہلودار ہے کہ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے علوم وفنون کی نئی فروعات دریافت ہوئی ہیں اس کی بناء پر اعلیٰ حضرت کی شخصیت کے نئے پہلو سامنے آئے ہیں جس کی وجہ سے ''دائرۂ معارفِ رضا'' کے بعض عنوانات اور ذیلی عنوانات میں اضافہ اور بعض میں تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ اس دوسرے دور کے آغاز سے ہمیں ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی رضویات پر تحقیقات کی نگرانی وسرپرستی اور ان کی تصنیفات وتالیفات سے نوجوان محققین، علماء واسکالرز متاثر ہوئے۔ پھر ان میں سے بعض نے ''رضویات'' کے موضوعات اپنی تحقیقی کاوشوں کو اہلِ علم وفن سے منوایا اور پھر تیسرے دور میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ آج ان میں سے بہت سے حضرات اپنے اپنے موضوعات پر دسترس علمی بلوغ کے حصول کے بعد جامعات میں ''رضویات'' پر ریسرچ تھیسس کی نگرانی اور سرپرستی کا فریضہ انجام دینے لگے اور بحمد اللہ ایسے ذی علم حضرات کی تعداد روزافزوں ہے اور یہ سب فیض ہے ماہر رضویات قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی سرپرستی، رہنمائی اور قلمی تربیت کا۔ اس تمام ارتقائی عمل میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کی درج ذیل سعی وکاوشیں ملکی اور غیر ملکی جامعات کی سطح پر ''رضویات'' کے فروغ اور نوخیز اہلِ قلم اسکالرز کے لیے تربیت گاہ بنا۔ گذشتہ دس، گیارہ برسوں (۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۸ء) میں جو عالمی جامعات کی اسکالر شخصیات رضویات پر تحقیقی کام کے حوالے سے سامنے آئی ہیں، ان میں نے بعض خلوص نیت، ناقدانہ فکر، تحقیقی مزاج اور تعلیم وتعلم کے فروغ کے سلسلے میں عملی اور معروضی سوچ کے اعتبار سے مستقبل میں فروغ رضویات کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہیں، لہٰذا ان کا ذکر نہ کرنا ناسپاسی ہوگی:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب، جنرل سیکریٹری ادارہ ہٰذا (چیئرمین شعبۂ پٹرولیم، جامعہ کراچی، پاکستان)
۲۔ پروفیسر دلاور خاں نوری صاحب، جوائنٹ سیکریٹری ادارہ ہٰذا (پرنسپل جامعہ ملیہ پوسٹ گریجویٹ، ملیر، کراچی، پاکستان)
۳۔ پروفیسر مجیب احمد صاحب، ممبر ادارتی بورڈ، معارفِ رضا (استاذ شعبۂ سیاسیات، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد)
۴۔ ریسرچ اسکالر سلیم اللہ جندران صاحب (پنجاب یونیورسٹی، لاہور)
۵۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالودود صاحب، رکن، اسکالرز پینل، ادارہ ہٰذا (صدر، شعبۂ قرآنیات، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، کشٹیا، بنگلہ دیش)
۶۔ دکتور شیخ محمد حازم المحفوظ صاحب، رکن، اسکالرز پینل، ادارہ ہٰذا (استاذ شعبۂ اردو ترجمہ، جامعہ ازہر شریف، قاہرہ، مصر)
۷۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب، رکن، اسکالرز پینل، ادارہ ہٰذا (صدر، شعبۂ علومِ اسلامی، ہمدرد یونیورسٹی، دہلی، انڈیا)
۸۔ پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری (استاذ، فیصل آباد یونیورسٹی)
۹۔ مولانا محمد اسلم رضا قادری (مدیر، دارالسنہ، کراچی)
۱۰۔ علامہ مولانا انوار احمد خاں بغدادی (استاذ، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی، انڈیا)

یہ تحریر اس کی متحمل نہیں ہوسکتی کہ ان حضرات نے ''رضویات'' پر جو تحقیقی، تصنیفی، تدریسی اور نصابی پیش رفت کی ہیں، اس پر بھی گفتگو کی جاتی۔ البتہ ''معارفِ رضا'' کے گذشتہ کئی شماروں میں ان حضرات کی علمی نگارشات سامنے آتی رہی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ان کی پیش رفت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان کے علاوہ ۲۰ سے زیادہ ملکی وعالمی جامعات کے اساتذہ کی وہ شخصیات ہیں جنہوں نے رضویات پر کام کی نگرانی کی۔ ان میں سے بعض حضراتِ گرامی پے درپے متعدد اسکالرز کو رضویات کے متعدد عنوانات پر تھیسس کی رہنمائی اور نگرانی کا فریضہ انجام دیا ہے اور آئندہ کے لیے بھی تیار ومستعد ہیں۔

غرضکہ مطالعہ رضویات پر ۱۹۸۰ء سے ۲۰۰۸ء تک اس قدر مواد و مآخذ آچکا ہے کہ یہ عنوان بذات خود ایک پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ کا متحمل ہے۔ کوئی فاضل اگر ہمت کرلے تو ہم اس کے مواد و مآخذ کی فراہمی میں پوری طرح تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ''جہانِ رضا'' جو عشقِ رسول ﷺ کی روشنی سے عبارت ہے، علم و معرفت کی ایک وسیع کائنات اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، اس بحرِ بے کراں کا اندازہ کچھ انہی دیوانوں کو ہے جو مسلسل گذشتہ ربع صدی سے زیادہ اس سمندر کی تہہ سے موتیاں نکالنے کی کوشش کررہے ہیں لیکن جب بھی کام کے اختتام پر اپنی علمی کاوشوں اور پیش رفت کا جائزہ لیتے ہیں تو بقول معروف محقق علامہ کوثر نیازی، یہی کہنا پڑتا ہے کہ ''ابھی تو ہم اس ساحل سمندر سے صرف سیپیاں چن سکے ہیں، موتیوں تک اس کے اتھاہ سمندر کی گہرائیوں میں اترنے کی ابھی ہم میں صلاحیت کہاں'' (مفہوم)۔ [امام احمد رضا۔ ایک ہمہ جہت شخصیت، مصنفہ: مولانا کوثر نیازی]

سچ پوچھئے تو نورانی علوم کی حامل ایسی شخصیات کے چرچے فرش کے ساتھ عرش پر بھی ہوتے ہیں۔ ہمارا کمال اسی میں ہے کہ ہم رضائے احمد کے پرتو احمد رضا کے نام کا ورد اور اس کے چرچے کو جاری رکھیں۔

گفتم دعائے دولت تو وردِ حافظ است
گفت ایں دعا ملائکہ ہفت آسماں کنند

حوالہ جات

[۱] لسان عرب، جلد: ۱۱، ص: ۴۵۵، علامہ جمال الدین ابی فضل محمد ابن مکرم ابن فطور الانصاری الافرقی الامصری (م ۷۱۱ھ)، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ۲۰۰۵ء/۱۴۲۶ھ
[۲] الحشر ۵۹:۲۲
[۳] الکھف ۱۸:۶۵
[۴] الجن ۷۲:۲۶، ۲۷
[۵] البقرۃ ۲:۳۱
[۶] البقرۃ ۲:۲۵۱
[۷] الکھف ۱۸:۶۵
[۸] الانفال ۸:۶۴، توبہ ۹:۱۰۰، یوسف ۱۲:۲۲
[۹] الانبیاء ۲۱:۷۴، الطور ۵۲:۲۱
[۱۰] النساء ۴:۱۱۳
[۱۱] خزائن العرفان، آیت مذکور ۴: ۱۱۳ کی شرح
[۱۲] الرحمٰن ۵۵: ۱ تا ۴
[۱۳] (الف) التوبہ ۹:۱۰۰ (ب) درج ذیل آیات بھی ملاحظہ ہوں: الانفال ۸:۶۵، الطور ۵۲:۲۱
[۱۴] مسلم شریف، ج:؟ ص:؟

[۱۵] مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، تقدیم برکتاب ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد الممتار کے آئینہ میں''، مصنفہ: (مولانا) محمد احمد اعظمی مصباحی، ناشر: رضا دار الاشاعت، لاہور ۱۹۹۳ء، ص:۱۴

[۱۶] (الف) مفتی برہان الحق جبلپوری، اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۱ء، ص:۵۹
(ب) محمد ظفر الدین، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، مطبوعہ کراچی، ص:۱۵۵

[۱۷] مجید اللہ قادری، پروفیسر، ڈاکٹر، قرآن وسائنس اور امام احمد رضا، مطبوعہ: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ص:۱۴

[۱۸] البقرۃ ۲:۲۶۹

[۱۹] بخاری شریف، ج:۱، ص:۱۹

[۲۰] نصر اللہ خاں، علامہ، شیخ الحدیث، سابق صدر محکمہ افتاء وقضی، سابق عبوری حکومت، اسلامی جمہوریہ افغانستان، حوالہ درستی تقریر ''فتاویٰ رضویہ''، ج:۷، قدیم نسخہ

[۲۱] ملاحظہ تقریظات ''الدولة المكيه بالمادة الغيبية'' (۱۳۲۳ھ) (مع تعليقاتها للمصنف الشيخ الامام احمد رضا خان الفيوضات المكيۃ لمحب الدولة المكية) (۱۳۲۶ھ) مطبوعہ: مؤسسۂ رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

[۲۲] رضویات پر تحقیق کے حوالہ سے ایک نجی محفل میں راقم سے اظہارِ خیال (وجاہت)

[۲۳] مقالہ ''مقامِ اعلیٰ حضرت۔ فقہاء اور اصولیین کے درمیان'' معارفِ رضا سالنامہ ۱۹۹۳ء/ ۱۴۱۴ھ، ص:۴۷

[۲۴] ترجمہ: ''الاجازات المتينه لعلماء بكة والمدينة''، ص:۱۶۰، ۱۶۱، مطبوعہ بریلی، بحوالہ معارفِ رضا سالنامہ ۱۹۸۹ء، ص:۶۸

[۲۵] ''الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ''۔ مکتوب محررہ ۱۶ رذی الحجہ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء، بحوالہ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مصنفہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۱ء، ص:۱۳۱

[۲۶] فتاویٰ رضویہ پر درس خطاب (۱۹۸۷ء)، شیخ الحدیث علامہ نصر اللہ خاں الافغانی، سابق چیف جسٹس، عبوری حکومت اسلامی جمہوریہ افغانستان

[۲۶ب] حسین مجیب مصری، دکتور، فی ذکری مولانا احمد رضا خان، مجلہ الکتاب التذکاری مولانا احمد رضا خاں، مطبوعہ دار الکتاب، قاہرہ ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، ص:۸

[۲۷] الکتاب التذکاری مولانا الامام احمد رضا خان، مطبوعہ دار الاتحاد، القاہرہ ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، ص:۸، ۱۸

[۲۸] ملخصاً، آئینہ رضویات (امام احمد رضا مطلعِ تاریخ پر) حصہ چہارم، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (صفر المظفر ۱۴۲۵ھ/ اپریل ۲۰۰۴ء) ص:۱۲۸ تا ۱۳۲

[۲۹] حسن رضا اعظمی، ڈاکٹر، فقیہِ اسلام، ادارۂ تصنیفاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۴ء، ص:۶، ۷، ۸

[۳۰] جمیل قلندر، پروفیسر، امام احمد رضا خاں۔ ایک موسوعاتی سائنسدان۔ مشمولہ ''معارفِ رضا'' سالنامہ ۲۰۰۳ء، کراچی ص:۸۴ تا ۸۵، کالم:۱، پیرا:۱

[۳۱] امام احمد رضا اور انٹرنیشنل جامعات، ص:۵۔ ۲۴

کنزالایمان میں انشاء پردازی کی خصوصیات

تحریر: ڈاکٹر غلام غوث قادری

امام احمد رضا خان کے اردو ترجمۂ قرآن کا پورا نام ''کنزالایمان فی ترجمۃ القران'' ہے جو ''کنزالایمان'' کے نام سے مشہور ہے۔

قرآن مقدس:

قرآن مقدس کا نزول چھٹی صدی عیسوی میں اس شان سے ہوا:

تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا ٥

ترجمہ: بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔[۱]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اتارنے والا کون ہے! اور کس پر یہ قرآن مقدس اتارا گیا اور اتارے جانے کی غرض و غایت کیا ہے اور اس کی بوئے ہدایت کا رسوخ کہاں کہاں ہوگا؟

اسی قرآن کریم نے اپنے خود ساختہ ہونے کا انکار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتب لاریب فیہ من رب العلمین ٥

ترجمہ: اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنالے بے اللہ کے اتارے، ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں، پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔''[۲]

قبل اسلام کا زمانہ عربی ادب کا تاریخی دور تھا اور شاعری عربوں کی مرغوب تھی۔ مشہور عربی قصائد جن کو ''سبعہ معلقات'' کے نام سے دنیا جانتی ہے جسے ایک کتابی صورت حاصل ہے اور آج مدارس عربیہ میں شامل نصاب تعلیم ہے، یہ قصائد اپنے زمانے میں عربی ادب کے عظیم شاہکار تھے۔ انہیں سنہرے حروف میں لکھ کر دیوار کعبہ میں آویزاں کر دیا جاتا جو سالوں سے یوں ہی لٹک رہے تھے جن کے جواب لوگوں سے نہیں بن پا رہے تھے۔[۳] لیکن قرآنی جواب سے منہ کے بل گر پڑے اور پھر تو قرآنی چیلنج نے ان کے غرور کو خاکستر کر دیا، ملاحظہ ہو:

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُھَدَآءَ کُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ٥ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ج اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ٥

ترجمہ: اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (ان خاص) بندے پر اُتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو، پھر اگر نہ لا سکو، اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔[۴]

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب اور اس کے محبوب خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ (ﷺ) کا ایک زندہ درخشندہ معجزہ ہے۔ اس کی صداقت کی مہر رب کریم جل جلالہ نے یہ فرما کر ثبت کر دی:

ذٰالِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ۔

ترجمہ: وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔''[۵]

قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے بندوں کے لئے آخری پیغام ہے۔ اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں بنیادی اثاثہ قرآن حکیم ہے۔ یہی کتاب مرکز ہدایات ہے اور اسی کے ذریعے جن و انس کو ہدایت نصیب ہوئی۔ قرآن مقدس کا فیضان زمان و مکان کے حدود سے بالاتر ہو کر کائنات کے گوشے گوشے میں جاری ہے اور جاری رہے گا۔ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری رب کائنات

نے خود اٹھائی اور اسے پڑھنے اور پڑھانے کا کام اپنے ذمۂ کرم پر رکھا اور سچ ہے آج قرآن پاک محفوظ بھی ہے پڑھا اور پڑھایا بھی جارہا ہے، فضائیں اس کی آواز سے گونج رہی ہیں۔ رب کریم نے اپنی اس کتابِ عظیم کی حفاظت مختلف انداز میں فرمائی اور آئندہ بھی فرماتا رہے گا۔ قرآنِ مقدس کا چرچا کہاں نہیں! تقریر، تحریر، تعلیم وتدریس اور تجوید وقراءت کے ذریعے قرآنِ عظیم کے متن ومعانی کو کتابوں میں، ذہنوں وسینوں میں پوری طرح محفوظ کیا گیا۔ نمازِ پنجگانہ، جمعہ، عیدین اور تراویح وغیرہ کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کو لازمی قرار دیا گیا۔ تفاسیر وتشریحات اور تراجم کے توسط سے قرآن پاک کے معانی ومطالب کو محفوظ کیا گیا۔ عربی اور اردو میں خاص کر تفسیروں اور ترجموں کا ایک عظیم ذخیرہ محفوظ ہے۔ سو سے زیادہ زبانوں میں تراجم اور چند زبانوں میں تفاسیر وتشریحات موجود ہیں۔

نیز فنِ خطاطی کے ماہرین نے مختلف انداز میں قرآن اقدس کے ظاہری حسن وجمال کا مظاہرے کیے۔ دھاتوں، لکڑیوں اور پتھروں پر آیاتِ قرآنِ مقدس نقش کرکے حسن کاری کے بہترین جلوے دکھائے۔ ربِ کریم نے سائنس کو ترقی دے کر اشاعتِ قرآن کی عظیم راہیں ہموار کردیں۔ چنانچہ طباعتی مشینیں، فوٹوگراف، فوٹو اسٹیٹ، مائیکروفلم، کمپیوٹر، آڈیو کیسٹ، ویڈیو کیسٹ، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

الغرض کائنات میں بغیر تحریف وتبدیل سب سے زیادہ پڑھنے پڑھانے اور ترجمہ وتشریح کی جانے والی مقدس کتاب قرآن کریم ہے۔

ترجمۂ قرآن کریم:

قرآنِ مجید عربی زبان میں نازل ہوا جو عرب والوں کی مادری زبان تھی۔ قرآنِ مقدس کے فیضان کا اجرا ابتداءً عرب سے ہوا مگر جوں جوں اسلام کا آفاقی پیغام سرزمینِ عرب سے نکل کر دیگر ممالک میں پہنچا توں توں قرآن کریم کے معانی ومطالب کی ضرورت کا احساس دوسری زبانوں میں ہونے لگا۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ خود رسول کریم (ﷺ) کے زمانۂ اقدس میں ہی جزوی طور پر ترجمۂ قرآن کریم کا عمل انجام پایا ہو کیونکہ رسول اکرم (ﷺ) کے بیشتر تبلیغی مکاتیب غیر عربی فرماں رواؤں کے پاس گئے اور مکتوب الیہ نے عربی سے ناواقف ہونے کی صورت میں ترجمہ وتشریح سے کام لیا۔

ایک عظیم محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مطابق قرآنِ مقدس کا پہلا ترجمہ زبانِ فارسی میں ہوا۔ موصوف رقم طراز ہیں:

"چنانچہ اولین تراجم وتفاسیر میں حضرت سلیمان فارسی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (متوفی ۳۵ھ/ ۶۵۵ء) سورۂ فاتحہ کا فارسی زبان [illegible] ترجمہ ہے جو انہوں نے نومسلم ایرانیوں کے لئے کیا تھا۔" [۶]

تاریخی حوالے سے یہ پتہ ملتا ہے کہ قرآنِ مقدس کا ترجمہ ہندی زبان میں ۲۷۰ھ میں ہوا چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مزید رقم طراز ہیں:

"تیسری صدی ہجری کی یہ روایت ملتی ہے کہ کشمیر کے راجہ مہروک کے لئے سندھ کے ایک عراقی النسل عالم عبداللہ بن عمر نے قرآن حکیم کا زبانِ ہندیہ میں ترجمہ کیا۔" [۷]

یہ ترجمے اگرچہ نایاب ہوچکے ہیں تاہم انہیں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ پھر جب آہستہ آہستہ اسلام کی خوشبو پورے برصغیر میں پہنچ گئی تو یہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیم سے کماحقہٗ آشنا کرانے کے لئے یہاں کی زبان میں ترجمۂ قرآنِ مقدس ناگزیر ہوگیا۔ ابتداءً قرآن کریم کی تحریک کو آگے بڑھانا آسان نہ تھا کیونکہ اس سلسلے میں مخالفت کی دیوار حائل تھی مگر ضرورت کے پیش نظر مخالفت کی دیوار منہدم ہوئی اور تحریکِ ترجمۂ قرآن کریم پروان چڑھتی گئی۔

برصغیر میں اسلام کے ابتدائی مرحلے میں ہی محمد بن قاسم [illegible] عظیم فتح ہوئی اور یہاں ۹۳ھ/۷۱۲ء میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ اور عربی زبان یہاں کی علاقائی بولیوں کے امتزاج سے بولی جاتی رہی لیکن یہ سلسلہ بہت جلد ختم ہوگیا اور عربی کی جگہ [illegible] نے لے لیا۔ اس طرح ہزار سال تک تقریباً قرآن کی تعلیم اسی زبان میں ہوتی رہی۔

برصغیر ہند میں قرآن کریم کے فارسی زبان میں ترجمے کا آغاز ۷ویں صدی ہجری بتایا جاتا ہے گرچہ جزوی طور پر اس سے قبل کی بھی تاریخ ملتی ہے۔ایک ترجمہ شیخ سعدی کی طرف منسوب ہے جسے قرآن کریم کا باضابطہ پہلا ترجمہ مانا جاتا ہے مگر مورخین کا اس میں اختلاف ہے۔اس کے علاوہ قدیم تراجم قرآنِ حکیم میں ملک العلماء شہاب الدین بن شمس الدین (م ۸۴۹ھ)، استاذ شیر شاہ سوری، مخدوم نوح ہالائی (م ۹۸۹ھ) کے ہیں۔

مزید فارسی تراجم وتفاسیر کا تاریخ میں سراغ ملتا ہے۔ایک فارسی ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۵ھ/ ۱۷۰۳ء۔ ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۳ء) کا بھی ہے جسے ترجمہ کی مسلم حیثیت حاصل ہے۔کیونکہ ان کے ترجمہ سے قبل کے تراجم کو توضیحی یا تشریحی کہنا بہتر ہوگا۔شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمہ کی تکمیل ۱۱۵۱ھ میں ہوئی جس کا نام "فتح الرحمٰن" رکھا، ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں دہلی سے شائع ہوا۔مولوی عبدالحق نے شاہ صاحب کے اس ترجمہ کو برصغیر میں اول ترجمہ قرار دیا ہے۔[۸]

فارسی ترجمۂ قرآن میں جو مقبولیت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمۂ قرآن کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بارہویں صدی ہجری میں پورے برصغیر میں یہ دیکھتے ہوئے کہ عربی زبان یہاں سے رخصت ہورہی ہے اور عام لوگوں تک زبان فارسی کی رسائی ہے تو قرآنی تعلیمات کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے فارسی زبان میں ترجمۂ قرآنِ مقدس کیا۔

ادھر بارہویں صدی ہجری ہی میں زبان اردو نہ صرف ادبی رنگ وآہنگ اختیار کرچکی تھی بلکہ کثیر تصنیفات وتالیفات اور تراجم کی وجہ سے عام فہم زبان بن چکی تھی دوسری جانب عربی کے بعد فارسی زبان بھی یہاں سے رخصت ہورہی تھی اور اس کی جگہ اردو نے لی۔مگر اس کے باوجود علماء اور صوفیاء نے قرآن مجید کے ترجمہ کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ایسے وقت میں پھر شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحبزادے آگے بڑھے اور اردو زبان میں ترجمہ قرآن مقدس کا بیڑا اٹھایا۔چنانچہ شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے شاہ محمد رفیع الدین دہلوی (و ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۵۰ء۔م ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء) نے قرآن کریم کا اردو میں پہلی بار لفظی ترجمہ ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۷۶ء میں مکمل کیا۔چنانچہ ڈاکٹر عبدالحق رقم طراز ہیں:

"شاہ رفیع الدین کا ترجمہ پہلی بار کلکتہ کے اسلام پریس میں دو جلدوں میں شائع ہوا۔پہلی جلد ۱۲۰۰ھ اور دوسری اس کے دو برس بعد شائع ہوئی۔ترجمہ میں عربی جملہ کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی ہے۔"[۹]

شاہ رفیع الدین دہلوی کے اردو لفظی ترجمۂ قرآنِ کریم کے سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری رقم طراز ہیں:

"شاہ رفیع الدینؒ نے بہت ممکن ہے اس بات کے پیش نظر کہ اردو زبان ابھی اپنی ارتقائی منزل سے گزر رہی ہے اور زبان میں فصاحت وبلاغت بھی پوری طرح پیدا نہیں ہوئی ہے،قرآن کا بامحاورہ ترجمہ کرنے سے گریز کیا مگر وقت کی ضرورت کو مدِ نظر رکھا کہ اگر اردو ترجمہ پیش نہ کیا گیا تو مسلمان قرآن کی معرفت سے محروم رہ جائیں گے لہٰذا ہندوستان کے سیاسی حالات میں انگریزوں کا بڑھتا ہوا اثر دیکھ کر انہوں نے ترجمہ کرکے دوسرے علماء کے لئے راہ ہموار کردی۔"[۱۰]

شاہ رفیع الدین دہلوی کے لفظی ترجمۂ قرآن حکیم کے بعد ان کے تیسرے بھائی شاہ عبدالقادر (و ۱۱۶۷ھ/ ۱۷۵۲ء۔م ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۴ء) دہلوی نے اردو زبان کی تاریخ میں پہلا بامحاورہ ترجمۂ قرآن کریم "موضح القرآن" کے نام سے ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء میں مکمل کیا۔

"موضح القرآن" سے متعلق خود شاہ عبدالقادر دہلوی رقم طراز ہیں:

"آدمی ہزار انجان پیدا ہوتا ہے پھر سب چیزوں سے سیکھتا اور بتانے سے جانتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کا پہچاننا بھی بتانے سے اور سکھانے سے آتا ہے۔پر کلام پاک خدا تعالیٰ کا عربی زبان میں ہندستانیوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے اس واسطے سے بندۂ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بڑے

حضرت شیخ ولی اللہ، عبدالرحیم صاحب کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے، ہندوستان میں رہنے والے، نے فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں اسی طرح عاجز نے ہندی زبان میں قرآن شریف کے معنی لکھے۔ الحمد للہ کہ یہ آرزو بارہ سو پانچ ہجری میں حاصل ہوئی۔

ہندی زبان میں کم سمجھنے والوں کے واسطے آسان کر کے بیان کئے ہیں اور اس کا نام "موضح القران" ہے یہی اس کی صفت ہے یہی اس کی تاریخ ہے۔" [۱۱]

محولہ بالا عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقادر دہلوی نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہ عظیم کام یعنی ترجمۂ قرآن سہل انداز میں اردو زبان میں کیا۔

واضح ہو کہ شاہ عبدالقادری دہلوی نے اپنے اس "ترجمۂ قرآن" میں روزمرہ کی گفتگو اور محاوروں کا خیال رکھا ہے عربی الفاظ کے لئے مناسب اردو الفاظ پیش کئے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں ڈاکٹر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں:

"شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمۂ قرآن اردو ہندی لغت کا ایک عظیم گنجینہ ہے۔ آپ نے زیادہ تر وہی زبان استعمال کی ہے جو عوام میں بولی جاتی تھی۔ شاہ عبدالقادر دہلوی نے دراصل عوامی زبان اور محاوروں کو قرآن جیسی کتاب کے ترجمے کے لئے استعمال کر کے اس کو ایک نئی رفعت عطا کی جس سے اردو زبان میں اظہار کی غیر معمولی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ [۱۲]

شاہ برادران نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ کر کے برصغیر متحدہ ہند کے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا۔ نیز اردو کو طرزِ جدید سے آشنا کرایا۔

شاہ برادران سے قرآن مقدس کے تراجم کا باضابطہ سلسلہ شروع ہوتا ہے اور تدریجاً یکے بعد دیگرے تراجم قرآن پاک منصۂ شہود پر آتے گئے۔ ان تراجم کلام الٰہی میں بعض کو شہرت میسر ہوئی اور بعض غیر معروف ہو کر رہ گئے۔ بعض معروف مترجمین قرآن کریم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (و ۱۸۳۰ء یا ۱۸۳۶ء مختلف فیہ)

آپ نے ترجمۂ قرآنِ پاک کا کام ۱۸۹۳ء سے شروع کیا جو کہ ۱۸۹۵ء میں مکمل ہوا جس کی پہلی بار مطبع قاسمی دہلی نے طباعت کی۔

۲۔ سرسید احمد خان: (و ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء/م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۵ء)

آپ ترجمۂ قرآن مقدس مع تفسیر ابتدائی ۱۵ پاروں تک ہی مکمل کر سکے۔ جس کی پہلی جلد ۱۲۹۲ھ/۱۸۸۰ء میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آئی بعدہٗ دوسری جلدیں طبع ہوتی رہیں حتیٰ کہ ۱۸۹۵ء میں نصف قرآن کریم کا ترجمہ مع تفسیر مکمل کر سکے۔

۳۔ عاشق الٰہی میرٹھی: (و ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء/م ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

آپ نے ۲۰ سال کی عمر میں قرآن مقدس کا ترجمہ مکمل کیا۔

۴۔ مولوی عبدالحق حقانی دہلوی: (و ۱۲۶۷ھ/م ۱۳۳۵ھ)

آپ کے ترجمہ و تفسیر کی اشاعت ۱۳۰۵ھ سے شروع ہوئی جب کہ آخری جلد پہلی بار ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں مجتبائی پریس دہلی سے طبع ہوئی۔

۵۔ مولوی اشرف علی تھانوی (و۔ ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء/ م ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۱ء)

آپ کا ترجمۂ قرآن مع تفسیر "بیان القرآن" ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ میں مکمل ہوا اور ایک روایت کے مطابق ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے پہلی بار شائع ہوا۔

۶۔ امام احمد رضا خان: (و ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء / م۔ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)

آپ کا ترجمۂ قرآن پاک بنام "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں مکمل ہوا۔

مندرجہ بالا مترجمین کے بعد کے بعض مترجمین مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مولوی محمود الحسن دیوبندی: (و ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۲ء/ م ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء)

آپ نے ترجمۂ قرآن حکیم کا کام ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں شروع کیا اور ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء میں مکمل کیا۔

۲۔ابوالکلام آزاد: (و ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء/ م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء)۔

آپ کے ترجمۂ قرآن کریم کی پہلی جلد ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں جید برقی پریس دہلی سے شائع ہوئی دوسری جلد ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں جب کہ تیسری جلد کو آپ کے اخبار ''الہلال'' سے ترجمہ اخذ کر کے غلام رسول مہر نے مرتب کی۔

۳۔چوہدری غلام احمد پرویز: (و ۱۹۰۳ء/)

آپ کے ترجمۂ قرآن مجید کی پہلی جلد ۱۹۴[illegible]ء میں دوسری اور تیسری جلد ۱۹۴۵ء میں معارفِ قرآن کے نام سے دھلی سے شائع ہوئی۔ جب کہ چوتھی جلد معراجِ انسانیت کے نام سے ۱۹۴۹ء میں لاہور (پاکستان) سے شائع ہوئی۔

۴۔سید ابوالاعلیٰ مودودی: (۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء/۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)

آپ نے ترجمۂ قرآن کریم کا کام ۱۹۴۹ء میں شروع کیا تھا جسے ۳۲ سال میں ''تفہیم القرآن'' کے نام سے ۶ جلدوں پر مشتمل مکمل کیا۔

۵۔عبدالماجد دریابادی: (و ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء)

آپ کے ترجمۂ قرآن پاک اور ''تفسیرِ ماجدی'' کی طباعت ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔[۱۳]

امام احمد رضا خان کا ترجمۂ قرآنِ پاک:

امام احمد رضا خان کے (اردو) ترجمۂ قرآنِ عظیم سے قبل متعدد تراجم قرآن منظر عام پر آ گئے تھے اور بعض تراجم قرآن ان کے بعد بھی منصۂ شہود پر آئے۔جیسا کہ ذکر ہوا۔آپ کے ترجمۂ قرآن کریم کے محرکِ کار آپ کے خلیفہ علامہ مفتی حکیم امجد علی (صدرالشریعہ) ہیں۔صدرالشریعہ نے آپ سے ترجمۂ قرآنِ مقدس کی طرف توجہ کرنے کی گزارش کی تو آپ نے کہا:

''مولانا امجد علی چونکہ ترجمۂ قرآن کے لئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لئے آپ رات میں سونے سے پہلے یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔''[۱۴]

چنانچہ صدرالشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دوات لے کر امام احمد رضا خان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ترجمۂ قرآنِ مقدس کا کام شروع ہوا۔

امام احمد رضا خان بغیر کسی معاون کتب کے سہارے آیات کریمہ کے ترجمے برجستہ طور پر املا کراتے جاتے اور صدرالشریعہ تحریر کرتے جاتے۔چنانچہ علامہ بدرالدین احمد قادری رقم طراز ہیں:

''ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدرالشریعہ اس کو لکھتے رہتے۔لیکن ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر ولغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوتِ حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فرفر پڑھتا جاتا ہے۔پھر جب حضرت صدرالشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتبِ تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیرِ معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔[۱۵]

بالآخر اسی صورت میں مختصر سے وقت میں امام احمد رضا خان نے صدرالشریعہ کے اصرار سے قرآن کریم کا ترجمہ زبان اردو میں ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں مکمل کیا اور اس ترجمہ کا نام ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' رکھا۔اس سے ۱۳۳۰ھ کے اعداد نکلتے ہیں۔

بعض دانشوروں کی ''کنزالایمان'' کے متعلق آراء:

۱۔محترمہ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا قرآن (مجید) میں غیر معمولی بصیرت رکھتے۔امام احمد رضا کا شمار عالم اسلامی کے ان خواص علماء میں ہوتا ہے کہ جن کی قامت پر ''رسوخ فی العلم'' کی قبا راست آتی ہے قرآن کریم سے ان کو غیر معمولی شغف تھا انہوں نے اللہ کے کلام میں برسوں تدبر کیا، اسی مسلسل تدبر و فکر کا نتیجہ تھا کہ امام احمد رضا کو قرآنِ پاک سے خاص

نسبت ہوگئی ان کا ترجمۂ قرآن ان کے برسوں کے فکر و تدبر کا نچوڑ ہے۔''[۱۶]

۲۔مولانا کوثر نیازی، سابق وزیر برائے مذہبی امور پاکستان رقم طراز ہیں:

''حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں وہ بارگاہ رسالت میں ان کے ادب و احتیاط کی روش کا نتیجہ ہے۔ شاعر نے شاعری نہیں کی شریعت کی ترجمانی کی ہے۔

ادب گاہیست زیرآسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اور میرا اپنا ایک شعر ہے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ دربار نبی ہے
خطرہ ہے بہت یاں بے ادبی کا

سوزِ نہاں ہے جو ان کا حرز جاں ہے، ان کا طغرائے ایماں ہے، ان کی آہوں کا دھواں ہے، حاصل کون و مکان ہے، برتر از این و آن ہے، باعثِ رشکِ قدسیاں ہے، راحتِ قلب عاشقاں ہے، سرمۂ چشم سالکاں ہے، ترجمہ ''کنزالایمان'' ہے۔[۱۷]

۳۔استاذ سعید بن یوسف زئی امیر جمعیۃ اہل حدیث پاکستان رقم طراز ہیں:

''مگر میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ کہوں گا الٓم سے لے کر والناس تک ہم نے ''کنزالایمان'' میں نہ کوئی تحریف پائی ہے نہ ہی کسی بدعت اور شرک کے کرنے کا جواز پایا ہے بلکہ یہ ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کے لئے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت، علوت، تقدس و عظمت و کبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے جب کہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتب فکر کے علماء کے ہوں ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔''

مزید رقم طراز ہیں:

''کنزالایمان'' واقعی ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے جو کہ ہر ایک متبع رسول اللہ (ﷺ) کو پڑھنا چاہئے! میں یہ بات برملا کہوں گا کہ ''کنزالایمان'' کا مطالعہ ہر اس شخص کے حق میں مفید ہے جو کہ جنابِ رسالت مآب (ﷺ) کا صحیح معنوں میں اطاعت گزار ہے۔[۱۸]

۴۔پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری رقم طراز ہیں:

''اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا خان) کا ترجمۂ قرآن سامنے ہو تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح قرآن کا اپنا ایک اسلوب ہے جو نہ تقریری ہے نہ تحریری بلکہ ایک جداگانہ اور منفرد اسلوب ہے اسی طرح اس عظیم ترجمے کا بھی اپنا خاص اسلوب ہے جو نہ تقریری کہا جاسکتا ہے نہ تحریری اور جس طرح قرآنی اسلوبِ بیان کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی اسی طرح یہ ترجمہ بھی بے نظیر و بے مثال ہے۔''[۱۹]

۵۔پروفیسر امتیاز سعید احمد، سابق ڈائریکٹر وزارتِ مذہبی امور حکومتِ پاکستان رقم طراز ہیں:

''دوسری بات جو اس ترجمے میں خاص ہے وہ اس کی ادبی اہمیت اور اس کا اسلوبِ نگارش ہے۔ بے شک اُس دور میں اردو زبان پر عربی اور فارسی اثرات تھے اور امام موصوف خود عربی، فارسی کے معتبر عالم تھے مگر آپ نے پورے ترجمے میں اردو زبان کے محاورے کا خاص خیال رکھا اور اس بات کا اہتمام کیا کہ ترجمے میں قرآن حکیم کی عظمت و وقار میں کوئی فرق نہ آئے۔''[۲۰]

۶۔ملک شیر محمد خان اعوان آف کالاباغ پاکستان، رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم ترین مترجم ہیں جنہوں نے انتہائی کدوکاوش سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے جس میں روحِ قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے، مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور بامحاورہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورات کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔''

مزید رقم طراز ہیں:

''اس دور میں اردو اس قدر ترقی یافتہ زبان نہیں تھی جتنی آج مگر

انہوں نے جو کچھ برسوں پیشتر لکھا ہے اسے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی آج کا ادیب ترجمہ تحریر کررہا ہے۔"[۲۱]

۷۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد رقم طراز ہیں:

"امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے قرآن کریم کے مطالب ومعانی اور اسرار ومعارف کو جس مہارت وخوبی کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے اس کی نظیر نہیں۔ بلاشبہ "کنزالایمان" اردو کا وہ بے مثال واحد ترجمہ ہے جس میں قرآنی انوار جھلکتے نظر آتے ہیں۔"[۲۲]

قرآنِ کریم کا اپنا اسلوب بیان لفظی ہے نہ ہی بامحاورہ۔ قرآن مقدس چونکہ کلام ربانی ہے لہٰذا اس کا اپنا منفرد اسلوب، حُسنِ کلام روانیِ بیان، شکوہِ لفظی اور مضامین میں ربط وضبط وغیرہ قرآنی اسلوب کی ایسی خوبیاں ہیں جنہیں نہ تو لفظی ترجمہ اپنے اندر سموسکتا ہے نہ ہی بامحاورہ ترجمہ۔

امام احمد رضا خان کا ترجمۂ قرآن لفظی ترجمہ کے نقائص سے بھی پاک ہے اور بامحاورہ ترجمہ کی کمزوریوں سے بھی مبرا ہے۔

ترجمۂ امام احمد رضا خان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لفظی ترجمے کے محاسن کے حوالے سے قرآن کریم کے ہر ہر لفظ کا مفہوم اس طرح واضح کردیا ہے کہ اسے پڑھ لینے کے بعد کسی لغت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور اس ترجمہ نے بامحاورہ ترجمہ کے محاسن کو بھی اس خوبی کے ساتھ اپنے اندر سمولیا ہے کہ عبارت میں کسی قسم کا ثقل محسوس نہیں ہوتا۔

قرآن مقدس کی ایک آیت پاک کے چند الفاظ یہ ہیں:

"وَلِيُعَلِّمَكَ مِن تَاوِيلِ الْاَحَادِيثِ" [۲۳]

اکثر لوگ اس کا بامحاورہ ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

"اللہ تجھے خوابوں کی تعبیر سکھادے گا"۔

اسی طرح لفظی ترجمہ کرنے والوں نے بھی "تاویل الاحادیث" کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے کہ بات صاف نہیں ہوتی!

اس طرح دونوں قسم کے ترجموں سے لفظ "تاویل" کا معنی واضح نہ ہوسکا۔ اور یہ پتہ نہ چل سکا کہ "تاویل" کسے کہتے ہیں۔

اب ذرا ترجمہ "کنزالایمان" دیکھئے امام احمد رضا خان اس مقام کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔

"اور (تیرا رب) تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔"

امام احمد رضا خان نے "احادیث" کا ترجمہ "باتوں" کیا ہے اس لئے کہ حدیث بات کو کہتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے "تاویل" کا معنی "انجام نکالنا" کیا۔ "تاویل" کا معنی متعین کرنے اور یہ دیکھنے کے لئے آیا۔ یہ معنی فی الواقع عربی قواعد وضوابط کے رو سے درست ہے۔ کتب لغت کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ از روئے لغت "تاویل" کا لفظ "اول" سے مشتق ہے اور اَول کا معنی ہے۔

"ردشئی الی الغایته المرادة منه"۔

ترجمہ: کسی شئی کا غایت مقصود یعنی انجام کی طرف لوٹ آنا۔"

اسی کو تاویل کہتے ہیں اسی سے مآل ہے [۲۴] جس کا معنی انجام ہے۔ چنانچہ "تاویل" کا مطلب انجام نکالنا، انجام سے باخبر ہونا، غایت سے آگاہ ہونا اور اس مقصود اصلی سے مطلع ہونا ہے جو کسی کلام کی تہ میں مخفی ہو۔ لہٰذا امام احمد رضا خان کا یہ ترجمہ لفظی بھی ہے اور بامحاورہ بھی۔ اس طرح کی اور بھی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن یہاں ضرورت نہیں ہے۔

انداز بیان:

قرآن حکیم نہ تو معروف معنوں میں تقریری انداز میں نازل ہوا ہے اور نہ ہی تحریری انداز میں۔ قرآن کا خطاب بے شک کبھی حضور اکرم (ﷺ) سے ہے اور کبھی اہل مکہ سے کبھی اہل مدینہ سے اور کبھی تمام عالم انسانیت سے۔ لہٰذا اسلوب قرآن یہ ہے کہ وہ کبھی حاضر کے صیغہ میں کلام کرتا ہے تو کبھی غائب اور متکلم کے صیغے میں، کبھی جمع کے صیغے لاتا تو کبھی واحد کے، کبھی استدلالی انداز اختیار کرتا ہے، تو کبھی وعظ ونصیحت کا اسلوب اپناتا ہے، کبھی امر کرتا ہے کبھی نہی، کہیں اس کا لہجہ سخت ہے اور کہیں نرم۔ اس اسلوب کو نہ تو ہم مطلقاً تقریری کہہ سکتے ہیں نہ ہی مطلقاً تحریری۔ قرآن کریم کا اپنا منفرد اور جداگانہ اسلوب ہے۔

پ اس سلسلے کی ایک مثال دیکھئے کہ ترجمہ میں امام احمد رضا خان نے جو اسلوب اپنایا ہے، بلاشک وشبہ تقریری ہے نہ ہی تحریری بلکہ ان دونوں سے الگ ایک ایسا انداز ہے جس میں کلام الٰہی کے حسن ورعنائی کی جھلک بھی موجود ہے اور فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ قرآنی اسلوب کی انفرادیت اور چاشنی بھی۔

مثال:

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ الی اٰخرہٖ [۲۵]

ترجمہ امام احمد رضا خان:

"اے میرے بیٹے نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بُری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کام ہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر اور زمین پر اتراتا نہ چل، بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر، بے شک سب آوازوں سے بری آواز گدھے کی ہے۔"

جو ربط وضبط اور نظم، روانیِ بیان اور حسن وخوبی قرآنی الفاظ میں ہیں ان کی جھلک اس ترجمہ میں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہے۔

امام احمد رضا خان نے بہت سے عربی الفاظ کا ترجمہ لفظی نہ کرکے اس طور سے کیا ہے کہ مفہوم بھی ادا ہو جائے اور اللہ عزوجل و رسول (ﷺ) اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں تنقیص بھی نہ ہونے پائے۔

مثلاً "کید" عربی کا لفظ ہے اور اس کے معانی ہیں داؤں، فریب مکر، تدبیر وغیرہ۔ اللہ عزوجل کے لئے داؤں یا داؤ، مکر، فریب وغیرہ استعمال کرنا شایانِ شان نہیں۔ اکثر لوگوں نے انہیں لفظوں میں سے کوئی نہ کوئی لفظ لکھا ہے۔ مگر جہاں کہیں اس لفظ کا اطلاق اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف ہے وہاں پر امام احمد رضا خان نے "تدبیر" لکھا ہے [۲۶]

اسی طرح سورہ فتح کی آیت نمبر ۲:

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ

کے ترجمہ میں عام مترجمین نے ذنب کی نسبت سید عالم ﷺ کی طرف کی ہے یہاں تک کہ "ذنب" کا اردو ترجمہ گناہ کرکے معاذ اللہ حضور اکرم شفیع الامم ﷺ کو گنہگار، خطا کار لکھ دیا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کا پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ "کنز الایمان اور اردو کے دیگر معروف تراجم کا تقابلی جائزہ" مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، پاکستان)۔ لیکن امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی نے اس مقام پر سید عالم رسول محتشم ﷺ کے مقام ومرتبہ اور عزت وعصمت اور عظمت وطہارت کو مدنظر رکھ کر جو ترجمہ کیا ہے اس کو پڑھ کر قاری کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور امام احمد رضا کی قرآن فہمی اور دیگر علوم مثلاً علم تفسیر، اصولِ تفسیر، علم حدیث، اصولِ حدیث، علم صرف ونحو ولغت پر ان کی گہری دسترس کا اندازہ اس ترجمہ سے ہو جاتا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

"تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔" [۲۶ (ب)]

امام احمد رضا خان نے عام اردو الفاظ استعمال کئے ہیں:

مثلاً: "آجر" کے لئے "کامیوں"، "اجر" کے لئے "نیگ" [۲۷] وجہ یہ ہے کہ اللہ جو اجر دیتا ہے وہ بھی اس کا احسان ہے اور "نیگ" کہتے ہیں خوش ہو کر دینے کو اس طرح "انعمت علیہم" [۲۸] کے لئے آپ نے احسان یافتہ یا (جن پر احسان فرمایا) لکھا ہے جب کہ دیگر مترجمین نے لکھا ہے "انعام یافتہ یا جن پر انعام فرمایا ہے" یہاں بھی وہی نکتہ ہے کہ رب العزت جس کو جو بھی عطا کرتا ہے وہ اس کا احسان ہے۔

اس طرح چند الفاظ اور بھی دیکھئے۔

اہل کتاب کے لئے "کتابیوں"، "تفرقہ کے لئے" "چھٹنا" وغیرہ [۲۹] اور چند الفاظ بلاتبصرہ دیکھئے: اور امام احمد رضا خان کی لسانی خدمت کی داد دیجئے۔

مثلاً "بیر، جلن، گھٹن، گھٹاٹوپ، خیال بندیاں، منہ اجالا

ہونا، خواری جمادی گئی'' وغیرہ۔

''تعلمون''[۳۰] کے لئے آپ نے کہیں ''کوتکوں'' لکھا ہے کہیں ''کرتوتوں'' اور ''بغضاء'' کا ترجمہ ''بیر''[۳۱] لکھا ہے۔

سلاست، ترنم اور نغمگی:

قرآن مقدس کا مطالعہ کرنے والے اس کے اس اعجاز سے خوب واقف ہیں کہ جب اسے خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو ایسا ترنم پیدا ہوجاتا ہے جیسے آبشار گرتا ہے بلکہ آبشار کی نغمگی سے کہیں زیادہ کلام الٰہیہ میں حسن وصوتی ترنم کی چاشنی و نغمگی معلوم ہوتی ہے کہ سننے والا جھوم جھوم اٹھتا ہے۔

امام احمد رضا خان نے اپنے ترجمہ میں قرآنی انداز کی نغمگی بھر دی ہے۔

مندرجہ ذیل آیات کی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کیجئے اور ساتھ میں امام احمد رضا خان کا ترجمہ پڑھئے۔ صوتی حسن اور نغمگی کا کیسا احساس ہوتا ہے:

۱۔ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ○ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ ○ .... وَاِذَا الۡجَنَّةُ اُزۡلِفَتۡ ○ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ○ [۳۲]

ترجمہ: جب دھوپ لپیٹی جائے، اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور جب تھلکی (گابھن) اونٹنیاں چھوٹی پھریں اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں اور جب سمندر سلگائے جائیں اور جب جانوں کے جوڑ بنیں اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے اور جب جہنم بھڑکایا جائے اور جب جنت پاس لائی جائے، ہر جان کو معلوم ہوجائے گا جو حاضر لائی۔

سبحان اللہ! کیا صوتی حسن، ترنم اور تغنم ہے!

امام احمد رضا خان کا ترجمہ ان خوبیوں کا آئینہ دار ہے۔

۲۔ مثال سورۂ ''النزاعت'' کی چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ○ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ○ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا .... اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۔[۳۳]

ترجمہ: ''قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے پیریں، پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں، پھر کام کی تدبیر کریں کہ کافروں پر ضرور عذاب ہوگا جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی۔ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی۔ کتنے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔ آنکھ اوپر نہ اٹھا سکیں گے۔''

یہاں بھی کیف وسرور اور ترنم وانبساط کا وہی عالم ہے جو کلام پاک سے ہوتا ہے۔

دراصل ترجمہ میں مترجم پر کچھ پابندیاں ہوتی ہیں کہ وہ اصل کتاب یا قرآن کریم کے ترجمے میں اصل کا پابند رہتا ہے۔ البتہ خوبی یہ ہے کہ جو کیفیت اصل عبارت یا آیات میں ہو اسے ظاہر کر دیا جائے اور پس یہی ترجمہ کا کمال ہے۔ امام احمد رضا خان ایسے الفاظ لائے ہیں جو قرآنی مفہوم ادا کرتے ہیں اور اس کے حسن، اندازِ جمال وجلال، صوتی آہنگ، ترنم و تغنم وغیرہ کو ظاہر کردیتے ہیں۔

مثال نمبر ۱ میں دیکھئے:

''چلائے جائیں، سلگائے جائیں۔ کئے جائیں'' وغیرہ میں صوتی آہنگ، نیز جملوں کا زیر وبم، بول چال کے الفاظ۔ ان سب نے ترجمہ میں حسن برپا کردیا ہے۔

مثال نمبر ۲۔ میں دیکھئے:

''کھینچیں، کھولیں، پہنچیں'' وغیرہ ہم قافیہ الفاظ اور کلمات کا زیر وبم، ''تھرتھرائے گی، تھرتھرانے والی، پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی'' وغیرہ۔ قرآنی الفاظ کے اعتبار سے خود بھی ایسے ہی الفاظ کا استعمال اور وہی انداز اختیار کرنا ہی حسنِ انشاء پردازی اور کمالِ ترجمہ نگاری ہے۔

مثال نمبر ۳

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ○ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ○ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكۡرًا ○ ...... مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ۔[۳۴]

ترجمہ: "قسم ان کی کہ باقاعدہ صف باندھیں، پھر ان کی کہ جھڑک کر چلائیں، پھر ان جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں، بے شک تمہارا معبود ضرور ایک ہے، مالک آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک مشرقوں کا اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو تاروں کے سنگار سے آراستہ کیا اور نگاہ رکھنے کو ہر شیطان سرکش سے، عالمِ بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر طرف سے مار پھینک ہوتی ہے"۔

مثال نمبر ۴

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ○ فَبِاَیِّ اٰلَاۤءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ .... ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ○ [۵۵]

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے، اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ تو اپنے رب کی کون سے نعمت جھٹلاؤ گے۔ بہت سی ڈالوں والیاں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے بہتے ہیں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں ہر میوہ دو دو قسم کا، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ اور ایسے بچھونوں پر تکیہ لگائے جن کا استر قناویز کا۔ اور دونوں کے میوے اتنے جھکے ہوئے کہ نیچے سے چن لو، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان بچھونوں پر وہ عورتیں ہیں کہ شوہر کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں۔ ان سے پہلے انہیں نہ چھوا کسی آدمی اور نہ جن نے، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ گویا وہ لعل (یاقوت) اور مونگا ہیں، تو اپنے رب کی کون سے نعمت جھٹلاؤ گے۔ نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ اور ان کے سوا دو جنتیں اور ہیں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ نہایت سبزی سے سیاہی کی جھلک دے رہی ہیں، تو اپنے رب کی کون کسی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے ہیں چھلکتے ہوئے، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں عورتیں ہیں، عادت کی نیک صورت کی اچھی، تو اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ حوریں ہیں خیموں میں پردہ نشین، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان سے پہلے انہیں ہاتھ نہ لگایا کس آدمی اور نہ جن نے، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے ہوئے سبز بچھونوں اور منقش خوبصورت چاندنیوں پر، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ بڑی برکت والا ہے تمہارے رب کا نام جو عظمت اور بزرگی والا"۔

مثال نمبر ۴ میں جنت کی منظر کشی ہے۔ اس حسین منظر کی، جنت کے میوے، پاکدامن حوروں، لعل و یاقوت و مونگا سے ان کی تشبیہیں، ان حوروں کے حسین اور منقش بچھونوں، چھلکتے ہوئے چشموں وغیرہ کا بیان۔ بعد میں ربِ اکبر کی عظمت و بزرگی کا ذکر بیانیہ نثر کا حسین نمونہ ہے اور اس کی بہترین ترجمانی کی ہے۔ امام احمد رضا خان کی زبان میں سادگی، بیان میں روانی سب کچھ لائق دید و لائق داد ہے۔

مثال نمبر ۵:

اَلْقَارِعَةُ○ مَا الْقَارِعَةُ○ وَمَاۤ اَدْرٰكَ ....مَا الْقَارِعَةُ○ وَمَا اَدْرٰكَ مَاهِيَهْ○ نَارٌ حَامِيَةٌ○[۳۶]

ترجمہ: "دل دہلانے والی کیا وہ دہلانے والی؟ اور تو نے کیا جانا کیا ہے دہلانے والی؟ جس دن آدمی ہوں گے جیسے پھیلے پتنگے اور پہاڑ ہوں گے جیسے دھنکی اون۔ تو جس کی تولیں بھاری ہوئیں وہ تو من مانتے عیش میں ہے اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں وہ نیچا دکھانے والی گود میں ہے اور تو نے کیا جانا کیا نیچا دکھانے والی؟ ایک آگ شعلے مارتی"۔

ملاحظہ ہو جس طرح سورہ میں ہم قافیہ الفاظ ہیں، امام موصوف نے اسی طرح ترجمہ میں بھی الفاظ کی تکرار کی ہے جیسے: دہلانی والی، دہلانے والی وغیرہ۔

مثال نمبر ۶

وَالضُّحٰى○ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ....وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ○[۳۷]

ترجمہ: چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بے شک پچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا

دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔ تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو اور منگتا کو نہ جھڑ کو اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

اس ترجمہ میں منظر کشی بھی ہے اور روانی بھی۔ قرآنی بلاغت کے اعتبار سے امام احمد رضا خان نے بھی حسن و معنویت اور بلاغت و شگفتگی بھری ہے۔

اس آیت "وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدٰی" کا ترجمہ لوگوں نے اس طرح کیا ہے'' اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ بھائی'' یا'' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت) سے بے خبر پایا تو آپ کو شریعت کا راستہ بتلا دیا''۔ مگر امام احمد رضا خان نے لکھا:'' اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

بتائیے کیا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام معاذ اللہ بھٹکے ہوئے یا شریعت سے بے خبر ہو سکتے ہیں؟ لیکن امام احمد رضا خان نے اسے محبت رب کی وارفتگی بتایا ہے۔

مثال نمبر ۷:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا o وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا o وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا o وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا o وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا o وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا o وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o الی آخر [۳۸]

ترجمہ: سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے، اور دن کی جب اسے چمکائے، اور رات کی جب اسے چھپائے، اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم، اور زمین اور اسکے پھیلانے والے کی قسم، اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔

سورہ شمس میں پندرہ آیات ہیں لیکن سات آیتوں کے ترجمے پیش کئے گئے۔ منظر نگاری، صوتی حسن، ترنم، شگفتگی اور دل کشی جو قرآنی آیات میں ہیں اسی مناسبت سے امام احمد رضا خان نے ترجمہ کا حق ادا کیا ہے۔ زبان کس قدر صاف اور پاکیزہ ہے اور بیان میں کیسی روانی اور دل کشی ہے۔

یہ بیانیہ نثر کا بہت ہی اعلیٰ نمونہ ہے امام احمد رضا خان نے ترجمہ میں قرآنی بلاغت اور معنویت نیز حسن و وقار کے اعتبار سے ان سب کو اردو میں ڈھال کر منشائے قرآنی کا آئینہ بنا دیا ہے۔

متفرقات

۱۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے ترجمہ میں مترجمین نے یہ تو لکھا ہے کہ ''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے'' لیکن ''اللہ'' کا نام سب سے پہلے نہیں آیا ہے علاوہ اس کے ''کرتا ہوں'' بھی لکھا ہے ''کرتا ہوں'' میں یہ خامی ہے کہ اگر عورت پڑھے گی تو کیا وہ بھی کرتا ہوں کہے گی! لیکن امام احمد رضا خان نے اس کا ترجمہ کیا ہے ''اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا'' اس میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اللہ جل جلالہٗ کا نام پہلے آیا ہے اور اس طرح یہ ظاہر ہے کہ ''اللہ کے نام سے ہی شروع'' کہہ کر منشائے حکمِ قرآن پر قاری عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ دوم یہ کہ اس میں ''شروع کرتا ہوں'' نہیں ہے بلکہ صرف شروع ہے۔ لہٰذا اب کوئی بھی پڑھے مرد یا عورت دونوں اعتبار سے درست ہے۔

۲۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ: ترجمہ کنزالایمان ''ہم کو سیدھا راستہ چلا''

دیگر ترجمہ نگاروں نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ''ہم کو سیدھا راستہ بتا یا دکھا۔'' لغت اور قواعد کے اعتبار سے دونوں تراجم صحیح ہیں لیکن بتا اور چلا میں بڑا فرق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعلان کر کے ''الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین'' [۳۹] یعنی ''سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا بہت مہربان رحمت والا روزِ جزا کا مالک''، راستہ بتا چکا۔ اب ضرورت ہے کہ اس راستہ پر چلنے کے لئے یعنی راہِ توحید، راہِ مستقیم پر چلنے کے لئے، رب سے مدد اور توفیق مانگی جائے۔ اس اعتبار سے ترجمہ امام احمد رضا خان میں جو معنویت اور بلاغت ہے اس کا جواب نہیں۔

۳۔ اسی طرح سے ''انعمت علیہم'' [۴۰] کے لئے لکھا ''جن پر

تو نے احسان کیا'' دیگر مترجمین نے لکھا'' جن پر تو نے انعام کیا'' یا فرمایا'' انعام دیا۔ انعام دیا جاتا ہے کسی کے کوئی کارنامہ انجام دینے پر۔ انسان جو بھی کارنامہ انجام دیتا ہے وہ صرف اور صرف توفیق الٰہی سے لہٰذا جن پر اللہ نے فضل فرمایا اور کچھ عطا کیا گویا احسان فرمایا۔

یہاں بھی ترجمۂ امام احمد رضا میں معنویت اور بلاغت موجود ہے۔

٤۔ یاایُّھا المزمّلُ ○ [۴۱]

ترجمہ کنزالایمان ''اے جھرمٹ مارنے والے'' حضور (ﷺ) جب غار حرا سے تشریف لائے تو سردی لگ رہی تھی آپ نے فرمایا'' زَمِّلُوْنِی'' مجھے کپڑا اڑھاؤ'' آپ (ﷺ) کو کپڑا اڑھایا گیا اور آپ جھرمٹ مار کر لپٹ گئے (کتب تفاسیر میں اسی طرح سے ملتی جلتی کئی باتیں درج ہیں) جاڑے میں جب سردی زیادہ لگتی ہے تو انسان پیروں کو سکیڑ کر جھرمٹ مار کر لیٹ جاتا ہے پس امام احمد رضا خان نے بہت ہی بلیغ اور حسین ترجمہ کیا ہے۔

رب کریم نے حضور (ﷺ) کی اسی ادا کو سراہتے ہوئے فرمایا ہے'' یاایُّھا المزمّلُ ○ ''اے جھرمٹ مارنے والے''

۵۔ ایک دوسری جگہ قرآنِ مقدس میں حضور (ﷺ) کو'' یاایُّھا المُدَّثِّر'' کہا گیا ہے جس کا ترجمہ امام احمد رضا خان نے کیا'' اے بالاپوش اوڑھنے والے''

یہاں امام احمد رضا خان نے بجائے کمبل یا چادر اوڑھنے والے یا کملی والے کہنے کے'' اے بالاپوش اوڑھنے والے'' ترجمہ کیا ہے کملی والے کہنے سے بڑا عجیب تصور ابھرتا ہے اور اس میں سرکار دوعالم (ﷺ) کی شان کے لائق کوئی بات نہیں! لیکن بالاپوش اوڑھنے والے'' میں بڑی بلاغت ہے۔ ظاہر ہے کہ گرم چادر یا کمبل اوڑھا ہوگا لیکن'' بالاپوش'' کہہ دینے میں ایک طرح کا استفہام بھی ہے اور یہ بھی کہ وہ'' بالاپوش'' کس قدر قیمتی یا خوبصورت رہا ہوگا جو سید عالم (ﷺ) کے جسم منور و معطر کی زینت بنا ہوگا۔ پس حضور سرکار دوجہاں (ﷺ) کی شان کے مطابق قاری اس کا اندازہ لگاتے رہیں اور ادائے رسول (ﷺ) پر قربان ہوتے رہیں۔ اور کلمہ گویانِ اسلام کیوں نہ سرکار کی ادا پر فدا ہوں جب کہ خود ان کا اور ہم سب کا خالق ہی ان کی ہر ہر ادا کو محبوب رکھتا ہے۔

امام احمد رضا خان کے ترجمۂ قرآن'' کنزالایمان'' کو جس جہت سے بھی دیکھئے اور پرکھئے ہر جہت حسین و بلیغ اور پروقار ہے۔ ایجاز و اختصار، روزمرہ کا اہتمام، محاورات کا استعمال، لغات سے الفاظ کا انتخاب، پھر اس کا برمحل استعمال، ذہانت، فطانت، معنویت و ادبیت، فصاحت و بلاغت، شان و علویت الٰہی کی پاسداری، عصمت و عظمتِ نبوت و رسالت کی نگہ داری، غرض ہر اعتبار سے اور ہر جہت سے اس میں بھی وہ شان جھلکتی ہے جو اصل قرآن کی متن میں ہے۔

لاریب فیہ

یعنی کوئی شک کی جگہ نہیں!

حوالہ جات وحواشی

[۱] کنزالایمان، ص ۵۲۰، سورۃ الفرقان، مطبوعہ ورلڈ اسلامک پبلی کیشنز، دہلی، حوالہ نمبر ۲۲۔

[۲] سورہ یونس: ۷ ۳، کنزالایمان ص ۳۰۸۔ مطبوعہ ایضاً۔

[۳] ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ، مطبوعہ فیمس بک، لاہور۔

[۴] سورۃ بقرہ: ۲۴، کنزالایمان ص ۷، ایضاً۔

[۵] سورہ بقرہ: ۲، کنزالایمان، ص ۳، مطبوعہ ورلڈ اسلامک پبلی کیشنز دہلی، حوالہ نمبر ۲۲

[۶] آخری پیغام، ص ۱۹۰، مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ، دیپا سرائے، سنبھل مرادآباد۔

[۷] ایضاً۔

[۸] تذکرہ علمائے ہند، (ترجمہ ایوب قادری) ص ۵۴۲، مطبوعہ کراچی، حوالہ کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن ص ۷۰، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، مطبوعہ کراچی۔

[۹] اردو کا سہ ماہی رسالہ، جنوری ۱۹۳۷ء، اورنگ آباد، دکن ص ۱۸۔

[۱۰] کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، ص ۸۴، مطبوعہ کراچی۔

[۱۱] تفسیر موضح القرآن ۱۲۳۳ھ، مطبع قیومی کانپور۔

[۱۲] کنز الایمان اور معروف تراجم قرآن، ص ۸۵، مطبوعہ کراچی۔

[۱۳] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، کنز الایمان اور معروف تراجم قرآن، مطبوعہ کراچی۔

[۱۴] علامہ بدالدین احمد قادری، سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۶۶، مطبوعہ قادری مشن، بریلی

[۱۵] ایضاً۔

[۱۶] قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۳۔ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

[۱۷] امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت ص ۲۱، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی۔

[۱۸] "عظمت کنز الایمان" ص ۷، ص ۱۳، مطبوعہ رضوی کتاب گھر، بھیونڈی تھانہ، مہاراشٹریہ۔

[۱۹] کنز الایمان اور اس کی فنی حیثیت، ص ۳۲، ص ۳۳، بحوالہ کنز الایمان اور معروف تراجم قرآن، ص ۳۳۹، مطبوعہ کراچی۔

[۲۰] امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن کنز الایمان، مشمولہ معارف رضا کراچی۔

[۲۱] "محاسن کنز الایمان" مشمولہ المیز ان کا امام احمد رضا نمبر ص ۱۱۷، ۱۲۲۔

[۲۲] آئینہ رضویات، حصہ دوم، مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، ص ۱۲۹، مطبوعہ، کراچی۔

[۲۳] سورہ یوسف، پ ۱۲، آیت نمبر ۲۔

[۲۴] ابوالفضل مولانا الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۴۵۔

[۲۵] سورۂ لقمان، پ ۲۱، آیت ۱۷، ۱۸۔

[۲۶] سورۂ طارق پ ۳۰، آیت ۱۶۔

[۲۶] (ب) [نوٹ: کراچی، پاکستان کے ایک محقق عالم جلیل حضرت علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی مدظلہ العالی نے سورۂ فتح کی اس آیت (نمبر ۲) کی تفسیر میں "الذنب فی القرآن" کے نام سے ۷۸۰ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم مقالہ لکھا ہے جو حال ہی میں کراچی سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حضرت علامہ گردیزی دامت برکاتہم العالیہ نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ سورۂ فتح کی آیاتِ کریمہ کی شانِ نزول، اس کے سیاق و سباق، اس کے لغوی معنی و مفہوم، تفاسیر و احادیث کی روشنی میں اس کے ادبی و لسانی پہلوؤں پر تفصیلی اور نتیجہ خیز بحث کی ہے۔ انہوں نے یہ وقیع مقالہ کراچی کے ایک محقق علامہ غلام رسول سعیدی صاحب اور حیدرآباد سندھ کے ایک عالم علامہ ڈاکٹر محمد زبیر نقشبندی صاحب کے اعلیٰ حضرت کے محولہ ترجمہ پر اعتراضات کے ردّ میں لکھا ہے اور سچ یہ ہے کہ حقِ تحقیق ادا کیا ہے۔ انہوں نے قوی تر دلائل کے ساتھ نہ صرف یہ کہ علامہ سعیدی کے دلائل کو توڑا ہے بلکہ موصوف کے موقف میں تضادات، حوالہ شدہ عبارات میں تحریفات اور مصنف کی اپنی عبارات میں سرقہ جات کے ناقابلِ تردید کھلے ثبوت پیش کئے ہیں جس سے مصنف کی پوری تصنیف ساقط الاعتبار پاتی ہے۔ ادارہ]

[۲۷] سورہ بقرہ، پ ۳، آیت ۲۷۴۔

[۲۸] سورہ فاتحہ، پ ۱، آیت ۶۔

[۲۹] سورہ ال عمران، پ ۴، آیت ۱۰۵۔

[۳۰] سورہ بقرہ، پ ۱، آیت ۸۵۔

[۳۱] سورہ ال عمران، پ ۴، آیت ۱۰۔

[۳۲] سورہ التکویر، پ ۳۰، آیت ۱ تا ۱۴۔

[۳۳] سورۃ النزعت، پ ۳۰، آیت ۱ تا ۳۰۔

[۳۴] سورۃ الصّٰفّٰت، پ ۲۳، آیت ۱ تا ۸۔

[۳۵] سورۃ الرحمٰن، پ ۲۷، آیت ۴۶ تا آخر۔

[۳۶] سورۃ القارعۃ، پ ۳۰، آیت ۱ تا آخر۔

[۳۷] سورۃ والضحٰی، پ ۳۰، آیت ۱ تا آخر۔

[۳۸] سورہ الشمس، پ ۳۰، آیت ۱ تا ۷۔

[۳۹] سورہ فاتحہ پ ۱، آیت ۱ تا ۳۔

[۴۰] سورہ فاتحہ، پ ۱، آیت ۶۔

[۴۱] سورۃ المزمل، پ ۲۹، آیت ۱۔

☆☆☆

امام احمد رضا اور علم حدیث

مولانا محمد عیسیٰ قادری رضوی

انسانی تاریخ میں نہ جانے عروج وزوال اور ادبار واقبال کے کتنے دور آئے اور ہر بار ایک نئی تاریخ مرتب ہوئی۔ چونکہ خلاقِ عالم کو انسان کی بقاء وسلامتی منظور تھی اس لیے اسے ہر موڑ پر محفوظ رکھا اور اس کی نسل کو جلا بخشتا رہا کیونکہ یہ قدرت کی صناعی کا مظہر اتم ہے۔ اولادِ آدم علیہ السلام میں جلیل القدر انبیاء بھی ہوئے اور اولیاء وعلماء اور صلحاء بھی اور جب زمین کی وسعتوں میں نسلِ آدم پھیلی اور کائنات کی پہنائیوں پر اولاد کا قبضہ وتسلط ہوا تو انہوں نے شر وفساد بھی کیا اور جنگ وجدال بھی، جو انسانی تاریخ کا ایک عظیم اور المناک باب ہے۔

انسانی فتنوں کے سمندر میں ہزاروں مرتبہ طغیانی آئی اور اس موج بلا کا شکار اگرچہ زیادہ تر محکوم ہی ہوتا رہا مگر کبھی ایسا بھی ہوا کہ حاکم بھی اس کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا کہ بسا اوقات حاکم، محکوم ہوگیا پھر جو اس پر حاکم ہوا، اس کی گرفت سے وہ محفوظ ومنون نہ رہا۔

اس حیرت انگیز اور عبرت آموز تاریخ کے پردوں پر انبیاء وصلحاء کا وجود بھی مسلم رہا جو انسان کی تربیت واصلاح کا کام انجام دیتے رہے اور ان نفوس قدسیہ کے وجود وبرکت سے صالح اور نیک معاشرہ تشکیل پاتا رہا (صالح معاشرہ اسی کو کہا جاتا ہے جس میں انسان کی معاشرتی زندگی کے لیے ہر وہ چیز موجود وفراہم ہو جس کی ایک صالح سیرت انسان کو ضرورت ہے)۔ پیغمبرانِ عظام اور صلحاء عالم کے ذریعہ سے ربِّ کائنات کے انوار وبرکات کا ظہور ہوتا رہا اور گم گشتگانِ راہ کو ہدایت ورحمت کی منزلیں ملتی رہیں۔ حق کے سب سے بڑے اولوالعزم داعی سید الانس والجان نبی آخر الزمان ﷺ پر بابِ نبوت تو بند ہوگیا کہ سیدِ عالم ﷺ کا زمانہ رحمت انسانی وجود کی صلاح وفلاح کا زمانہ تھا اور حضور کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کسی دوسرے نبی کے آنے کی توقع تو نہ رہی کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم، مگر انوارِ ربانی کا ظہور ووقوع ہونا ہے۔ اس لیے قرناً بعد قرنٍ نسلاً بعد نسلٍ علمائے امت کے ہاتھوں ان کا اظہار وورود ہوتا رہا۔ اسی طرح اسلام کے فروغ واستحکام پر صدیاں گزر گئیں۔ پھر ایک پُرفتن دور ایسا آیا جس میں نئے نئے فتنے پیدا ہوئے اور بمصداقِ حدیث کہ میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوجائے گی، ایک فرقہ ناجی ہوگا باقی سب جہنمی ہوں گے (مشکوٰۃ)، لوگ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ پر سبقت وبرتری حاصل کرنے کی سعی وکوشش میں لگا رہا جس سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہونے لگا اور ہر باطل فرقہ نے اپنے باطل عقائد ونظریات کی ترویج واشاعت میں طرح طرح کے مخترعہ اصول ومبادی ایجاد کئے جو سراسر دین وشریعت کے خلاف تھے۔

ایسے وقت میں اہلِ حق کی سربلندی اور اسلام وسنت کی حفاظت وصیانت کے لیے خالقِ عالم جل وعلا نے مجدد وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء شہر بریلی میں پیدا فرمایا۔

صحیح حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجددلھا دینھا

اللہ تعالیٰ ہر صدی کے اختتام پر اس امت کے لیے ایک مجدد ضرور پیدا فرمائے گا جو امت کے لیے اس کا دین تازہ کرے۔ (ابوداؤد)

یعنی اسلامی اصطلاح میں مجدد اسے کہتے ہیں جو امت کو بھولے ہوئے احکام شرعیہ یاد دلائے، حضور نبی کریم ﷺ کی مردہ سنتوں کو زندہ فرمادے، فقہ وکلام وغیرہ کے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھادے،

اپنی علمی سطوت وحشمت کے ذریعہ سے اعلاء کلمۃ اللہ فرما کر باطل اور اہل ہوا کی جھوٹی شوکت کو مٹادے۔

جب ہم چودھویں صدی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نظر آتے ہیں جو چودھویں کے بدر اور آفتاب نیمروز کی طرح اپنی شان مجددیت میں تاباں و درخشاں ہے۔

فضل وکمال میں بلند مرتبہ اور علوم وفنون میں نابغۂ روزگار جس کے سامنے عرب وعجم اور حل وحرم کے عظیم المرتبت فضلاء اور جلیل القدر علمانے سر نیاز خم کئے، جس کے علمی دبدبے کے سامنے یورپ و ایشیا کے فلاسفہ مرعوب وطفل مکتب نظر آتے ہیں۔

جب کہ نیچریت، دہریت وہابیت و دیوبندیت کی تیز وتند آندھیوں سے پورے ملک کی فضا غبار آلود و مسموم ہو چکی تھی، الحاد و بے دینی کے تاریک بادل چھاگئے تھے، بدمذہبی اور بدعقیدگی کی کالی گھٹاؤں نے ایمان و ہدایت کی روشنی کو ڈھانپ لیا تھا، خود ساختہ مفکرین نے اپنی اختراعی تاویلات سے اسلامی مسائل اور شرعی احکام میں ترمیم کر دی تھی، مولوی اور محدث کہلانے والے خدائے ذوالجلال کی عظمت وتقدیس پر جھوٹ کے بدنما داغ لگا رہے تھے، مولانا اور مفتی بننے والے حضور علیہ السلام کی شان رفیع میں توہین وگستاخی کرتے ہوئے نظر آرہے تھے، دین کے رہزن، مسلمانوں کے متاع ایمان و اسلام بے دریغ لوٹ رہے تھے، خونخوار بھیڑیئے مذہب کے نام پر مصطفیٰ علیہ السلام کی بھولی بھالی بھیڑوں پر مسلسل بے رحمانہ حملے کر رہے تھے۔

ان نازک حالات میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سید الانبیاء کے سچے وارث کی حیثیت سے اپنے علم وعرفاں سے بدمذہبی اور بدعقیدگی کا پردہ چاک فرمایا، جلال موسیٰ کا پرتو بن کر خدائے قدوس کی ردائے عظمت میں داغ لگانے والوں پر قہر الٰہی کی بجلی بن کر گرا، حضور اقدس سرور عالم علیہ السلام کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کو اپنی شمشیر قلم سے موت کے گھاٹ اتار دیا، آفتاب رشد وہدایت بن کر وہابیت کی تیز و تند آندھیوں، ایمان واسلام کے رہزنوں اور مذہبی بھیڑیوں کا قلع قمع کیا اور اپنے تجدیدی کارناموں سے امت مرحومہ کا دین تازہ اور محمد رسول اللہ علیہ السلام کی مردہ سنتوں کو زندہ کیا۔ غرضیکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی تمام فرق باطلہ کے سامنے سینہ سپر رہے اور ہر ایک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جو ان کی تصنیفات وتالیفات سے ظاہر وباہر ہے۔

مجدد اعظم رزم گاہ حق وباطل میں:

آج دنیا میں مشرکین وکفار، مرتدین اشرار اور گمراہان فجار کا کوئی ایک بھی ایسا مشہور فرقہ نہیں جس نے ردو ابطال میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی متعدد تصنیفات نہ ہوں۔

دہریہ، فلاسفہ، آریہ سماجی، یہود ونصاریٰ، ہنود ومجوس، قادیانی و نیچری، وہابی و دیوبندی وندوی، رافضی خارجی وتفضیلی اور صلح کلی وغیرہ بے دینوں بدمذہبوں کی جس قدر فتنہ گر جماعتیں ہیں ان سب کے خود ساختہ اصول اور باطل اعتقادیات ونظریات کو خود انہیں کے مسلمات ومخترعہ قواعد سے اس طرح پرخچے اڑائے ہیں کہ سب ہباءً منثورا ہو گئے۔

ہندوؤں کے ایک تعلیم یافتہ طبقہ نے جب دیکھا کہ ہندو برابر مسلمان ہو رہے ہیں یا نصرانیت کے چنگل میں پھنستے جارہے ہیں تو ان کے اگوا پنڈت دیانند سرتی نے آریہ سماج کے نام سے ایک مذہب جاری کیا اور مسلمانوں پر علمی دھونس جمانے کے لئے اسلامی تعلیمات کے خلاف لایعنی اعتراض کرنا شروع کیا اس لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے آریہ سماج کا بھی رد فرمایا جس کا نمونہ "کیفر کردار آریہ، اور النفس الفکری فی قربان البقر، ہے۔" (سوانح اعلیٰ حضرت)

آپ کے زمانہ سے پہلے ہی ہندوستان میں اسلامی سلطنت کو تہہ وبالا کر کے انگریزوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی، انگریز اگرچہ اعتقاداً وعملاً نرے بے دین ہیں لیکن پھر بھی رومن کیتھولک مذہب کے نام لیوا ہیں اسی مذہب کی اشاعت میں طرح طرح کا جال پھیلاتے اور لاکھوں روپے تبلیغ میں خرچ کر کے لوگوں کو نصرانی بنانے کی بھرپور

کوشش کرتے ہیں اس لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ان کے رد میں تین کتابیں تصنیف فرمائیں۔" (سوانح اعلیٰ حضرت)

انگریز کے ٹکڑوں پر پلنے والے اور ان کی کاسہ لیسی کرنے والے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر انگریز نوازی کا بے بنیاد الزام لگاتے ہیں وہ آئین اور تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں دیکھیں کہ اعلیٰ حضرت مجدد ملت امام احمد رضا نے انگریز کا کس طرح تعاقب فرمایا۔

یہ تینوں فرقے یعنی ہندو، آریہ سماج اور نصاریٰ غیر مسلم ہیں، جو نہ مسلمان ہیں اور نہ اپنے کو مسلمان کہلانا پسند کرتے ہیں ان کے علاوہ وہ فرقے جو اپنے کو مسلمان کہلاتے ہوئے بھی اسلام کی جڑ کاٹنے میں لگے ہوئے تھے ان کے ردو ابطال پر امام احمد رضا نے خاص توجہ فرمائی۔

انہیں باطل پرست فرقوں میں ایک فرقہ نیچری ہے، نیچری لوگ زمانے کے مطابق رنگ بدلنے والے اور انگریزی سلطنت کی حمایت وطرفداری کرنے کی بدولت دنیوی حیثیت میں مرجع العوام رہتے تھے ان لوگوں نے سلطنت برطانیہ کی خطرناک سازش کو بھرپور قوت پہنچانے کے لئے مسلمانوں کے دین وایمان لوٹنے اور اسلامی نشانات مٹانے کی پوری کوشش کی امام احمد رضا نے ان کے رد میں سات کتابیں تحریر فرمائیں اور انگریزوں کی خطرناک سازشوں کو کچل کر رکھ دیا۔

جب انگریزوں کے دلی خیر خواہ وہابیہ نے شش مثل کا فتنہ برپا کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ حضور ﷺ حضرت آدم، حضرت ابراہیم حضرت نوح وغیرہم انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مثل زمین کے باقی طبقوں میں اور بھی محمد، آدم، ابراہیم وغیرہ نبی ہیں، تو امام احمد رضا نے ان کے رد میں۔ "تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال" اور جو ابہائے ترکی بہ ترکی ۱۲۹۲ھ میں تصنیف فرما کر شائع کیا جس سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے معدوم ہوگیا۔ (سوانح اعلیٰ حضرت)

جب انگریزوں کی شہ پا کر مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے امام مہدی اور مسیح موعود ہونے کا پھر نبی اور رسول ہونے کا اعلان کیا اور حضرات انبیاء عظام کی مقدس شانوں میں گستاخیاں کرنا شروع کیں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اس کے رد میں چھ کتابیں تصنیف فرمائیں اور ایک ماہنامہ بنام "قہر الدیان علی مرتد بقادیان" جاری کیا۔

جب انگریزوں کے دلی خیر خواہ وہابی دیوبندی عالموں نے مسئلہ ختم نبوت کا انکار کیا، اللہ سبوح وقدوس کے جھوٹ بولنے کو درست بتایا۔ سید عالم ﷺ کے ذکر میلاد مبارک کو کنہیا کا جنم قرار دیا، سرکار دوعالم مدینۃ العلم ﷺ کے علم پاک کو بچوں پاگلوں اور جانوروں کے علم کی طرح ٹھہرایا، اور غیر مقلد وہابیوں نے امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ اسلام کی تقلید واتباع کو شرک وکفر کہا تو امام احمد رضا نے ان وہابیہ اور غیر مقلدین کے رد میں دو سو سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔

الغرض جب اور جہاں بھی کسی بدمذہب بددین نے سر اٹھایا ہے مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اس کا پرغرور سر کچل کر رکھ دیا اور اس کے رد میں کتابیں تصنیف کیں اور اشتہارات شائع کئے۔

"کنز الایمان" یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کو قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ قرآن کریم کے کچھ ایسے ترجمے شائع ہوئے تھے جن سے ایمان واسلام اور شرعی معتقدات پر کاری ضرب پڑ رہی تھی کہ اردو ادب کے جدید معماروں نے قرآن کے عربی کلمات کو اردو میں ضرور تبدیل کر دیا تھا لیکن اس تبدیل کو کلام الٰہی کا ترجمہ ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ عربی جملے کو اردو کے قالب میں ڈھال لینا الگ بات ہے اور قرآن حکیم کی ترجمانی کرنا اور بات ہے۔

ایک انسان اپنی صلاحیت و استعداد اور دماغی کوششوں سے معیاری مصنف وقابل صد افتخار ادیب تو بن سکتا ہے، اپنی ذاتی قابلیت ومطالعہ کے زور سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی وغیرہ مختلف زبانوں کا ماہر تو ہوسکتا ہے، اپنے ذہن ثاقب کی ذکاوت وتیزی سے نحو و صرف، معانی وبیان، تاریخ وفلسفہ وغیرہ کا محقق تو ہوسکتا ہے۔

لیکن قرآن حکیم کا مترجم بننا تو یہ اس کے اپنے بس کی بات

نہیں، قرآن مجید کی ترجمانی کرنا، کلام الٰہی کے اصل منشأ و مراد کو سمجھنا، آیات ربانی کے انداز کو پہچاننا، آیات محکمات و متشابہات میں امتیاز کرنا یہ صرف اس عالم دین کا کام ہے جس کا دماغ انوار ربانی سے روشن، جس کا قلب و سینہ عشق مصطفیٰ کا مدینہ اور جس کا ذہن بصیرت دینیہ کا حامل ہو۔

جب اس معیار پر ہم کنز الایمان کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم قادر مطلق کا مقدس کلام ہے اور کنز الایمان اس کا مہذب ترجمان ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ یہ ترجمہ اس کا پیش کردہ ہے جو عظمت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا علمبردار، تائید رحمانی کا سرمایہ دار، انوار ربانی کا حامل، حقائق قرآن کا ماہر، دقائق آیات کا عارف ہے جو ہمیشہ اپنے کو عبد المصطفیٰ سمجھتا کہتا اور لکھتا رہا اور جس کو ہم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کہتے ہیں۔

دور حاضر کے اردو کے شائع شدہ ترجموں میں صرف ایک ترجمہ کنز الایمان ہے جو قرآن کریم کا صحیح ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ

......تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے۔

......عقائد حقہ و مسائل اسلامیہ کا محافظ و جامع ہے۔

......اہل تفویض کے مسلک اسلم کا عکاس ہے۔

......اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا مؤید ہے۔

......زبان کی روانی اور سلاست میں بے مثل ہے۔

......عوامی لغات و بازاری بولی سے یکسر پاک ہے۔

......قرآن حکیم کے اصل منشاء مراد کو بتاتا ہے۔

......آیات ربانی کے انداز خطاب کی پہچان کرواتا ہے۔

......قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشاندہی کرتے ہوئے اردو زبان و ادب کے محاورات سے روشناس کراتا ہے۔

......قادر مطلق کی عظمت و تقدیس پر نقص و عیب کا دھبہ لگانے والوں کے لئے شمشیر براں ہے۔

......حضرات انبیاء علیہم السلام کی عظمت و حرمت کا محافظ و نگہبان ہے۔

......عامۂ مسلمین کے لیے بامحاورہ اردو میں سادہ ترجمہ ہے۔

......علماء و مشائخ کے لئے حقائق و معارف کا امنڈتا سمندر ہے۔

......اور زبان و ادب کے شائقین کے لئے اردو ادب کا بہترین صحیفہ و تحفہ ہے۔

تصنیفات:

رد وہابیہ کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا کی مختلف علوم و فنون میں تصنیفات و تالیفات موجود ہیں جو ان کے جودت طبع فکر رسا اور تجدیدی کارناموں پر شاہد عدل ہیں۔

امام احمد رضا نے اپنے اساتذہ خصوصاً اپنے والد ماجد تاج العلماء خاتم المحققین حضرت مولانا شاہ نقی علی رضا خاں صاحب محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اکیس علوم پڑھے اور کسی استاذ سے بغیر پڑھے محض خداداد بصیرت نورانی سے ۳۸ علوم و فنون میں دسترس حاصل کی جن کے شیخ و امام کہلائے اس طرح جتنے فنون پر امام احمد رضا کو مہارت تامہ حاصل تھی ان کی تعداد ۵۹ ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت)

مگر جدید تحقیق کے مطابق امام احمد رضا کو ایک سو پانچ علوم و فنون پر عبور تھا اور نہ صرف یہ کہ امام احمد رضا نے ان علوم و فنون میں کمال حاصل کیا تھا بلکہ پچاس سے زائد علوم و فنون میں انہوں نے کتابیں تصنیف کیں جن کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔

تصنیفات اعلیٰ حضرت کی فہرست کے لئے ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین صاحب بہاری علیہ الرحمہ کی ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد، اور حیات اعلیٰ حضرت'' اور حضرت علامہ و مولانا مفتی بدر الدین صاحب کی سوانح اعلیٰ حضرت اور ماہنامہ المیزان یا ماہنامہ قاری کا، امام احمد رضا نمبر اور ''انوار رضا'' ملاحظہ کرنا مفید و کارآمد ہے جن میں ساڑھے پانچ سو سے زائد کتابوں کے اسماء درج ہیں۔ اس فہرست کو بھی ہم کامل نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت نے ایک ہزار سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔

یہ اگرچہ مسلّم ہے کہ زمانے کے دست برد سے کچھ کتابیں ضائع بھی ہوگئی ہیں اور یہ المیہ بیشتر مصنفین کے ساتھ پیش آیا ہے۔

مگر ایک روایت کے مطابق حال ہی میں مولانا عبد الستار ہمدانی

پور بندر نے کتب امام احمد رضا کی ایک جدید فہرست نہایت تتبع و تلاش کے بعد مرتب کی ہے جو ساڑھے نوسو کتابوں پر مشتمل ہے۔

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے بہت سے مردہ فنون مثلاً علم جفر، تکسیر، ہیئت اور نجوم کو نئی زندگی عطا کی اور علم توقیت میں ان کا کمال تو درجہ ایجاد پر تھا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی مختلف علوم و فنون میں مہارت و دسترس، زور استدلال، اسلوب تحقیق، ذکاوت و تیزی اور ان کی تصنیفات میں دلائل و براہین کے انبار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں کسی علوم و فنون کے ساتھ وہبی علم بھی حاصل تھا جس پر علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کا واقعہ اور ان کا تاثر شاہد و ناطق ہے۔

امام احمد رضا کی تقریروں، تحریروں اور تمام تصنیفات کا خلاصہ تین باتیں ہیں۔

۱۔ دنیا بھر کی ہر ایک لائق محبت و مستحق تعظیم چیز سے زیادہ اللہ و رسول کی محبت و تعظیم

۲۔ اللہ و رسول ہی کی رضا کے لئے اللہ و رسول کے دوستوں سے دوستی و محبت

۳۔ اللہ و رسول ہی کی خوشی کے لئے اللہ و رسول کے دشمنوں سے نفرت و عداوت۔ جلا جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اپنی ساری عمر دنیا کو انہوں نے یہی بتایا کہ جس مسلمان کے دل میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی کامل نہیں تو اس کا ایمان بھی کامل نہیں۔

شہنشاہ اقلیم سخن:

مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ جہاں بے پناہ گونا گوں خصوصیات کے حامل اور اوصاف متعددہ کے مالک ہیں وہاں ان کا ایک وصف ایسا ہے جو تمام اوصاف و کمالات کا جامع اور ممتاز ہے اور وہ ہے "عشق مصطفیٰ ﷺ" عشق رسول ہی ان کا محور و مرکز تھا آپ ان کی تصنیفات کا مطالعہ کرتے جایئے تو آپ کو ان کے ورق ورق میں عشق مصطفیٰ کے جلوے اور ان کی سطر سطر سے عشق رسول کے سوتے پھوٹتے ہوئے نظر آئیں گے خصوصاً ان کا نعتیہ دیوان ان کے عشق رسالت کے بلند مینارے پر فائز ہونے کے ثبوت میں ایک عظیم شاہکار ہے کہ جب وہ عشق رسالت کے بلند مینارے پر فائز ہونے کے ثبوت میں ایک عظیم شاہکار ہے کہ جب وہ عشق رسالت میں بے چین و مضطرب ہوتے تو اپنے محبوب آقا ﷺ کی مدح و نعت میں نعتیہ اشعار کہہ کر سوزش عشق سے تسکین حاصل کرتے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "جب سرکار اقدس ﷺ کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں ورنہ شعر و سخن میرا مذاق طبع نہیں۔"

انہوں نے ہزلیات اور لغویات سے بہت دور رہ کر فن سخن کی بیشتر اصناف میں طبع آزمائی فرمائی۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد اور قطعات و رباعیات وغیرہ جس میدان کی طرف آگئے سکے بٹھا دیئے۔

فن سخن میں ان کی خصوصیات و کمالات کا عالم یہ ہے کہ فصاحت، بلاغت، حلاوت و ملاحت، لطافت و نزاکت، تشبیہات و استعارات، حسن تعلیل، ندرت تخیل، جدت تمثیل، صنعت تلمیح و ترصیع، صنعت تجنیس و تسجیع، زور قوافی، بیان تسلسل، تنوع مضامین، انتہائی جوش و جذبہ والہانہ عقیدت و ارادت وغیرہ سب چیزیں ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ جس کا منہ بولتا ثبوت ان کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" ہے جو حمد و نعت، دعا و التجا، سلام و منقبت، عشق و محبت، حقیقت و معرفت، معجزات و کرامات، شرح آیات و احادیث وغیرہ مضامین کا ایک ایسا بحر ذخار ہے جس کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ کرنا اہل بصیرت ہی کا کام ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت)

امتیازی خصوصیات:

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے حضور اقدس ﷺ کے لئے جو الفاظ اور ایسے استعارے استعمال کئے ہیں جو انتہائی ادب و محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں تمام کلام شروع سے اخیر تک پڑھ جایئے لفظ یثرب

آپ کو کہیں نہ ملے گا کیونکہ پیارے رسول دافع البلاء ﷺ نے اپنے قدوم ناز سے تمام بیماریوں اور برائیوں کو دور فرما کر یثرب کو طیبہ بنادیا ہے۔

(۲) حدود شریعت سے ناواقف شعراء جوش عقیدت میں اولیائے کرام کو صحابہ عظام پر فضیلت وفوقیت دے جاتے ہیں یا سرکار دوعالم ﷺ کا مقابلہ دیگر انبیاء کرام سے اس طرح کرتے ہیں کہ حضرات انبیاء کا احترام باقی نہیں رہتا۔ امام احمد رضا کے کلام میں اس قسم کی باتیں نہ ملیں گی۔

(۳) اکثر شعراء کعبہ، عرش، حرم، مسجد، جنت رضوان وغیرہ کی حرمت پر ٹھیس لگا جاتے ہیں اور بت خانہ ے خانہ کفر وزنار وغیرہ کی عظمت ثابت کرتے ہیں یہ بہت معیوب چیز ہے امام احمد رضا کا کلام اس قسم کی لغویات سے بالکل پاک وصاف ہے۔

(۴) آپ کا کلام جھوٹ، مبالغہ، ریا، تصنع تکلف سے بالکل منزہ ہے ہر جگہ خلوص وعقیدت صدق وحقانیت اور جذب دل کی ترجمانی ملے گی۔

(۵) عقائد اہلسنت کی تبلیغ اطاعت ومحبت رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی تلقین اور باطل پرستوں کی تردید بھی آپ کے کلام کی خصوصیت ہے۔

(۶) سرکار غوثیت مآب میں بے پناہ نیازمندانہ عقیدت بھی آپ کی امتیازی شان ہے۔

(۷) آپ کے کلام میں کہیں تو قرآن وحدیث کے بعینہٖ کلمات و عبارات ہیں، کہیں ان کے ترجمے ہیں اور کہیں تلمیحات واشارات ہیں۔ غرضیکہ آپ کے اشعار کے مآخذ کلام الٰہی واحادیث نبویہ کے مضامین ومعانی ہیں۔

(۸) دشمنان مصطفیٰ ﷺ کی تقبیح وتفضیح میں آپ کا شعر وسخن بارگاہ رسالت کے شاعر سیدنا حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاکیزہ کلام کا آئینہ دار ہے۔

سرنامہ کی طوالت کا خوف اگر دامنگیر نہ ہوتا تو میں ان کی ہر ایک خصوصیت کو شرح وبسط کے ساتھ تحریر کرتا مگر چونکہ میرا مطمح نظر امام احمد رضا کی حدیث دانی میں بصیرت ووسعت ہے اور قلت صفحات بھی دامن کشاں ہے لہٰذا اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

شکار ماہ کہ تسخیر آفتاب کروں
میں کس کو چھوڑوں کس کا انتخاب کروں

امام احمد رضا کی بصیرت حدیث:

جب ہم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کی تصانیف عالیہ کو دیکھتے ہیں تو فن حدیث، طرق حدیث، علل حدیث اور اسماء الرجال وغیرہ میں بھی وہ انتہائی منزل کمال پر دکھائی دیتے ہیں اور یہی وہ وصف ہے جس میں کمال وانفرادیت ایک مجدد کے تجدیدی کارناموں کا رکن اہم ہے۔ فن حدیث میں ان کی جو اہم خدمات ہیں ان سے ان کی علم حدیث میں بصیرت ووسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حدیث کی معرفت اور اس کی صحت وعدم صحت، ضعف وسقم، حسن وغیر حسن وغیرہ جملہ علوم حدیث میں جو مہارت تامہ ان کو حاصل تھی وہ بہت دور تک نظر آتی ہے اور یہ چیزیں ان کی کتب ورسائل میں مختلف انداز پر ہیں کہیں تفصیل کے ساتھ مستقلاً ذکر ہے اور کہیں اختصار کے ساتھ ضمناً اور کہیں کہیں حدیث ومعرفت حدیث اور مباویات حدیث پر ایسی نفیس اور شاندار بحثیں ہیں کہ اگر انہیں امام بخاری ومسلم بھی دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔

متخرجہ احادیث میں کہیں کہیں پر میں نے ان کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے تعریف حدیث، ضرورت حدیث اور تدوین حدیث پر قدرے روشنی ڈالی جائے۔

تعریف حدیث:

علم حدیث کی دو قسمیں ہیں: (۱) علم حدیث روایۃ (۲) علم حدیث درایۃ

علم حدیث از روئے روایت اس علم کو کہتے ہیں جس سے حضور اقدس ﷺ کے اقوال اور احوال واوصاف کی معرفت ہو اس علم کا موضوع خود حضور ﷺ کی ذات مقدسہ ہے۔

حدیث از روئے درایت وہ علم ہے جس سے راوی اور مروی عنہ کے حالات بحیثیت رد اور قبول معلوم ہوں۔

اس علم کا موضوع راوی اور مروی عنہ ہیں۔ (مقدمۂ ترجمۂ بخاری)

ضرورت حدیث:

حدیث پاک کی عظمت اور شریعت میں اس کا مقام اس سے ظاہر ہے کہ حدیث اصلاً حضور ﷺ کے اقوال و افعال کا مجموعہ ہے اور اس کی عظمت و مقام کو اس چیز نے اور بڑھادیا ہے کہ احادیث دراصل قرآن کریم کی شرح و تفسیر اور تمام مسائل دینیہ کا مرجع و منبع ہیں اس لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منشا سے صحیح واقفیت اور مکمل اسلامی زندگی اپنانے کے لئے قرآن و حدیث دونوں کا علم، دونوں سے تعلق اور دونوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی معیشت کے اصول و مبادی اجمالاً بیان فرمائے ہیں جن کی تعبیر و تشریح بغیر احادیث نبویہ کے ممکن نہیں ہے، نیز احکام شرعیہ کی عملی صورت واضح کرنے کے لئے اسوۂ رسول ﷺ کی ضرورت ہے، احادیث رسول ہمیں قرآنی احکام کی عملی تصویر مہیا کرتی ہیں، علاوہ ازیں صلوٰۃ، زکوٰۃ، تیمم، حج اور عمرہ یہ محض الفاظ ہیں لغت عربی ان الفاظ کے وہ معانی نہیں بتاتی جو شرع میں مطلوب ہیں، پس اگر احادیث رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام موجود نہ ہوں تو ہمارے پاس قرآن کریم کے معانی شرعیہ متعین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ حضور اقدس ﷺ کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

(۱) اطیعو اللہ و اطیعو الرسول اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

(۲) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۳) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہکم عنہ فانتھوا رسول تم کو جو حکم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

(مقدمہ ترجمہ بخاری ملخصاً)

تدوین حدیث:

کتابی شکل میں باضابطہ طور پر تدوین حدیث اگرچہ عہد رسالت ﷺ میں نہیں ہوئی تھی مگر حضور سید عالم ﷺ کے مبارک زمانہ میں متعدد صحابۂ کرام نے کتابت حدیث کا اہتمام و انصرام شروع کردیا تھا۔

عہد رسالت میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کتابت حدیث کی ابتداء کی تھی اور جن کے پاس احادیث کا کوئی مجموعہ یا صحیفہ تھا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت سعد بن ربیع، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حتیٰ کہ وہ صحابہ جنہوں نے خود اس سلسلے میں کچھ لکھا یا لکھوایا ان کی تعداد بعض حضرات نے باون تک ذکر کی ہے، جن میں حضرات خلفائے راشدین عبادلۂ اربعہ اور بعض امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام بھی شامل ہیں۔

نیز حضور اکرم ﷺ نے تحریری صورت میں جو کچھ لکھوایا وہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، خاص طور سے وہ نوشتے جن میں کسی قسم کے احکام آپ ﷺ نے لکھوائے مثلاً عمرو بن حزم کے نام حضور کا گرامی نامہ اور ابوشاہ یمنی کے لئے حضور ﷺ کا فرمان نامہ وغیرہ۔

پہلی صدی ہجری کے اخیر تک اسی طرح متفرق طور پر کتابت کے سہارے تدوین حدیث کا کام آگے بڑھتا رہا، احادیث کے یہ صحیفے اور نوشتے کسی نقطہ پر مشترک اور مجتمع نہ تھے۔ بغیر کسی ترتیب کے تابعین کرام نے اپنی مرویات کو اپنے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ رکھا تھا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ خلافت آیا تو کثرت فتنہ اور ضیاع حدیث کے خوف سے انہوں نے احادیث کو یکجا کرنے کے لئے وقت کے ممتاز و معتمد افراد کو مقرر فرمایا جن میں ابوبکر بن محمد عمرو بن حزم قاضی مدینہ، قاسم بن محمد بن ابی بکر، ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ

بن عبداللہ بن شہاب زہری اور سعد بن ابراہیم کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ساری مملکت اسلامیہ میں اپنے احکام بھیجے اور مختلف علاقوں سے احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ جمع کیا جس کے نتیجے میں مشہور امام فن محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے حدیث کی اولیں با قاعدہ کتاب کی ترتیب وتدوین کی سعادت حاصل کی، اس کی نقلیں ادھر ادھر بھیجی گئیں، اس کے بعد دوسرے حضرات نے یہ کام کیا پھر رفتہ رفتہ یہ کام وسیع پیمانے پر آگے بڑھتا چلا گیا اور مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت وضرورت بڑھتی ہی گئی یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر اس کی طرف توجہ نہ کی جاتی تو حدیث کا وسیع اور بڑا ذخیرہ سارا کا سارا ضائع ہو جاتا۔ (علوم الحدیث ملخصاً)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ کتاب اللہ کے بعد احادیث ہی کا مرتبہ ومقام ہے۔ اس لئے عموماً مسائل کو جب آپ نے دلائل وبراہین سے آراستہ ومزین کیا ہے تو سب سے پہلے آیات قرآنیہ پیش فرمائی ہیں پھر احادیث مبارکہ اس کے بعد جزئیات فقہ اور اقوال ائمہ وعلماء اس طرح انہوں نے ایک ایک مسئلہ کے ثبوت وتحقیق میں دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ حالانکہ ایک یا چند دلائل ہی سے مسئلہ مبرہن وواضح ہو جاتا مگر وہ متعدد دلیلوں سے اس طرح روشن کرتے ہیں کہ اس کا کوئی بھی گوشہ تشنۂ تکمیل نہ رہے۔ جہاں ایک حدیث کے ذکر کر دینے سے مطلوب ومدعا ثابت ہو جائے گا وہاں پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کئی حدیثیں بلا تامل پیش فرماتے ہیں جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کی نہیں بلکہ حدیث کی کتاب لکھنا چاہتے ہیں، وہ اپنے اسی ممتاز وصف سے علماء میں منفرد ونمایاں نظر آتے ہیں اور اسے ان کی حدیث دانی میں وسعت ومہارت ہی کہا جائے گا۔

پھر یہ کہ ایک حدیث کے لئے ایک یا دو کتابوں کا حوالہ کافی ہوتا ہے مگر امام احمد رضا ایسا نہیں کرتے ہیں بلکہ ایک ایک حدیث میں کئی کئی کتب حدیث کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ فلاں کتاب میں ان الفاظ کے ساتھ حدیث مذکور ہے اور فلاں کتاب میں یہی حدیث ان الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ۔ اور کہیں پر یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں فلاں راوی سے مروی ہے اور یہی حدیث فلاں فلاں کتابوں میں فلاں راوی سے۔ اور یہ انکشاف بھی کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، حسن ہے یا غیر حسن، متواتر ہے یا مشہور، مرفوع ہے یا مقطوع۔ اور یہ کہ فلاں محدث نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور فلاں نے تضعیف اور کس محدث نے اسے کیا کہا۔ متخرجہ حدیثوں میں ان سب کی طرف کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً اشارہ موجود ہے۔ امام احمد رضا ایک حدیث کے لئے کئی کتابوں کے حوالے اور مختلف راویوں کے نام درج کرتے ہیں اس پر مزید تمثیلات سے اجتناب کرتے ہوئے صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں کہ جس میں امام احمد رضا بریلوی کی علم حدیث اور کتب حدیث اور اسماء رواۃ پر وسعت نظر کی جھلک موجود ہے۔

''فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۴۸۶'' میں سائر بنی ہاشم وسادات کرام پر حرمت زکوٰۃ ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اول تا آخر تمام متون مذہب قاطبہ بے شذوذ شاذ وعامہ شروح معتمدہ وفتاویٰ متند اس حکم پر ناطق اور خود حضور پرنور سید السادات ﷺ سے متواتر حدیثیں اس باب میں وارد، اس وقت، جہاں تک فقیر کی نظر ہے بائیس صحابہ کرام اور تین ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس مضمون کی حدیثیں حضور اقدس ﷺ سے روایت کیں۔

حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ احمد والبخاری ومسلم، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ احمد وابن حبان برجال ثقات، حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روی الامام الطحاوی والحاکم وابونعیم وابن سعد فی الطبقات وابوعبید القاسم بن سلام فی کتاب الاموال، وروی عنہ الطحاوی حدیثاً آخر، والطبرانی حدیثاً ثالثاً، حضرت عبد المطلب ابن ربیعۃ بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ احمد ومسلم والنسائی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ ابن حبان والطحاوی والحاکم

وابونعیم، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ الشیخان، ولہ عند الطحاوی حدیثان آخران حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روی عنہ البخاری ومسلم ولہ عند الطحاوی حدیث آخر، حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ الترمذی والنسائی، ولہ عند الطحاوی حدیث آخر، حضرت ابورافع مولی رسول اللہ ﷺ روی عنہ احمد وابو داؤد والترمذی والنسائی والطحاوی وابن حبا وابن خزیمۃ والحاکم، حضرت ہرمز یا کیسان مولی رسول اللہ ﷺ روی عنہ احمد والطحاوی، حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روی عنہ اسحق بن راھویہ وابویعلی الموصلی والطحاوی والبزار والطبرانی والحاکم، حضرت ابویعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوعمیرہ رشید بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہما الطحاوی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت عبدالرحمٰن بن علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یقال لہ صحابی، حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ علق عن الثلثۃ الترمذی۔ حضرت ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما روی عنہا الستۃ، حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روی عنہا الطحاوی، حضرت ام المومنین جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا روی عنہا احمد ومسلم۔

یہ تو کتب حدیث اور راویانِ حدیث کے نام ہیں جو ان کی بصیرت حدیث پر دال ہیں، لیکن کسی فقہی مسئلہ پر جب ان کا قلم چلتا ہے تو ایک مسئلے کے ثبوت وتحقیق میں کئی کئی کتابوں کے حوالے بلا تامل درج کرتے ہیں، اسی مذکورہ مسئلے کے ثبوت میں جب انہوں نے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمایا تو اٹھارہ کتابوں کے حوالے تحریر کئے یہ ان کی فقاہت وبصیرت فقہ کی ادنیٰ مثال ہے ورنہ وہ جب حوالہ دینے پر آتے ہیں تو سوسو کتابوں کے حوالے سپرد قلم کرتے ہیں۔

چودھویں صدی کے اس مجدد کی حدیث وفقہ میں عبقریت ہی ان کا طرہ امتیاز ہے۔

کتب حدیث کے جتنے بھی اصناف وانواع ہیں ان تمام اقسام کتب کے حوالے امام احمد رضا کی کتابوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں جو ان کے فکر رسا اور طرز استدلال پر شاہد ہیں۔

ذیل میں کتب حدیث کے اقسام وانواع ملاحظہ فرمائیں۔

اقسام کتب:

جامع کتب احادیث کی تدوین وتالیف مختلف انداز پر کی گئی ہے اسی نوعیت ومناسبت کے اعتبار سے ان کے مختلف عناوین ہیں مثلاً جامع، مسند، سنن، علل، جزء، اطراف، مستدرک، مستخرج، مجمع، زوائد، مصنف ومؤطا وغیرہ۔

جامع: وہ کتب حدیث جن میں دین کے تمام ابواب اور ہر پہلو یعنی اعمال کے ساتھ عقائد وتفسیر، سیر ومغازی اور آداب ومناقب وغیرہ سب کے متعلق روایات کو جمع کیا گیا ہو جیسے بخاری ومسلم وجامع عبدالرزاق (مصنف عبدالرزاق کے نام سے ان کی جو کتاب معروف ومشہور ہے وہ دوسری ہے) جامع ثوری، جامع ابن عیینہ اور جامع ترمذی۔

مسند: اس سے مراد عموماً وہ کتب حدیث ہوتی ہیں جن میں ہر ہر صحابی سے منقول روایات یکجا ذکر کی گئی ہیں خواہ صحابی کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہو یا ان کے باہمی مراتب وفضائل کے اعتبار سے، ایسی کتب حدیث کی تعداد سو سے زائد ہے اہم حسب ذیل ہیں مسند احمد بن حنبل، مسند حمیدی، مسند ابوداؤد طیالسی، مسند عبد بن وغیرہ ان میں سے اولیں مسند طیالسی ہے۔

کبھی محض احادیث مرفوعہ کی جامع کتب حدیث کو بھی ''مسند'' کہہ دیا کرتے ہیں جیسے مسند بقی بن مخلد اندلسی جس کی ترتیب ابواب فقہ کے مطابق ہے۔ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بھی مسند کے نام سے ایک مجموعۂ احادیث منسوب ہے جو دراصل ان کا ترتیب دیا ہوا یا تصنیف کردہ مجموعہ نہیں ہے بلکہ ان سے مروی احادیث کا مجموعہ ہے۔

سنن: اس سے مراد وہ کتب حدیث ہیں جن کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق ہے اور ان میں عقائد ومناقب اور غزوات وتفسیر وغیرہ سے متعلق روایات نہیں ہوتیں اور عموماً مرفوع احادیث ہی مذکور ہوتی ہیں ان کی تعداد بھی کافی ہے۔ چند اہم ومشہور یہ ہیں سنن ابی داؤد، سنن

نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن بیہقی، سنن دار قطنی، سنن دارمی، سنن شافعی۔

معجم: وہ کتب حدیث جن میں حروف تہجی کی رعایت رکھتے ہوئے راویانِ حدیث کی روایات کو جمع کیا گیا ہو خواہ ان راویوں میں صحابہ کا لحاظ ہو یا اپنے اساتذہ یا کسی شہر و مقام کے محدثین و شیوخ کا۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے ان میں مشہور طبرانی کی تینوں معاجیم ہیں۔ یعنی المعجم الکبیر، جس میں اسماء صحابہ کی رعایت ہے۔ المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر، ان دونوں میں شیوخ کی رعایت کی گئی ہے۔

اگر مشائخ کا ذکر حروف تہجی کے اعتبار سے نہ کیا جائے تو بجائے معاجیم کے "مشیخہ اور مشیخات" کہتے ہیں جیسے مشیخہ عبد اللہ بن حیدر قزوینی۔

علل: وہ کتب حدیث جن میں محض ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جن میں کسی قسم کا کوئی سقم بتایا جاتا ہے اور ان اسقام کا بھی بیان ہو جیسے علل ابن ابی حاتم اور علل دار قطنی۔

جزء: وہ کتب حدیث جن میں کسی ایک راوی کی تمام روایات یا کسی ایک موضوع و پہلو سے متعلق تمام احادیث کو جمع کیا گیا ہو اول جیسے جزء مارواہ ابو حنیفہ (مصنف ابو معشر عبد الکریم طبری متوفی ۴۷۸ھ) دوم جیسے امام بخاری کی، جزء رفع الیدین فی الصلاۃ اور جزء القرأۃ خلف الامام۔

اطراف: اس سے مراد وہ کتب حدیث ہیں جن میں احادیث کا ایک حصہ ذکر کرنے کے بعد تمام متون حدیث یا بعض میں مذکور اس حدیث کی تمام اسناد کو جمع کیا گیا ہو ان کی تعداد بھی بہت ہے چند مشہور حسب ذیل ہیں۔

حافظ ابراہیم بن محمد ابو مسعود دمشقی کی "اطراف الصحیحین" اور علی بن حسین ابن عساکر کی "الاشراف علی معرفۃ الاطراف" جو سنن اربعہ سے متعلق ہے اور ابو الحجاج مزئی کی "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" اور ابو العباس کی "اطراف الکتب الخمسہ" جو صحاح سے متعلق ہے۔

مستدرک: وہ کتب حدیث جن میں کسی خاص کتاب کے مصنف کی رعایت کردہ شرائط کے مطابق رہ جانے والی احادیث کو جمع کیا گیا ہے جیسے ابو عبد اللہ حاکم کی "المستدرک علی الصحیحین۔"

مستخرج: وہ کتب جن میں کسی کتاب میں ذکر کردہ احادیث صاحب کتاب کو واسطہ بنائے بغیر دوسری اسناد کے ساتھ جمع کی جائیں۔ ان کی تعداد بھی بہت ہے۔ صحیحین سے متعلق ہی دس دس ہیں دوسری کتب سے متعلق ان کے علاوہ مثلاً بخاری سے متعلق، مستخرج اسماعیلی (ابو بکر احمد بن ابراہیم اسماعیل ۳۷۱ھ) مسلم سے متعلق، مستخرج اسفرائنی، صحیحین سے متعلق، مستخرج ابی نعیم اصبہانی اور ابو داؤد سے متعلق "مستخرج قاسم بن اصبغ"

مجمع: وہ کتب حدیث جن میں حدیث کی کئی کتابوں کی احادیث کو یکجا کر دیا گیا ہو۔ ایسی کتابیں بھی اچھی خاصی تعداد میں ہیں چند اہم و مشہور حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مشارق الانوار النبویہ

حسن بن محمد صنعانی ۶۵۰ھ جو صحیحین کی جامع ہے۔

۲۔ الجمع بین الصحیحین

محمد ابو نصر حمیدی اندلسی ۴۸۸ھ۔

۳۔ التجرید للصحاح والسنن

ابو الحسن احمد بن رزین اندلسی ۵۳۵ھ جو کہ ابن ماجہ کو چھوڑ کر بقیہ صحاح ستہ اور موطا کی جامع ہے۔

۴۔ جامع الاصول من احادیث الرسول

ابن تاثیر ۶۰۶ھ۔ یہ بھی التجرید کی مانند ہے۔

۵۔ جمع الفوائد من جامع الاصول والزوائد

محمد بن محمد بن سلیمان مغربی ۱۰۹۴ھ

اس سلسلے کی ایک اہم کتاب امام جلال الملۃ والدین سیوطی کی "جمع الجوامع" ہے جس میں ان کا ارادہ پچاس سے زائد کتب کی احادیث یا یوں کہئے کہ تمام احادیث کے جمع کرنے کا تھا مگر وہ مکمل نہ کرسکے اسی کا دوسرا نام "الجامع الکبیر" بھی ہے۔ شیخ علی متقی ہندی نے "جمع الجوامع" کے پورے مجمعہ کو ابواب علمیہ وفقہیہ کے مطابق

مرتب کیا ہے اور ترتیب حروف ہجا کے اعتبار سے رکھی ہے اور پہلے اقوال کو مختلف ابواب وفصول میں ذکر کیا ہے پھر افعال کو اور اس کا نام ''کنز العمال'' تجویز کیا ہے جو ۲۲ جلدوں میں ہے۔ اور یہ کتاب اس حیثیت سے نہایت منفرد ہے کہ اس میں کوئی حدیث مکرر بالکل نہیں ہے۔

زوائد: وہ کتب حدیث جن میں کسی کتاب کی ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جو دوسری کتابوں سے زائد ہو یعنی دوسری میں مذکور نہ ہوں جیسے ابو العباس احمد بن ابوبکر بوصیری ۸۴۰ھ کی ''مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجۃ'' اس میں ابن ماجہ کی وہ احادیث ذکر کی گئی ہیں جو باقی صحاح ستہ میں مذکور نہیں ہیں اور یہی بوصیری کی ''اتحاف السادۃ المھرۃ الخیرۃ'' اس میں دس اہم مسانید میں صحاح ستہ سے زائد ذکر کردہ احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

مصنف ومؤطا: وہ کتب جن کی ترتیب ابواب فقہ کے مطابق ہو اور ان میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ موقوف ومقطوع احادیث بھی جمع کی گئی ہوں جیسے مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ ومصنف عبد الرزاق وغیرہ اور مؤطا امام مالک ومؤطا ابن ابی ذئب وغیرہ۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے تلامذہ امام ابو یوسف وامام محمد وحسن بن زیاد، امام زفر وغیرہ کی کتاب الآثار کے عنوان سے جو کتب منقول ہیں وہ بھی مؤطا ومصنف کی قبیل سے ہیں۔ ان میں فقہی ابواب کے مطابق احادیث مرفوعہ کے ساتھ موقوف ومقطوع روایات بھی جمع کی گئی ہیں اور یہ دراصل ان روایات کا مجموعہ ہے جن کا امام اعظم ابوحنیفہ نے اپنے تلامذہ کو املا کرایا تھا اس لحاظ سے ''کتاب الآثار'' کو اس انداز کا اولین مجموعہ اور بعد کے کاموں کے لئے بنیاد بتایا جاتا ہے۔

اربعین: وہ کتب جن میں کسی ایک باب ومسئلہ سے متعلق یا چند ابواب ومسائل سے متعلق چالیس چالیس احادیث جمع کی جائیں خواہ سب ایک سند سے مروی ہوں یا متعدد اسناد سے۔ ایسی کتب بھی بہت ہیں مثلاً محی الدین یحییٰ نووی کی ''الاربعون''۔

یہ تو وہ کتابیں ہیں جن کو ان کے مخصوص انداز تالیف کی وجہ سے مذکورہ عناوین دیئے گئے ہیں ورنہ اکثر وبیشتر کتب حدیث کی تالیف وتصنیف کی بنیاد یہی اسلوب ودستور ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے کتابیں ایسی بھی ہیں جن کی تدوین وتالیف کی بنیاد دوسرے امور پر ہے مثلاً

کتب ترغیب وترہیب: کسی حکم سے متعلق منقول ترغیب وترہیب پر مشتمل احادیث کی جامع کتب جیسے عبد العظیم منذری کی الترغیب والترہیب، جو کہ معروف ومتداول کتاب ہے۔

کتب موضوعات: وہ کتب جن میں کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث وآثار کو جمع کیا گیا ہو جیسے امام احمد کی کتاب الزہد، ابن ابی الدنیا کی کتاب ذم الغیبۃ، عبد اللہ بن مبارک کی کتاب الزہد اور کتاب الجہاد، ابوعبد اللہ مروزی کی کتاب الفتن والملاحم۔ امام ابو یوسف کی کتاب الذکر والدعاء اور ابونعیم اصبہانی کی کتاب فضائل الصحابہ۔

کتب احکام: وہ کتب جن میں صرف وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو احکام ومسائل سے متعلق ہیں جیسے تقی الدین محمد بن علی معروف بہ ابن دقیق العید مالکی ۷۰۲ھ کی، الامام فی احادیث الاحکام، تقی الدین عبد الغنی حنبلی کی 'عمدۃ الاحکام' اور ابن حجر عسقلانی کی 'بلوغ المرام'۔

کتب تخریج: وہ کتب حدیث جن میں کسی کتاب میں ذکر کردہ احادیث کی اسناد وحیثیت کو بیان کیا گیا ہو خواہ وہ کتاب تفسیر وفقہ میں ہو یا کسی دوسرے فن میں جیسے ابومحمد زیلعی کی تخریج احادیث الکشاف، جس میں تفسیر کی مشہور کتاب ''کشاف'' کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور نصب الرایۃ، جو احادیث ہدایہ کی جامع ہے۔ عبد الرؤف مناوی کی ''الفتح السماوی بتخریج احادیث البیضاوی'' اور عبد الرحیم بن حسین عراقی ۸۰۶ھ کی، المغنی عن حمل الاسفار، احیاء العلوم امام غزالی کی تخریج احادیث میں۔

اور زیر نظر کتاب، الاحادیث النبویہ من التصانیف الرضویہ، جس میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی کتب سے احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔

مفاتیح وفہارس: وہ کتب جن میں کسی کتاب کی احادیث کی فہرست ہو خواہ تفصیلی ہو یا کچھ اختصار کے ساتھ۔ یہ فہرست کبھی حروف تہجی یعنی احادیث کے اولیں حروف کے اعتبار سے ہوتی ہے اور کبھی موضوع کے اعتبار سے کہ کسی خاص لفظ وموضوع کا جن احادیث میں تذکرہ ہو صرف ان کو ذکر کیا جاتا ہے۔

اول: جیسے مفتاح الصحیحین، مفتاح احادیث مؤطا مالک، فہرست لاحادیث مسلم القولیہ

دوم: جیسے مفتاح کنوز السنۃ، جس میں صحاح ستہ کے علاوہ چند دوسری اہم کتب کو ملا کر چودہ کتابوں کی فہرست ہے۔

المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، یہ صحاح ستہ کے علاوہ مؤطا مالک مسند احمد، اور مسند دارمی کی فہرست ہے اور اس موضوع پر نہایت ضخیم ووسیع ترین کتاب ہے۔ فہرست لالفاظ الترمذی، فہرست لالفاظ صحیح مسلم۔

کتب اوائل: وہ کتب جن میں حدیث کے پہلے لفظ وکلمہ کی رعایت رکھتے ہوئے حروف تہجی کے اعتبار سے احادیث کو جمع کیا گیا ہو، خواہ مقصود صرف حدیثوں کا ذکر وجمع ہو۔ جیسے سیوطی کی "الجامع الصغیر" اور "الجامع الکبیر" جن میں دسیوں کتب حدیث میں ذکر کردہ احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ یا اور کوئی بات پیش نظر ہو مثلاً جو حدیثیں زباں زد عوام وخواص ہیں خواہ ان کی حیثیت کچھ ہو یعنی ضعیف وغیرہ ان کا بیان جیسے امام سخاوی کی "المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ" جو بہت معتمد ہے۔ اور عجلونی ۱۱۶۲ھ کی "کشف الخفاء ومزیل الالباس" جو اس موضوع پر اہم ترین کتاب ہے۔

کتب تفسیر ماثور: وہ کتب تفسیر جن میں تفسیر کے طور پر احادیث کو ہی ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے مسائل ومباحث بہت کم یا برائے نام ہیں۔ جیسے طبانی کی "جامع البیان" سیوطی کی "الدر المنثور" اور شوکانی کی "فتح القدیر"۔

دیگر کتب: دوسرے فنون کی بھی بعض کتابیں ایسی ہیں کہ جن میں اہتمام و انصرام کے ساتھ بکثرت حدیثیں ذکر کی گئی ہیں اور حدیثوں کی نقل وذکر کے حق میں ان کتابوں کو بھی خاص اہمیت و مقام حاصل ہے جیسے فقہ حنفی میں ابن ہمام کی "فتح القدیر شرح ہدایہ" فقہ شافعی میں نووی کی "المجموع شرح المہذب" فقہ حنبلی میں ابن قدامہ کی "المغنی" اور تاریخ میں طبری کی "تاریخ الامم والملوک" مرتضیٰ زبیدی کی "شرح احیاء العلوم" بعنوان "اتحاف السادۃ المتقین" (علوم الحدیث)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے ان ہمہ اصناف کتب سے استفادہ کیا ہے جس کے ثبوت میں ان کی کتابیں منہ بولتی تصویر ہیں۔

ایسا نہیں ہوا کہ امام احمد رضا نے صرف حدیث نقل کردی اور کتاب کا حوالہ دے دیا اور بات ختم ہوگئی بلکہ ہر حدیث کو اس کے مقام ومرتبہ کے معیار پر رکھ کر استخراج کیا اور دیکھا کہ اس کا مقام تعین کیا ہے۔ تخریج احادیث کے سلسلے میں امام احمد رضا نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں سے دو کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ الروض البھیج فی آداب التخریج
(آداب تخریج کے بارے میں مفصل بیان)

۲۔ النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب
(احادیث کواکب کی تخریج میں)

دنیائے حدیث میں تخریج احادیث کی حیثیت بھی مسلّم رہی ہے اور اس کے فوائد سے کبھی انکار نہیں کیا جائے گا۔ امام احمد رضا نے اس فن میں بھی اپنی یادگار ثبت قرطاس کی ہے جو رہتی دنیا تک زندۂ جاوید رہے گی۔

آداب تخریج اور اس کی اہمیت وافادیت اور تاریخ تخریج کی قدرے تفصیل اس طرح ہے۔

تخریج احادیث

تعریف: حدیث کے اصل ماخذ اور اس کے مرتبہ اور مقام کی تحقیق کرنا اور بیان کرنا۔

اہمیت وفائدہ: اس علم کی اہمیت وافادیت ظاہر ہے اس لئے کہ ہر دینی تقریر وتحریر میں حدیثوں کا ذکر آتا ہے اور ان کا اعتبار احادیث کے

ماخذ اور مراتب کے علم پر موقوف ہے۔

تاریخ: ابتدائی چند صدیوں میں حدیث سے متعلق وسعت معلومات کی بنا پر تخریج احادیث کی ضرورت پیش نہیں آئی اس لئے کہ حدیث کے سامنے آتے ہی علم کے ذہنوں میں اس کے ماخذ و مراتب آجاتے تھے۔ علوم وفنون کی کثرت ووسعت اور علوم حدیث سے قلت واقفیت کی بناء پر اس کی ضرورت محسوس کی گئی تا کہ عام طالبین تحقیق کا وقت، مطلوبہ احادیث کی تحقیق وجستجو میں صرف نہ ہوکر دوسرے علمی ودینی کاموں میں صرف ہو، چنانچہ بعض محققین وقت نے فقہ اور تفسیر وتاریخ وغیرہ کی کتابوں میں ذکر کردہ حدیثوں کی مستقل کتابوں کی صورت میں تخریج کی۔

مشہور کتب تخریج: تخریج کی مشہور کتابوں میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ تخریج احادیث الکشاف: ابومحمد زیلعی حنفی نے اس میں تفسیر کی مشہور کتاب کشاف کی حدیثیں جمع کی ہیں۔

۲۔ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ: فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کی حدیثوں کی تخریج ہے جو عبد اللہ بن یوسف زیلعی کی تالیف ہے۔

۳۔ تخریج احادیث المہذب: مہذب، فقہ شافعی کی کتاب ہے جو ہدایہ کی مانند اہمیت کی حامل ہے۔ یہ محمد بن موسیٰ حازمی کی تخریج ہے۔

۴۔ المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار: مصنف عبد الرحیم بن عراقی، امام غزالی کی شہرہ آفاق کتاب ''احیاء العلوم'' کی تخریج ہے۔

۵۔ الفتح السماوی فی تخریج احادیث البیضاوی: مصنف عبد الرؤف مناوی

۶۔ تخریج احادیث صفوۃ: مصنف شیخ احمد بن صبغۃ اللہ مدراسی

۷۔ تشیید السبانی فی تخریج احادیث مکتوب الامام الربانی: مصنف شیخ محمد سعید بن صبغۃ اللہ مدراسی

اس میں حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب میں ذکر کردہ حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے۔ (علوم الحدیث ملخصاً)

۸۔ اور زیر مطالعہ کتاب، الاحادیث النبویہ من التصانیف الرضویہ'' جس میں مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی کتابوں میں ذکر کردہ احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔

الفاظ حدیث کے حق میں مستخرجات کا طریق کار:

مستخرجات میں اس بات کا التزام نہیں ہے کہ جس کتاب پر استخراج کیا گیا ہے اس کے اور کتاب مستخرج دونوں کے الفاظ یکساں ہوں اس لئے کہ نظر تو اصل مضمون اور سند پر ہوتی ہے، اس لئے مصنفین اپنے اپنے واسطوں سے منقول الفاظ کو ذکر کرتے ہیں جن میں تھوڑا بہت فرق بھی ہوتا ہے۔

یہی معاملہ ان حضرات کا بھی ہے جنہوں نے اپنی کتابوں میں بخاری ومسلم کی روایات ذکر کی ہیں جیسے بیہقی اور بغوی وغیرہ کہ یہ حضرات روایات ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ رواہ البخاری یا رواہ مسلم، تو اس سے ان کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اصل روایت ان کتابوں میں موجود ہے یا نہیں کہ ان کے ذکر کردہ الفاظ اور ان دونوں کتابوں کے الفاظ بالکل ایک ہیں۔

نقل اور اصل کی طرف نسبت:

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا کہ مستخرجات میں الفاظ کی موافقت ضروری نہیں اس لئے ان سے احادیث کو نقل کرکے اصل کی طرف نسبت اسی وقت جائز ہے جب کہ اصل سے مقابلہ کرلیا جائے یا پھر اگر یوں کہا جائے، اخرجہ البخاری بلفظہ یا اخرجہ مسلم بلفظہ، وغیرہ تو نسبت درست ہوگی۔

فوائد مستخرجات:

مستخرجات کے تقریباً دس فوائد ہیں بعض اہم حسب ذیل ہیں۔

۱۔ علو اسناد......سند کا علو یعنی کم واسطوں سے حضور ﷺ سے کسی حدیث کی نقل، اس لئے کہ مستخرج کا مصنف اگر اصل کتاب کے مصنف مثلاً بخاری کے طریق وواسطے سے حدیث کو نقل کرے تو واسطے زائد ہوجائیں گے بہ نسبت اس سند کے جو اس نے بخاری کو چھوڑ کر اختیار کی ہے۔

۲۔صحیح حدیث کی مقدار میں اضافہ......کبھی اصل کتاب میں روایت کے جتنے اور جو الفاظ ہوتے ہیں مستخرج کی روایت میں الفاظ مختلف اور زائد ہوتے ہیں اور دونوں روایتیں صحیح ہوتی ہیں تو مستخرج کی روایت، روایت اصل کی مقدار میں اضافہ کا باعث ہوتی ہے۔

۳۔کثرت طرق کی بنا پر قوت......مستخرج کی روایت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اصل میں ذکر کردہ روایت دوسرے طریق وطرق سے بھی مروی ہے اور متعدد طرق سے روایت کا مروی ہونا اس کی قوت کا باعث ہوتا ہے جس کا ایک خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی دوسری صحیح حدیث سے اصل کتاب کی حدیث کا تعارض ہو تو متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر یہ حدیث دوسری پر راجح اور فائق قرار پاتی ہے۔ (علوم الحدیث ملخصاً)

تصنیفات امام احمد رضا میں جہاں احادیث مصطفیٰ ﷺ کا سمندر موجزن نظر آتا ہے وہاں معرفت حدیث، طرق حدیث اور علل حدیث پر بھی معرکۃ الآراء بحثیں دیکھنے کو ملتی ہیں جن سے حدیث کے صحیح وضعیف اور حسن وموضوع وغیرہ ہونے کا اندازہ ہوتا ہے، چونکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیث کے پرکھنے اور جانچنے میں جو کمال حاصل تھا وہ ان کی انفرادیت پر گواہ ہے اور یہ سب ان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔

وہ حدیث کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ یہ حدیث کون سی شرط پر ہے اور کون کون ائمہ فن حدیث کی شرط ومعیار پر ہے یعنی امام بخاری کی شرط پر ہے یا بر شرط مسلم وترمذی وغیرہ۔

ائمہ فن نے جو مراتب ومعیار متعین کیے ہیں اسی معیار پر امام احمد رضا حدیث کو دیکھتے تھے گویا کہ ان کی نظر احادیث کے تمام گوشوں پر ہوتی تھی، یہ ان کے علم حدیث میں وسعت مطالعہ اور بصیرت وبصارت کا ہی نتیجہ ہے۔

اس کے باوجود کچھ معاندین ومخالفین نے امام احمد رضا پر یہ بے بنیاد الزام لگایا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علم حدیث میں قلیل البضاعۃ تھے۔

معاذ اللہ! جن کی حدیث دانی کا عالم یہ ہے کہ جب کسی طرق حدیث یا کسی راوی پر کلام کرتے ہیں تو تیس تیس روایتیں اور سندیں پیش کر کے ان کا صحیح یا غیر صحیح یا ثقہ تام الضبط یا غیر ثقہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اور جب کسی حدیث پر بحث کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ساری زندگی شاید اسی بحث سے متعلق کتب بینی کی ہے، جب کہ انہوں نے مختلف علوم وفنون میں کتابیں تصنیف کیں اور ہر ایک فن میں ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے شروع سے اخیر تک اسی فن میں محنت ومشق کی ہے۔ اس لئے ان کے معاصر علماء نے کہا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی طرح حدیث واصول حدیث ومعرفت حدیث وطرق حدیث اور مصطلحات حدیث وعلل حدیث کا جاننے والا پچھلے چار سو سال میں پیدا نہیں ہوا۔''

ویسے بڑے بڑے محدثین کرام نے حدیث کی نمایاں خدمتیں انجام دی ہیں اور کتابیں بھی لکھی ہیں مگر جو جرح وتعدیل اور حدیث کی معرفت پر بحث وتمحیص امام احمد رضا کے رشحات قلم میں نظر آتی ہیں وہ دوسری جگہ بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے خصوصاً مندرجہ ذیل رسالوں میں معرفت حدیث وطرق حدیث کی ایک عظیم دنیا آباد ہے اور بعد والوں کے لئے ایک عظیم ولائق قدر لائحہ عمل ہے۔

۱۔منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین
(انگوٹھے چومنے کے بارے میں اور احادیث ضعاف پر نفیس بحث)

۲۔ الهاد الکاف لاحادیث الضعاف
(احادیث ضعاف پر شاندار بحث وتمحیص)

۳۔ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین
(جمع بین الصلاتین کے مسئلے میں سندوروات پر ردوقدح)

٤۔ مدارج طبقات الحدیث
(مراتب حدیث پر مفصل گفتگو)

٥۔الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذهبی۔
(امام اعظم کا فرمان کہ میرے اجتهاد کے برخلاف حدیث صحیح میرا

مذہب ہے)

اول الذکر رسالے میں اس بات کا شافی بیان موجود ہے کہ حدیث ضعیف کب قابل حجت ہوتی ہے اور ضعاف کی تقویت کے کتنے طریقے ہیں، ان کی پوری تفصیل اس کے تعارف و تبصرہ میں مندرج ہے وہاں پر مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

اور اس سلسلے میں امام احمد رضا نے چالیس سے زائد کتب حدیث پر حواشی تحریر فرمائے ہیں ان میں سب سے زیادہ جامع صحاح ستہ کے حواشی ہیں اس کے بعد دیگر کتب کے حواشی، ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔حاشیہ تیسیر شرح جامع صغیر ۲۔حاشیہ تقریب ۳۔حاشیہ مسند امام اعظم ۴۔حاشیہ کتاب الحج ۵۔حاشیہ کتاب الآثار ۶۔حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل ۶۔حاشیہ طحاوی شریف ۷۔حاشیہ سنن دارمی شریف ۸۔حاشیہ خصائص کبریٰ ۹۔حاشیہ کنز العمال ۱۰۔حاشیہ تہذیب التھذیب وغیرہ۔(سوانح اعلیٰ حضرت)

یہ تو کتب حدیث پر امام احمد رضا کے حواشی ہیں ان کے علاوہ امام احمد رضا بریلوی نے دیگر علوم وفنون کی سینکڑوں کتابوں پر حواشی تحریر فرمائے ہیں۔

ان کے حواشی اور تعلیقات خود ان کی ذاتی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ ہیں جو ان کے ذہن رسا اور جودت طبع اور اسلوب تحقیق کے آئینہ دار، اور تحقیقات رفیعہ تدقیقات بدیعہ، تنقیحات جلیلہ اور تشریحات جمیلہ پر مشتمل ہیں۔

عام مصنفین کے حواشی کی طرح متون و شروح سے ماخوذ نہیں بلکہ ان کے حواشی خود ان کے افادات و افاضات ہیں لہٰذا ان کے حواشی بھی ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں۔

امام احمد رضا اپنے زمانہ طالب علمی میں ایک دن اصول فقہ کی مشہور کتاب "مسلم الثبوت" کا مطالعہ کر رہے تھے کہ آپ کے والد ماجد خاتم المحققین حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کا تحریر کیا ہوا اعتراض و جواب نظر سے گزرا آپ نے کتاب مذکور کے حاشیہ پر اپنا ایک مضمون تحریر فرمایا جس میں متن کی ایسی تحقیق و وضاحت فرمائی کہ سرے سے اعتراض وارد ہی نہ تھا، پھر جب پڑھنے کے لئے حضرت والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مولانا کی نگاہ امام احمد رضا کے تحریر کردہ حاشیہ پر پڑی، دیکھ کر ان کو اتنی مسرت ہوئی کہ اٹھ کر سینے سے لگالیا اور فرمایا احمد رضا، تم مجھ سے پڑھتے نہیں بلکہ مجھ کو پڑھاتے ہو۔(حیات اعلیٰ حضرت)

امام احمد رضا نے حدیث و فقہ اور دیگر فنون کی کتابوں پر حواشی تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ تفاسیر کی بڑی بڑی کتابوں پر بھی حواشی حوالۂ قلم کئے ہیں۔

مثلاً حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ عنایت القاضی، حاشیہ معالم التنزیل، حاشیہ الاتقان، حاشیہ الدر المنثور، حاشیہ تفسیر خازن، حاشیہ تفسیر کبیر وغیرہ۔

ان حواشی تفاسیر کے علاوہ ان کی عظیم یادگار ترجمہ قرآن، کنز الایمان اور تفسیر سورۂ والضحیٰ بھی ہے۔ چنانچہ امام احمد رضا خود فرماتے ہیں

سورۂ والضحیٰ کی چند آیتوں کی تفسیر میں نے اسی جز تک لکھ کر چھوڑ دیا کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھ سکوں۔(حیات اعلیٰ حضرت)

اگر ان کی پوری زندگی اور ان کی تمام تصانیف کا محاسبہ و تجزیہ کیا جائے تو ہر ساڑھے پانچ گھنٹے میں ایک کتاب موجود ہوتی ہوئی نظر آئے گی جب کہ ان کی نادر روزگار تصانیف میں بعض ہزار ہزار صفحات کی بھی ہے۔

ان کی سرعت تحریر اور قوت استحضار و استدلال کی زندۂ جاوید تصویر "الدولۃ المکیہ" ہے جو مکہ مکرمہ میں صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں انہوں نے تحریر فرمائی اور وہ چار سو سے زائد صفحات پر مبسوط ہے۔ جب کہ اس وقت ان کے پاس حوالے کے لئے کوئی کتاب موجود نہ تھی مگر جب علم غیب مصطفیٰ ﷺ پر مشتمل رسالہ "الدولۃ المکیہ" پر نظر پڑتی ہے تو دلائل و براہین کے انبار دیکھ کر حیرت

واستعجاب کی انتہا نہیں رہتی اور یہی وہ رسالہ ہے جس نے علمائے حرمین کو انگشت بدنداں کر دیا۔

اور ان کی سرعت تحریر و زودنویسی کا عالم یہ تھا کہ چار شخص ان کے مسودات کو مبیضہ کرنے میں مصروف و منہمک رہتے لیکن ان چاروں میں سے کوئی بھی ایک ایک مبیضہ تیار نہیں کر پاتا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا پانچواں مسودہ تیار ہو جاتا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کے مجدد کے لئے قرآن وحدیث کے علوم میں جس قدر عبور کی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ و رسول جل جلالہ و ﷺ نے امام احمد رضا کو قرآن وحدیث میں عبور عطا فرمایا تھا۔

غرضیکہ امام احمد رضا کا علمی پایہ اتنا بلند ہے کہ جلیل القدر علماء فرماتے ہیں کہ گزشتہ چار سو سال کے اندر کوئی ایسا جامع عالم نظر نہیں آیا۔

موافقین کا تو کہنا ہے ہی معاندین ومخالفین بھی امام احمد رضا کا علمی لوہا تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت شیر بیشۂ سنت مناظر اسلام مولانا حشمت علی خاں صاحب لکھنوی ثم پیلی بھیتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ آپ پیشوایان وہابیہ مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی عبد الشکور کاکوروی وغیرہ کے معتقد تھے اور مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں علماء وہابیہ سے تعلیم حاصل کر رہے تھے اسی زمانہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ

اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) کی تدقیقات فقہیہ وتحقیقات حدیثیہ اس بلند پائے کی تھیں کہ میں نے خود دیکھا کہ میرے وہابی استادوں کے سامنے فقہ یا حدیث کا کوئی نامنقح مشکل مسئلہ آجاتا تو حضور امام احمد رضا قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسائل مبارکہ کی طرف رجوع کر کے انہیں میں دیکھ دیکھ کر اپنی مشکلات آسان کرتے، میری بدنصیبی تھی کہ میں بھی اس وقت دیوبندی وہابیوں میں رہ کر وہابی گرو گھنٹالوں رشید احمد گنگوہی، قاسم نانوتوی، خلیل احمد انبیٹھی، اشرف علی تھانوی کا معتقد ہو گیا تھا اور حضور امام احمد رضا قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت وعظمت میرے دل میں قطعاً نہ تھی، مجھے میرے خبیث وہابی استادوں نے یہ ذہن نشین کرایا تھا کہ گنگوہی، نانوتوی، انبیٹھی اور تھانوی یہ چاروں خبثاء، پیشوایان اہل اسلام ہیں، اور حضور امام احمد رضا قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض براہ بغض وحسد ان چاروں کو اور ان چاروں کے مریدین ومعتقدین کو کافر ومرتد کہتے ہیں والعیاذ باللہ وسبحنہ تعالیٰ۔

ان طواغیت اربعہ دیوبندیت، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی تھانوی کے اقوال کفریہ یقینیہ کی مجھے میرے وہابی استادوں نے مطلقاً خبر نہ دی تھی، بہر حال وہ ملایان دیوبندیہ اکثر وبیشتر حضور امام احمد رضا قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتب مبارکہ سے مدد لیا کرتے تھے ایک مرتبہ میں نے اپنے ان خبیث اساتذہ لعنھم اللہ تعالیٰ سے کہا آپ لوگوں کے کہنے کے مطابق تو یہ شخص (یعنی امام احمد رضا) بدعتیوں کا سردار ہے اور دیوبندی عالموں کو کافر کہتا ہے اور اپنے مریدوں کے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتا پھر آپ لوگ ایسے شخص کی کتابیں کس لئے دیکھتے ہیں تو ان بے ایمانوں نے جواب دیا کہ اس شخص میں صرف اتنا ہی عیب ہے کہ ہمارے اکابر (گنگوہی، نانوتوی، تھانوی وغیرہ) کو کافر کہتا ہے ورنہ فقہ وحدیث وغیرہ تمام علوم دینیہ میں ہندوستان بھر کے اندر اس کے برابر اور اس کے جوڑ کا کوئی شخص نہیں ہم لوگ اگرچہ اس شخص کے مخالف ہیں لیکن پھر بھی اس کے علمی دلائل وتحقیقات کے محتاج ہیں۔ (ترجمان اہلسنت پنجم تا دہم، ص ۸۸، بحوالہ سوانح امام احمد رضا، ص ۱۱۵)

قوت حافظہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام احمد رضا عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے مثال اور حیرت انگیز قوت حافظہ عطا فرمایا تھا یہی وجہ ہے کہ زور مطالعہ اور یادداشت کا عالم یہ تھا کہ جو

کتاب بھی ایک مرتبہ پڑھ لیتے تو اسے زندگی بھر نہیں بھولتے تھے اسی لئے انہیں کسی چیز کا حوالہ کسی کتاب سے دینے کے لئے ورق گردانی اور تلاش وجستجو کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ ایک مرتبہ کا مطالعہ اس کے صفحہ نمبر وغیرہ کے حوالے کو کافی ہوتا تھا۔ اس لئے ان کی تحریر کی روانی وتسلسل سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب سامنے رکھ کر حوالہ نقل نہیں کرتے بلکہ اپنی یادداشت کی بناء پر ہی حوالوں کا اندراج فرماتے تھے گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کا عظیم وجلیل مجدد ہے اور انہیں پوری تیرہ صدیوں کی اسلامی کتابیں از بر وحفظ ہیں کہ جب جس کی ضرورت پڑتی ہے بلاچوں وچرا بغیر تامل کے لکھتے بھی ہیں اور بتاتے بھی ہیں کہ جب کبھی کوئی کسی کتاب کا حوالہ دریافت کرتا تو امام احمد رضا فرماتے کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحے پر فلاں سطر میں یہ عبارت یا یہ جزئیہ موجود ہے۔ جب کتاب کھولی جاتی تو وہی ملتا جو امام احمد رضا نے بتایا تھا۔

یہاں یہ عقل وخرد حیران ہے کہ ایک حافظ قرآن جس نے برسوں کی بڑی محنت وعرق ریزی کے بعد حفظ قرآن مکمل کیا اگر اس سے پوچھا جائے کہ فلاں آیت کون سے پارے میں ہے تو وہ یہ تو بتادے گا کہ یہ آیت فلاں پارہ فلاں رکوع اور جس قرآن میں اس نے حفظ کیا ہے اس کے داہنی یا بائیں طرف ہے مگر یہ ہرگز نہ بتا سکے گا کہ یہ آیت کون سے صفحے پر اور کون سی سطر میں ہے۔

خاتم المحدثین حضرت علامہ محدث سورتی پیلی بھیتی کے یہاں کا مشہور واقعہ جس میں یہ ہے کہ امام احمد رضا نے ''عقود الدریہ فی تنقیح فتاوی الحامدیہ'' جو چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے صرف ایک شب میں مطالعہ کرلیا اور فرمایا کہ تین مہینے تک تو اس کی سطر سطر لکھ دوں گا اور اس کا مفہوم تو زندگی بھر کے لئے محفوظ ہوگیا۔

امام احمد رضا کا حفظ قرآن بھی ایک حیرت انگیز باب ہے کہ صرف ایک مہینے کی مدت میں پورا قرآن حفظ کرلیا اور یاد کرنے کا طریقہ یہ رہا تھا کہ رمضان کا مہینہ تھا۔ مغرب وعشاء کے درمیان یاد کرتے پھر اسے تراویح میں سنا دیتے اسی طرح ۲۹ رمضان بھی گزرے اور انہوں نے حفظ قرآن بھی مکمل کرلیا۔ یہ سب خداداد ذہانت وصلاحیت کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے۔

مراتب حدیث پر قدرے گفتگو ہونے کے بعد اندازہ ہوگا کہ حدیث دانی میں امام احمد رضا کا مقام رفیع اوج ثریا سے بھی بلند و بالا ہے۔

مراتب احادیث صحیحہ:

تمام احادیث صحیحہ صحت میں شریک ہونے کے باوجود ایک ہی مرتبہ میں نہیں ہوتیں اس لئے ایک طبقہ ودرجہ کے رواۃ بھی اپنے اوصاف میں باہم فرق مراتب رکھتے ہیں اس وجہ سے احادیث صحیحہ کے متعدد مراتب ہیں جو بالترتیب اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ذکر کئے جارہے ہیں۔

۱۔ وہ حدیث جو اصح الاسانید میں سے کسی کے ذریعہ مروی ہو۔

۲۔ وہ حدیث جو ایسے رواۃ کے واسطے سے مروی ہو جو پہلے درجہ والوں سے کم مرتبہ کے ہوں جیسے حماد بن مسلم کی روایت بواسطہ ثابت حضرت انس سے۔

۳۔ وہ حدیث جو ایسے رواۃ کے واسطے سے مروی ہو جن میں ثقاہت کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ پایا جاتا ہے جیسے سہل بن ابی صالح کی روایت بواسطہ پدر خود حضرت ابو ہریرہ سے۔

اسی فرق مراتب کی تفصیل کے تحت حدیث صحیح کے بایں طور پر سات مراتب ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ وہ حدیث جو صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں میں مذکور ہو۔

۲۔ وہ حدیث جو صرف صحیح بخاری میں مذکور ہو۔

۳۔ وہ حدیث جو صرف صحیح مسلم میں مذکور ہو۔

۴۔ وہ حدیث جو بخاری ومسلم میں رعایت کردہ شرائط کے مطابق ہو۔

۵۔ وہ حدیث کو صرف بخاری کی شرط کے مطابق ہو۔

۶۔ وہ حدیث جو صرف مسلم کی شرط کے مطابق ہو۔

۷۔ وہ حدیث جس کو ان دونوں کے علاوہ دوسرے محدثین نے صحیح قرار دیا ہو۔

یہ تفاوت مراتب محض ان دونوں کتابوں کے مرتبہ کے پیش نظر ہے ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر حال میں اس ترتیب کا لحاظ کیا جائے گا بلکہ کبھی دوسرے قرائن کی بنا پر کسی نیچے کی قسم کے تحت آنے والی حدیث کو اوپر والی ترجیح دی جاتی ہے۔

مثلاً مسلم کی وہ روایت جو مشہور ہو مسلم و بخاری دونوں کی ذکر کردہ اس روایت پر راجح ہوگی جو غریب ہو، ایسے ہی ایک حدیث اگر صحیح ترین اسانید میں سے کسی کے ذریعہ مروی ہو اور بخاری و مسلم میں مذکور نہ ہو تو وہ موضوع سے متعلق اس حدیث پر راجح ہوگی جسے دونوں میں سے کسی ایک نے ذکر کیا ہو۔

صحت کی معرفت شرائط کے علاوہ مزید کسی شرط کو ان حضرات نے کہیں ذکر نہیں فرمایا ہے، لیکن محققین علماء نے ان کے طریق کار سے یہ سمجھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے مزید چند امور کی بھی رعایت فرمائی ہے، جن میں سے بعض دونوں کے نزدیک "متفق علیہ" ہیں جن کو "شروط شیخین" کہا جاتا ہے اور بعض ہر ایک کی انفرادی ہیں جن کو 'شرط بخاری' اور 'شرط مسلم' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ امور کیا ہیں۔ محققین نے مختلف باتیں کہی ہیں۔ نووی ابن صلاح اور ابن حجر کے نزدیک اس کی معتمد تعبیر یہ ہے کہ ان کی شروط کے مطابق حدیث کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث، دونوں میں مذکور اسناد، یا کسی کی اسناد کے واسطے سے مروی ہو، اور ساتھ ہی یہ کہ ان دونوں حضرات نے اپنے رواۃ سے نقل روایت میں جس کیفیت کا اہتمام و التزام کیا ہے اس کی بھی پوری پوری رعایت ہو۔

امام بخاری و امام مسلم کی طرح دیگر ائمہ محدثین نے بھی بعض امتیازی شرطوں کی رعایت رکھی ہے اور "شروط ائمہ" بھی ایک فن ہے جس پر محققین نے حسب موقع تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور بعض حضرات نے مستقل کتب و رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ جیسے حازمی کی "شروط الائمۃ الخمسہ" جس میں انہوں نے پانچ اماموں یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی و نسائی نے اپنی کتابوں میں جن شرائط کو ملحوظ رکھا ہے ان کو جمع کیا ہے۔ (علوم الحدیث ملخصاً)

معرفت حدیث کے بعد معرفت رواۃ کا مرتبہ ہے، بلکہ رواۃ کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کے باعث حدیث پر گفتگو ہوتی ہے، یعنی راوی اگر ثقہ ہے تو حدیث صحیح قرار پاتی ہے اور راوی اگر غیر ثقہ ہے تو حدیث ضعیف ہوتی ہے ورنہ نفس حدیث میں ضعف و سقم نہیں ہوتا، اس لئے کسی حدیث کے بارے میں محدثین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث "صحیح نہیں" یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حدیث موضوع یا باطل یا بے اصل ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم صحیح لذاتہ نہیں، ہوسکتا ہے صحیح لغیرہ ہو، یا حسن لذاتہ ہو، یا حسن لغیرہ ہو، کیونکہ محدثین کی اصطلاح خاص میں صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں جو اپنے تمام اوصاف و کمال میں اعلیٰ درجے پر فائز ہو۔

بعض گمراہ اور نا اہل لوگ عوام کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ دیکھو فلاں کتاب میں لکھا ہے کہ یہ حدیث 'صحیح نہیں' یعنی غلط و باطل ہے ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہاں بھی 'صحیح نہیں' سے مراد یہ ہے کہ وہ حدیث صحیح لغیرہ یا حسن لذاتہ و حسن لغیرہ یا ضعیف ہے، نہ کہ غلط و بے اصل ہے یہ ضال و مضل لوگ اسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ 'صحیح نہیں' جو ان کے مطلب کے بظاہر مخالف اور بعض مراسم اہلسنت کے موافق ہوتی ہے۔

محدثین کا کسی حدیث پر جرح صرف اس سند کے ساتھ خاص ہوتا ہے جس پر جرح کیا گیا ہے۔ ایسا بہت ہے کہ کسی حدیث پر اس کی ایک سند کے لحاظ سے ضعیف بلکہ موضوع تک ہونے کا حکم لگا دیا گیا گر دوسری سند سے وہ ثابت ہے۔ جیسے میزان الاعتدال میں ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حدیث 'طلب العلم فریضۃ' کو کہا کہ یہ کذب ہے مگر علامہ ذہبی نے فرمایا یہ حکم اس مخصوص سند کے اعتبار سے ہے جس میں ابراہیم بن موسیٰ المروزی ہے۔ ورنہ یہ حدیث دوسرے طرق سے ثابت ہے اگر چہ وہ سب ضعیف ہیں۔

اسی طرح حدیث "الصلاۃ بالسواک خیر من سبعین صلاۃ" کو علامہ ابن عبد البر نے تمہید میں باطل کہا، مگر علامہ سخاوی نے فرمایا یہ حکم اس سند کے لحاظ سے ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں

ان روایات الضعیف یکون فیہ الصحیح والضعیف والباطل فیکتبونھا ثم تمیز اھل الحفظ والاتقان بعض ذلک من بعض وذلک سھل علیھم معروف عندھم ولھذا احتج السفیان الثوری حین نھی عن الروایۃ عن الکلبی فقیل لہ انت تروی عنہ فقال انا اعرفہ صدقہ عن کذبہ۔

ضعیف راوی کی روایتوں میں صحیح بھی ہوتی ہے اور ضعیف و باطل بھی، محدثین ان سب کو لکھتے ہیں پھر اہل حفظ و اتقان ان کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتے ہیں یہ ان کے لئے آسان ہے اور ان کے نزدیک روزمرہ کا کام ہے، اسی دلیل سے سفیان ثوری نے اس وقت استدلال کیا جب انہیں کلبی کی روایت قبول کرنے سے منع کیا گیا اور کہا گیا آپ اس سے روایت کرتے ہیں فرمایا میں اس کے سچ کو جھوٹ سے امتیاز کر لیتا ہوں۔ (شرح مسلم، ج ۱، ص ۲۱، بحوالہ مقدمہ ترجمہ بخاری)

البتہ حدیث اگر موضوع ہے اور وہ چاہے کتنے ہی طرق سے مروی ہو اگر سب طرق پر موضوع ہی ہے تو وہ علی حالہ ناقابل اعتبار و استناد رہے گی اس لئے کہ کذب سے کذب کی تقویت نہیں ہوسکتی، پھر یہ کہ حدیث موضوع معدوم ہے اور معدوم نیست محض کو کوئی بھی قوی نہیں کرسکتا۔

اس کی پوری تحقیق و تفصیل رسالہ 'منیر العین' اور اس کے تعارف میں موجود ہے۔

راویان حدیث کی معرفت و شناخت اور فن اسماء الرجال میں بھی امام احمد رضا بریلوی اپنے ممتاز وصف کے ساتھ نہایت بلند و بالا مقام پر فائز نظر آتے ہیں اس کے ثبوت پر ان کی تصنیفات حدیثیہ شاہد و گواہ ہیں بالخصوص رسالہ 'حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین' میں راویان حدیث پر جو جرح و تعدیل اور بحث و تمحیص کی گئی ہے وہ مجدد ملت ہی کا حصہ ہے، اس رسالے کے تعارف میں اس سلسلے کی کچھ ابحاث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

فن اسماء الرجال سے متعلق جتنے علوم و معارف ہیں ان سب پر امام احمد رضا کو مہارت و دستگاہ حاصل تھی۔ اس لئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی طرح اسماء الرجال کا جاننے والا پچھلے چار سو سال میں پیدا نہیں ہوا کیونکہ وہ اس فن میں نابغۂ روزگار تھے۔

علوم و فنون میں فن اسماء الرجال کو نہایت ادق و مشکل مانا جاتا ہے کہ برسوں کی مشق مسلسل کے بعد ہی کوئی اس فن میں عبور و ترقی حاصل کرسکتا ہے مگر امام احمد رضا کی خداداد صلاحیت و استعداد اور ان کی شوکت علمی کے سامنے اس فن کی مسلمہ صعوبت و دشواری کی بھی سہل انگیز معلوم ہوتی ہے گویا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف اسی فن کے حصول و بقا کے لئے زندگی بھر جہد مسلسل و سعی پیہم کی ہے۔ حالانکہ ان کے معمولات زندگی پر نگاہ ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ جس طرح دوسرے علوم کی طرف توجہ رہتی اسی طرح اس فن کی طرف بھی، یہ سب عطائے ربانی کی جلوہ سامانیاں ہیں جو مجدد دین و ملت کو حاصل ہیں۔

اس فن کی خصوصیات سے متعلق قدرے تفصیل و تحقیق کے بعد امام احمد رضا کی خصوصیتیں اور بھی واضح و ظاہر ہوں گی۔

بیان راوی:

احادیث کی نقل کا ذریعہ اس کے رواۃ ہیں اس لئے حدیث کی صحت و عدم صحت، مقبولیت و عدم مقبولیت کے علم کی اولین بنیاد رواۃ ہی ہیں یہی وجہ ہے کہ محدثین نے روایت کے معاملہ میں ایسی توجہ دی کہ وہ اقوام عالم کی علمی تاریخ میں ایک بے مثال و نادر چیز ہے۔

راویانِ حدیث کی شخصیات اور ان کے حالات زندگی کا علم ایک اہم چیز ہے اس لئے کہ جب تک کسی شخصیت کا امتیاز نہ ہوگا اس کے حق میں شرائط مقبولیت کے وجود و عدم وجود اور ہر ایک کے مراتب کی تحقیق نہیں ہوسکتی، ان حالات کو عموماً جرح و تعدیل کی کتابوں میں سے لیا گیا ہے لیکن اس کے تحت مختلف امور اور امتیازی چیزوں کو لے کر بہت

سے محدثین نے مستقلاً کام بھی کیا ہے اور کتابیں لکھی ہیں اس سلسلہ کے بعض اہم علوم حسب ذیل ہیں۔

۱۔معرفت صحابہ ۲۔معرفت تابعین ۳۔معرفت برادران و خواہران ۴۔معرفت متفق ومفترق ۵۔معرفت مؤتلف ومختلف ۶۔معرفت متشابہ ۷۔معرفت مہمل ۸۔معرفت مبہمات ۹۔معرفت وجدان ۱۰۔معرفت مذکورین باسماء یا صفات مختلفہ ۱۱۔معرفت اسمائے مفردہ وکنیت والقاب ۱۲۔معرفت اسماء مشہورین بکنیات ۱۳۔معرفت القاب ۱۴۔معرفت منسوبین بسوئے غیر پدر ۱۵۔معرفت نسبتہائے خلاف ظاہر ۱۶۔معرفت تواریخ رواۃ ۱۷۔معرفت خلط کنندگان از ثقات ۱۸۔معرفت طبقات علماء ورواۃ ۱۹۔معرفت موالی ۲۰۔معرفت رواۃ ثقات وضعفاً ۲۱۔معرفت اوطان وممالیک رواۃ۔

ان علوم اور ان جیسے وہ تمام علوم جو راویان حدیث کی زندگی پر مکمل روشنی ڈالتے ہیں ان کے مجموعہ کو علم اسماء الرجال کہتے ہیں (وہ علم جس کے ذریعہ رجال حدیث یعنی راویان حدیث سے واقفیت حاصل ہوتی ہے)

یہ ذہن نشین رہے کہ اس کے تحت صرف انہیں رواۃ کے حالات مذکور ہیں جو ابتدائی چند صدیوں میں واسطہ در واسطہ ایک دوسرے تک احادیث وآثار کو منتقل ونقل کرتے رہے، اس کے تحت عہد صحابہ سے لے کر بعد کے ایک طویل عرصہ تک انہیں لوگوں کے حالات مذکور ہیں جو ابتدائی عہد کے محدثین کے انداز پر احادیث کی نقل و روایت اور درس وتدریس کا کام کرتے رہے یعنی جو اپنی ذات سے لے کر صحابہ وحضور اقدس ﷺ تک کے تمام واسطوں کے ذکر کے ساتھ کسی حدیث کی نقل وروایت کا کام کریں خواہ حفظ و یادداشت کی بنیاد پر ہو یا تحریر اور اپنی مؤلفات کی مدد سے۔(اسماء الرجال ص ۱۰، بحوالہ الاصابہ)

موجودہ عہد کا جو طریقہ اب درس حدیث میں رائج ہے کہ کوئی کتاب لے کر پڑھا دی جاتی ہے اور اس کی سند ومتن پر کلام کیا جاتا ہے۔ اور پڑھانے والوں اور کتاب کے مؤلف کے درمیانی واسطوں سے کوئی بحث نہیں ہوتی اور نہ ان پر کلام ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اب تالیف شدہ کتابوں پر ہی مدار اعتماد ہے۔ اس لئے ان آخری عہدوں کے ان لوگوں کے حالات اس کے تحت نہیں آتے جو مذکورہ رواج کے مطابق اس کام کو کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں۔ جن راویان حدیث کے حالات ان کتابوں میں ہیں ان کی مجموعی تعداد پانچ لاکھ ذکر کی گئی ہے اور ان کا زمانہ ۱ھ سے لے ۷۰۰ھ تک پہنچا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو یہ تمام علوم ومعارف حدیث حاصل تھے اور ان فنون عالیہ کی عظیم خدمات ہی ان کے تجدیدی کارناموں کی زریں شناخت ہے اور ان علوم ومعارف پر جہاں عظماء محدثین کی تصنیفات ملتی ہیں وہیں پر امام احمد رضا نے بھی ان سے متعلق حسب ضرورت مستقلاً کتابیں تصنیف کی ہیں اور جگہ جگہ دیگر تصنیفات حدیثیہ میں ضمناً ان کے جلوے موجزن نظر آتے ہیں پھر وہ حواشی وتعلیقات ان کے سوا ہیں جو انہوں نے کتب حدیث پر رقم کئے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد رضا علم حدیث میں ہمہ قسم کی معلومات کے حامل تھے، حدیث کے تمام طرق ان کی نظر میں ہوتے تھے ایک روایت جتنی اسانید سے مروی ہے امام احمد رضا کو ان سب پر عبور تھا۔

یہ محدثین کرام کے حزم واحتیاط کی بات تھی کہ انہوں نے راویوں کے حالات کو جاننے کے لئے معیار وکسوٹی متعین کی اور ان پر جرح وتعدیل کر کے تجزیاتی جائزہ پیش کیا جس سے راویوں کی ثقاہت وغیر ثقاہت کا علم واندازہ ہوا اور نہ حدیث مصطفی ﷺ کی صحت وعدم صحت کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ودشوار ہو جاتا ہے اور موضوع وغیر موضوع حدیثیں آپس میں مخلوط وممتزج ہو کر درجۂ اعتبار سے ساقط وخارج ہو جاتیں اس طرح بہت ساری چیزیں ہمارے شعبہائے زندگی میں حارج ہو جاتیں جن کے لئے ہمیں فرمان نبوی اور اسوۂ رسول ﷺ کی ضرورت ہے جو ہمارے تمام ابواب زندگی

میں راہبر و راہ نما ہیں۔

حدیث کی صحت و عدم صحت اور رواۃ حدیث کا لحاظ کرتے ہوئے کتب حدیث کو مختلف اور الگ الگ طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر طبقے کی علیحدہ شناخت بھی قائم کی گئی ہے تاکہ اسماء کتب ہی سے اندازہ ہو جائے کہ یہ کتاب کون سے طبقہ کی ہے اور اس کی حدیثیں کس درجۂ صحت پر ہیں اور راویان حدیث کی ثقاہت کس حد تک ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے کسی بھی شرعی مسئلہ کو استدلال کا جامہ پہناتے وقت ان طبقوں اور درجوں کا خاص خیال رکھا ہے کہ استدلال کے وقت سب سے پہلے آیات قرآنیہ کے بعد پہلے طبقہ کی کتابوں سے حدیثیں اخذ کیں پھر دوسرے طبقے کی کتابوں سے اسی طرح تیسرے اور چوتھے طبقے کی کتابوں سے بھی، اس لئے ان کتابوں میں ہمہ جہت کتب حدیث سے حدیثیں منقول و ماخوذ نظر آتی ہیں جو ان کے استدلال و سلامتی فکر اور اصابت رائے پر دال ہیں۔

کتب احادیث کے ان طبقات کا یہ مطلب نہیں کہ بعد کے طبقات کی حدیثیں باطل و نامقبول ہیں بلکہ اس سے مقصود صرف کتب احادیث کا ایک اجمالی تعارف ہے، ورنہ طبقہ رابعہ تک کی کتابوں میں حسن بلکہ صحیح احادیث بھی بکثرت موجود ہیں۔ خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے امام حاکم کی مستدرک کو طبقہ اربعہ میں داخل مانا حالانکہ اس کی اکثر احادیث اعلیٰ درجے کی صحیح و حسن ہیں بلکہ اس میں صدہا احادیث شیخین امام بخاری و مسلم کی شرط پر ہیں۔

امام احمد رضا کے علوم و فنون میں تبحر اور ان کے تجدیدی کارناموں کا ہی نتیجہ تھا کہ علمائے حرمین شریفین نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی جلالت علمی کو دیکھ کر ان سے سندیں و اجازتیں لکھوائیں۔ اور انہوں نے حرمین مقدس وغیرہ کے جن کثیر علماء کو سندیں اور اجازتیں دی ہیں، اُن میں سے جن سندوں اور اجازت ناموں کی نقلیں لی جا سکیں وہ سب ''الاجازۃ المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ'' میں طبع ہو چکی ہیں۔

علمائے مکہ و مدینہ کے مابین امام احمد رضا کا مشہور و مقبول اور نمایاں حیثیت سے متعارف ہونا کوئی کم اعزاز و شرف کی بات نہیں ہے کیونکہ عربی النسل علماء کا کسی ہندی عالم کی عزت افزائی اور قدر شناسی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا ان کی شوکت علمی کا لوہا تسلیم کرنا ہے۔ جب کہ امام احمد رضا سے پہلے بھی بڑے بڑے ہندی علماء وہاں گئے اور علمائے حرمین سے ملاقاتیں بھی ہوئی مگر جو پذیرائی امام احمد رضا کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔

شیخ الدلائل حضرت مولانا شاہ عبد الحق مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے مخلص شاگرد حضرت مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ہم سالہا سال سے یہاں مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں اطراف آفاق سے علماء آتے ہیں اور جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں کوئی بات نہیں پوچھتا، لیکن اعلیٰ حضرت کے پہنچنے سے پہلے ہی علماء تو علماء اہل بازار تک آپ کی زیارت و ملاقات کے مشتاق تھے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت)

امام احمد رضا بریلوی کی سند حدیث مسلسل بالاولیت ۲۳ واسطوں سے جب کہ دوسری ۲۶ واسطوں سے حضور ﷺ تک پہنچتی ہے اس کے علاوہ سندِ حدیث مسلسل بالاولیت جو بہت اعلیٰ ہے وہ ۱۴ واسطوں سے حضور ﷺ تک پہنچتی ہے۔

سند روایت

سند حدیث مسلسل بالاولیت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہم امام احمد رضا کی ایک سند روایت بھی پیش کر رہے ہیں جو ۵۴ واسطوں سے امام اعظم سے ہوتی ہوئی امام المجتہدین حضرت ابراہیم نخعی تک پہنچتی ہے۔ اس سند کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں تاریخ و مقام روایت کی پوری تفصیل موجود ہے کہ کب اور کہاں کن سے روایت کی، اور دوسری خوبی یہ ہے کہ سید آل رسول احمدی مارہروی کے بعد تمام شیوخ حنفی ہی، اور اس سند میں کہیں پر لفظ انبنا ہے کہیں پر اخبرنا اور کہیں لفظ عن مذکور ہے مفصلاً یہ اس حدیث کی پوری سند کے ساتھ رسالہ، سرور العید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید، میں مذکور ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے روایت کی ہے۔ یہ رسالہ العطایا النبویہ فی الفتاوی

الرضویہ جلد ثالث میں شامل ہے۔

فتاویٰ رضویہ

حضرات! جس طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کو علم حدیث میں بصیرت و دستگاہ حاصل ہے اسی طرح دیگر علوم وفنون کے ساتھ فقہ میں بھی ان کا پایہ بہت بلند اور اس میں ان کی تجدیدی خدمات بھی عظیم یادگار ہیں۔ میرا موضوع بحث چونکہ امام احمد رضا کی علم حدیث میں وسعت نظر ثابت کرنا ہے، اس لئے ان کی فقاہت و تفقہ پر کسی اور موقع پر مفصل گفتگو ہو سکے گی مگر سر دست فتاویٰ رضویہ کی چند مخصوصیات ملاحظہ ہوں کیونکہ زیر نظر کتاب فتاویٰ رضویہ ہی سے ماخوذ و مستخرج حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

فتاویٰ رضویہ احکام شرعیہ و مراسم اسلامیہ کا جامع، وقت کے الجھے ہوئے معرکۃ الآراء مسائل کا شاندار اور مضبوط حل، دلائل و براہین سے مرصع و مزین، تحقیق و تدقیق اور توضیح و تفصیل میں بے مثال اور مصنف کی جودت طبعی و ذکاوت فکر و نظر اور ان کے تفقہ فی الدین کا آئینہ دار ہے۔

فتاوی رضویہ کی جامعیت و خصوصی حیثیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہندو پاک میں فتاوی عالمگیری کے بعد اسی کا مقام و مرتبہ ہے کیونکہ فقہ حنفی میں اسے زیادہ جامع و ضخیم کتاب اردو میں نہیں ہے۔

امام احمد رضا کے علم و فضل اور فتاویٰ نویسی میں دقت نظر اور مہارت کے برملا اعترافات پر چند مشاہیر اہل علم کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد رضا صرف یہ کہ علوم دینیہ کے صاحب بصیرت عالم تھے بلکہ اپنے معاصرین فقہاء و محدثین کے امام اور ارباب منطق و فلسفہ کے استاذ تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اکابر علماء اسلام نے آپ کے علم و فضل اور تبحر علمی کا مشاہدہ کر کے تحریری گواہی دی کہ

شیخ احمد رضا بریلوی، علامہ کامل، استاذ ماہر، یکتائے زمانہ امام یگانہ، مشاہیر علمائے کرام کے سردار و پیشوا، نادر روزگار، علوم وفنون کے دریائے ذخار، عالم کثیر العلم اور فاضل سریع الفہم ہیں۔ (حسام الحرمین)

اور کفل الفقیہ الفاہم اور الدولۃ المکیہ کی روداد تالیف وتحریر اور حسام الحرمین وفتاوی الحرمین پر علمائے عرب کی تصدیقات وتوقیعات امام احمد رضا کی فقاہت وفطانت پر نقش جلی ہیں۔

مکہ شریف کے فقیہ جلیل حضرت مولانا سید اسماعیل بن مولانا سید خلیل نے آپ کے فتاوے کے صرف چند اوراق ملاحظہ فرما کر یہاں تک لکھ دیا کہ

والله اقول والحق اقول انه لو راها ابو حنيفة النعمان رضي الله تعالىٰ عنه لاقرت عينه ولجعل مؤلفها من جملة الاصحاب۔

یعنی بخدا میں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (امام احمد رضا) کے اس فتاویٰ کو ملاحظہ فرماتے تو حضرت امام اعظم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور فتویٰ لکھنے والے (یعنی امام احمد رضا) کو اپنے شاگردوں میں شامل کرتے۔ (الاجازات المتینہ)

استاذ علم میراث سراج الفقہاء حضرت مولانا سراج احمد ساکن قصبہ مکھن بیلہ ضلع رحیم یار خاں ریاست بھاولپور پاکستان سے ایک وہابی فاضل ملا نظام الدین احمد پوری کی ملاقات ہوئی، یہ وہابی فاضل اپنے زمانے کے علمائے دیوبند میں کسی کو علم فقہ میں اپنا ہمسر و برابر نہیں سمجھتا تھا۔ اب آگے کا واقعہ حضرت سراج الفقہاء کے زبان قلم سے سنئے، موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

مولوی نظام الدین فقیہ احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہمعصر علمائے دیوبند وغیرہ میں اپنے آپ جیسا کسی کو فائق نہیں جانتا تھا۔ فتاوی رشیدیہ (مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی) کے اس فتوی پر کہ "حدیث صحیح کے مقابل قول فقہاء پر عمل نہ کرنا چاہیے" اس کے سامنے میں نے رسالہ "الفضل الموهبي في معنى اذا صح الحديث فهو مذهبي" مصنفہ امام احمد رضا عظیم البرکت کے ابتدائی اوراق منازل

حدیث کے سنائے تو اس (وہابی فاضل) نے بعد حیرت کہا کہ یہ سب کب منازل فہم حدیث مولانا احمد رضا کو حاصل تھے، افسوس کہ میں مولانا احمد رضا کے زمانہ میں رہ کر بے خبرو بے فیض رہا۔ پھر میں (سراج احمد) نے اس وہابی عالم کو مسائل رضویہ سے چند مسائل فقہ کے جوابات سنائے تو کہنے لگا کہ علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا احمد رضا کے شاگرد ہیں، یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔ (سوانح سراج الفقہا)

یہی مولانا سراج احمد صاحب ہیں جو میراث کے ایک مسئلہ پر الجھ گئے تو ہندوستان بھر کے مفتیان کرام سے ربط کیا مگر وہ حل نہ ہوسکا لیکن جب امام احمد رضا کی بارگاہ دانش میں وہی ژولیدہ سوال پیش کیا تو اس کا جواب دیکھ کر وہ انگشت بدنداں ہوگئے اور فرمایا کہ میں اتنے دنوں تک علوم وفنون کے جبل شامخ سے دور رہ کر تاریکیوں میں بھٹکتا رہا اور تضییع اوقات کیا۔ اور یہی واقعہ امام احمد رضا سے ان کی گرویدگی کا باعث ہوا۔

مشہور قومی شاعر ڈاکٹر اقبال نے ایک علمی مذاکرہ میں جب امام احمد رضا کا ذکر آیا تو فرمایا۔

ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع و ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا، میں نے ان کے فتاوے سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاوی ان کی ذہانت، فطانت جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عدل ہیں۔ (فاضل بریلوی اور ترک موالات)

فاضل الحدیث ڈاکٹر محی الدین الوائی پروفیسر ازہر یونیورسٹی مصر کا ایک مقالہ جریدہ صوت الشرق قاہرہ مصر، شمارہ فروری ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا ہے۔

پروفیسر صاحب اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:۔

یعد مولانا احمد رضا خاں البریلوی رحمة الله علیه من طلیعة علماء الهند المسلمین الذین ساهموا مساهمة فعالة فی خدمة العلم والدین واللغة العربیه۔

یعنی جن علمائے ہند نے علوم دینیہ و عربیہ کی خدمات میں اعلیٰ قسم حصہ لیا ہے۔ ان میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا نا سرفہرست نظر آتا ہے۔ (المیزان امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء)

وہابیوں کی تحریک جماعت اسلامی کے پیشوا مسٹر ابو الاعل مودودی اپنے مکتوب بنام ایڈیٹر ترجمان اہلسنت کراچی میں تحر کرتے ہیں۔

میری نگاہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم ومغفور دینی علم بصیرت کے حامل اور مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کے قابل احترا مقتدا تھے، اگر چہ ان کے بعض فتاوی وآراء سے مجھے اختلاف ہے لیکن میں ان کی دینی خدمت کا بھی معترف ہوں۔ (المیزان امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء)

ندویوں کے پیشوا مولوی حکیم عبد الحئی رائے بریلوی او دیوبندیوں کے زعیم اکبر ابوالحسن علی ندوی رائے بریلوی، نزهة الخواط ہشتم، ص ۳۸ مطبوعہ حیدر آباد دکن میں لکھتے ہیں۔

الشیخ العالم المفتی احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی الافغانی الحنفی البریلوی المشهو المصطفیٰ ولد یوم الاثنین عاشر شوال سنة اثنتی وسبعین و مائتین بعد الالف ببلدة بریلی واشتغل بالعلم علی والده ولازمه مدة طویلة حتی برع فی العلم وفا اقرانه فی کثیر من الفنون لاسیما الفقه والاصول۔

یعنی استاذ کامل، مفتی احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی افغانی حنفی بریلوی عرف عبد المصطفی ۱۰ رشوال ۱۲۷۲ھ کو دوشنبہ (بلکہ شنبہ) کے دن شہر بریلی میں پیدا ہوئے اور عرصہ دراز (بلکہ نہایت قلیل مدت اپنے والد سے تعلیم حاصل کرنے میں لگے رہے یہاں تک کہ علم میں غالب ہوئے اور کثیر فنون خصوصاً فقہ واصول فقہ میں اپنے معاصر (علماء) پر فوقیت لے گئے۔ (بحوالہ سوانح اعلیٰ حضرت)

امام احمد رضا کی ذات ہمہ گیر، ان کے علم کامل کا شہرہ عالمگیر

خدمات دینیہ کا چرچا جہانگیر تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی بارگاہ عالی میں اضلاع ہندوستان، بنگال، پنجاب، گجرات، دکن، گوا، برہما، ارکاٹ، چین، غزنی، افریقہ، امریکہ، مکہ شریف اور مدینہ شریف سے بے شمار استفتاء آتے اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے، آپ کے ذمہ کار فتویٰ اس درجہ وافر کثیر تھا جسے دس مفتی انجام نہ دے سکتے مگر آپ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے صاحب قلم سیال مفتی، نادر روزگار، یکتائے زمانہ امام بنایا تھا اس لئے آپ نے تنہا اتنی عظیم وجلیل خدمت دینی رضائے رب کے لئے انجام دی۔ (سوانح اعلیٰ حضرت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی تیرہ سال دس مہینے کی عمر ہی میں فارغ التحصیل ہو گئے اور اسی دن سے فتویٰ لکھنا شروع کر دیا اور فتویٰ نویسی کا یہ سلسلہ عمر شریف کے آخری حصہ یعنی تقریباً پچاس برس تک جاری رہا اگر پچاس برس کے تمام فتوے محفوظ رہتے تو نہ جانے مراسم اسلامیہ پر مشتمل کتنے انسائیکلو پیڈیا تیار ہوتے، مگر افسوس کہ ان کے بہت سے فتووں کی نقل نہ لی جاسکی پھر بھی جو نقل ہو سکے اور امام احمد رضا نے جنہیں ترتیب کے ساتھ کتابی شکل دی وہ بڑی تقطیع یعنی جہاز سائز کے بارہ جلدوں میں ۷۵۰۹ سات ہزار پانچ سو نو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اور کل بارہ جلدوں میں فتووں کی تعداد ۶۸۵۸ چھ ہزار آٹھ سو اٹھاون ہے۔ اور اس مجموعۂ فتاویٰ کا نام امام احمد رضا نے "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" رکھا ہے۔ ان میں سے کچھ تو امام احمد رضا نے بذات خود شائع کرایا تھا اور کچھ شہزادہ امام احمد رضا تاجدار اہل سنت الشاہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں المعروف حضور مفتی اعظم ہند کی زیر نگرانی شائع ہوئے اور کچھ بعد میں مطبوع ہوئے۔ اور آج کل یہ کل کے کل مطبوع ہیں بلکہ رضا اکیڈمی بمبئی نے تمام جلدوں کو ایک ہی سائز میں نہایت مناسب وموزون اور حسین وخوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ رضا اکیڈمی کا یہ عظیم کارنامہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ اور انتہائی مسرت کی بات ہے کہ 'رضا فاؤنڈیشن لاہور' کی طرف سے "فتاوی رضویہ" کے شایان شان طباعت کی، جس میں عربی عبارات کے ترجمہ، حوالہ جات کی نشاندہی، پیرا بندی، نئی کتابت، عمدہ کاغذ، نفیس طباعت اور جلد بندی کا عمدہ اہتمام کیا اور فتاوی رضویہ ۱۲ جلدوں کو تیس جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور کی یہ وقیع کاوش ملت اسلامیہ کے لئے قابل فخر اور لائق صد ستائش ہے۔

اور میں نے احادیث اخذ کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ایک جلد کا الگ الگ تعارف وتجزیہ بھی پیش کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ اور احادیث

امام احمد رضا بریلوی کی بارگاہ علم ودانش میں ملک وبیرون ملک سے جو سوالات واستفتاء آتے تھے ان سب کا جواب وہ نہایت دقت نظر اور دلائل وبراہین کی روشنی میں تحریر فرماتے تھے، ان کا عام طریقہ استدلال یہ ہے کہ وہ مسئلے کی وضاحت یا مسئلے کو مبرہن کرنے کے لئے سب سے پہلے آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں پھر احادیث نبویہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام، اس کے بعد اقوال ائمہ وعلماء اور دیگر فقہی جزئیات نقل کرتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں کہ ایک آیت یا صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہوں بلکہ جب آیات واحادیث پیش کرنے پر آتے ہیں تو ایک مسئلے کی وضاحت کے لئے کئی کئی آیتیں اور حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔ خصوصاً جب حدیث مصطفیٰ ﷺ کی سیر کرتے ہیں تو جلوہائے حدیث کی ایک رنگین دنیا آباد نظر آتی ہے، اور جب اقوال ائمہ اور جزئیات شرعیہ پیش کرنے پر آتے ہیں تو ان کے قلم کی جولانی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

امام احمد رضا کے مجموعہ فتاوی میں جزئیات فقہ اور دیگر تحقیقات انیقہ کے ساتھ ساتھ احادیث کا جو ذخیرہ نظر آتا ہے وہ دیگر کتب فتاوی میں کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ ان کی بصیرت حدیث کا واضح وبین ثبوت ہے کہ ان کے بہت فتاوے ایسے ملیں گے جو حدیثوں اور دلیلوں سے مملو ومشحون نہ ہوں۔

حدیث میں امام احمد رضا کی وسعت نگاہ اور حدیثوں سے استدلال کی کیفیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے پورے

مجموعۂ فتاوی میں غیر مکرر احادیث کی تعداد ۳۵۹۱ ہے۔ اور اتنی ہی یا ان سے، کچھ کم تعداد احادیث مکررہ کی بھی ہوگی۔

پہلے میں نے غیر مکرر کی طرح مکررات کو بھی الگ سے شمار کرنا شروع کیا تھا مگر کثرت کے سبب کچھ الجھنیں درپیش ہوئیں تو زیادہ مفید و کارآمد نہ سمجھ کر ترک کر دیا۔

مکررات:

ایک مفتی کے سامنے بسا اوقات متعدد مسائل کے سوالات ایک جیسے اور ایک نہج کے ہوتے ہیں اگر چہ کبھی بعض کی نوعیت الگ ہوتی ہے اور مفتی جب جواب لکھتا ہے تو ایک جیسی دلیلیں ہر جواب میں پیوست کرتا چلا جاتا ہے جس کے نتیجے میں گو سوال و جواب جداگانہ ہوتے ہیں مگر دلائل کا محور و منشاء ایک ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کے مجموعۂ فتاوی میں بھی ہمیں دوسری جزئیات فقہ کے ساتھ حدیثیں بھی مکرر وسہ کرر دکھائی دیتی ہیں۔ جو انہوں نے ایک نہج کے متعدد سوال کے جواب میں بطور دلیل پیش کی ہیں گو مکرر حدیثوں کی تعداد خاصی ہے مگر ہم نے ان مکرر حدیثوں کے استخراج سے احتراز کیا ہے۔

اسی طرح امام احمد رضا کے بعض رسالوں میں بھی کچھ مکرر حدیثیں نظر آتی ہیں مگر بہ نسبت فتاوی کے رسالوں میں یہ بات بہت کم ہے البتہ چند رسالوں کے تقابل کے بعد شاذ و نادر ہی مکرر حدیثیں سامنے آتی ہیں تو ہم نے ایسی مکرر حدیثوں کے جمع کرنے سے بھی اجتناب کیا ہے جو دو یا چند رسالوں کے تقابل سے ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن کہیں کہیں قارئین کو چند حدیثیں بظاہر مکرر نظر آئیں گی مگر دقت نگاہ سے دیکھنے کے بعد فرق محسوس ہو جائے گا کہ یہ حدیثیں حقیقتاً مکرر نہیں ہیں کیونکہ ایسی حدیثوں میں کچھ نہ کچھ مابہ الامتیاز فرق ضرور ہے، یا تو روایت و سند میں فرق ہے یا نفس حدیث کے بعض الفاظ میں یا حدیث کے محولہ و غیر محولہ ہونے میں فرق ہے۔

یعنی امام احمد رضا نے حدیث پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اکثر و بیشتر اسناد حدیث و راویان حدیث اور ماخوذ منہ کتاب کا بھی ذکر کیا ہے جیسے رواہ البخاری عن فلاں و رواہ مسلم عن فلاں وغیرہ۔ اور بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں جن میں سند و راوی کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی کتاب کا حوالہ ہے بلکہ صرف متن حدیث مذکور و مسطور ہے۔ کیونکہ مدعا تو متن حدیث ہی سے حل ہو جاتا ہے مگر پھر بھی اس کی تقویت کے لئے سند و روایت وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے لہٰذا امام احمد رضا کی پیش کردہ بیشتر حدیثیں مستند و محولہ ہوتی ہیں۔

حدیثوں کا مکرر و بار بار آنا امام احمد رضا کے زور قلم و اسلوب تحقیق اور اہتمام موضوعیت پر دال ہے ورنہ یہ کوئی معیوب و غیر محمود بات نہیں ہے، اگر مکررات کا ذکر کرنا عیب و غیر مستحسن ہے تو صحیح بخاری شریف اور امام بخاری کو کیا کہا جائے گا کہ ایک روایت کے مطابق بخاری شریف میں کل احادیث ۷۲۷۵ سات ہزار دو سو پچھتر ہیں اور حذف مکررات کے بعد چار ہزار۔

امام بخاری نے اکثر احادیث کو ایک سے زیادہ جگہ ذکر کیا ہے حتی کہ بعض احادیث کو سولہ سولہ جگہ ذکر کیا ہے، یہ حقیقت میں اگر چہ لفظاً تکرار ہے مگر معنوی اعتبار سے تکرار نہیں۔

تکرار کی دو صورتیں ہے۔

۱) سند میں تکرار ہو۔

۲) متن میں تکرار ہو۔

سند کے لحاظ سے اگر دیکھیں تو شاید کوئی جگہ ایسی ہو جہاں امام بخاری نے ایک حدیث کو دو جگہ ایک ہی سند کے ساتھ ذکر کیا ہو۔

متن میں اگر تکرار ہو تو اس کی لفظی تکرار میں متعدد فوائد ہیں۔ از انجملہ ایک فائدہ مختلف ابواب پر استدلال ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ راوی کبھی ایک حدیث کو مختصر ذکر کرتا ہے۔ دوسرا مفصل، تو مفصل ذکر کر دینے سے حدیث کی تکمیل ہو جاتی ہے، وغیر ذلک۔

انہیں وجوہات کی بناء پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے کہیں کہیں حدیثیں مکرر ذکر کی ہیں تا کہ افادۂ مطالب و ایضاح معانی کو جامع ہوں اور اثبات دعویٰ وقیع تر ہو جائے۔

☆☆☆

امام احمد رضا اور ردِّ بدعات

ڈاکٹر طیب علی رضا انصاری☆

عالمِ اسلام کی وہ عبقری شخصیت جس نے فرنگی تہذیب و تمدن اور فرنگی افکار و نظریات کے خلاف اپنی آواز بلند کی، جس نے تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے اندر دوڑنے والی سَوراج کی برقی لہروں کی سیاسی حکمتِ عملی کے راز کو پالیا، جس نے اسلامی النشاۃ الثانیہ کے لیے بھرپور کوشش کی، ہر فرد کو ملی تشخص کا احساس دلایا، اس نے حق کی خاطر ہر بے راہ سے ٹکر لی اور اپنی غیرت و ناموس کو اسلام اور شارعِ اسلام کی ناموس پر قربان کردیا، وہ فاضلِ بریلوی کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

امام احمد رضا کی عبقریت اور تبحرِ علمی کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق بے شمار لوگوں کو نفعِ کثیر سے بہرہ مند کیا۔ نہ معلوم کتنے گمراہ اور گم گشتہ لوگوں کو راہِ حق دکھائی، معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی سعی پیہم کی۔ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ ہر دور میں معاشرہ اور سماج میں کچھ غلط رسم و رواج راہ پاجاتے ہیں، ان کے خلاف آواز اور قلم اٹھانا اور ان کے خاتمہ کے لیے کوشش کرنا ایک مجدد کی اہم ذمہ داری ہے۔

امام احمد رضا نے ردِّ بدعات و منکرات اور احیاء دینِ اسلام کے لیے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اس لیے علمائے عرب و عجم نے ان کو چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ ان کی بے پناہ مقبولیت نے مخالفین کو اضطراب میں مبتلا کردیا جس کے نتیجے میں ان کی مصلحانہ، مجددانہ اور ناقدانہ کوششوں کا شدید ردِّ عمل ہوا، طرح طرح کے الزامات لگائے گئے اور ان کی تشہیر میں پوری قوت صرف کردی گئی۔ بعض لوگ محض عناد کی بنا پر انصاف کے تمام اصولوں کو پسِ پشت ڈال کر الزام کی حد سے گزر کر اتہام تک جا پہنچے اور کچھ لوگ یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ امام احمد رضا بریلوی نے بدعات و منکرات کی حمایت و اشاعت کی۔ مگر تاریخ پر جن کی گہری نظر ہے، ان کو معلوم ہے کہ یہ الزامات بے بنیاد ہیں اور بعض سیاسی اور مذہبی مصالح کی بناء پر لگائے گئے ہیں۔ مثلاً، وہ بہت سخت گیر تھے، کسی کی بات نہ مانتے تھے، انہوں نے مسلمانوں کی تکفیر کی، انہوں نے بدعات اور منکرات کو عام کیا، سرکارِ دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے مساوی سمجھتے تھے، انہوں نے ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی۔ وہ انگریزوں کے حامی تھے۔

امام احمد رضا نے بدعات و منکرات کی شدید مخالفت کی اور بے شمار رسائل لکھے ہیں جن کے مطالعہ سے ان پر لگائے گئے الزامات کی تردید ہوجاتی ہے۔[۱] اب ہم ان الزامات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی طرف سے لگائے گئے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی، فاضلِ بریلوی کے حالات ذیل میں لکھتے ہیں: (ترجمہ از عربی)

"بہت ہی جھگڑالو، اپنی ذات اور اپنے علم پر بہت ہی گھمنڈ کرنے والا، اپنے معاصرین اور مخالفین کی باتوں کو بہت کم ماننے والا، دشمنی اور خصومت میں بہت ہی سخت۔"[۲] اس میں شک نہیں کہ فاضلِ بریلوی کے مزاج میں شدت تھی لیکن شدت بذاتِ خود غلط نہیں۔ اس کے اسباب اور طریقۂ نفاذ کو دیکھ کر ہی غلط اور صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا فرماتے ہیں:

> "اعلیٰ حضرت کی حدتِ مزاج کا تذکرہ تھا، ایک صاحب نے عرض کیا: ایک تو مزاج گرام، دوسرے علم کی گرمی۔ اس پر ارشاد فرمایا، حدیث میں ہے، ان الحدۃ تعتری قرأ امتی لعزۃ القرآن فی اجوافھم (قراء، محاورۂ حدیث میں علماء کو کہتے ہیں) یعنی میری امت کے علماء کو گرمی پیش آئے گی، قرآن کی عزت کے سبب جو ان کے دلوں میں ہے۔" [۳]

تکفیرِ مسلم میں احتیاط:

مولوی ابوالحسن علی ندوی نے فاضلِ بریلوی پر تکفیرِ مسلم میں تعجیل کا بھی الزام لگایا ہے۔ مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ)

"تکفیرِ مسلم میں بہت ہی عجلت پسند ہے، زمانہ اخیر میں اس نے دیار

☆ استاذ جامعہ فاروقیہ رضویہ، بنارس، یوپی، انڈیا

ہند میں تکفیر و تفریق کا علَم بلند کیا۔'' [۴] حقیقت یہ ہے کہ فاضلِ بریلوی تکفیرِ مسلم میں بے حد محتاط تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے پسِ منظر میں ہندوستان پر ایک سرسری نگاہ ڈالیے تو یہ ملک مختلف انقلابات و تغیرات کا گہوارہ نظر آئے گا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علمائے اہلِ سنت نے ہندوستانی معاشرہ کی تعمیر و ترقی میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج کا مؤرخ اس حقیقت کو خواہ کتنا ہی مسخ کر کے پیش کرے، حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ ہندوستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ تمام مسلم حکمراں جو دہلی سے اپنا حکم نافذ کر رہے تھے، وہ سب سُنّی تھے اور جب بھی اِن شاہانِ وقت نے نئی بدعات کو فروغ دینا چاہا تو علمائے حق نے انہیں ٹوکا اور بدعات و منکرات سے بچنے کی تلقین کی۔ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر بھی علماء کی سرزنش سے نہ بچ سکا۔ تحریک ''دینِ الٰہی'' کی تبلیغ و تشہیر پر علماء نے اس کا مقابلہ کیا، بالآخر یہ فتنہ دب گیا۔ دنیا کی تاریخ یہ رہی ہے کہ جب بھی غیروں نے بدعات و منکرات کے ذریعہ معاشرہ کو خراب کرنے کی کوشش کی تو علماء نے ایسی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا جس سے سماج کو خطرہ ہو جائے۔ ایسی کوشش اسلام کے لیے نئی بات نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کی حیات ہی میں منافقین نے مذہب و ملت کی صورت مسخ کرنے کی جدوجہد کی تھی اور یہ لوگ آج تک اس کوشش میں لگے ہیں۔ امام احمد رضا کے زمانے میں ایسے متعدد واقعات ملیں گے، جن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ عاشقِ رسول ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں جذبۂ وطنیت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کی دور رس نگاہیں وطن کے دوست اور دشمن کو دیکھ رہی تھیں۔ مخالفین نے آپ کی تمام علمی خدمات کو غلط ڈھنگ سے بیان کرنا شروع کر دیا کہ امام احمد رضا مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چاہتے ہیں، وہ سبھی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، وہ کفر کی مشین ہیں۔ اس جھوٹ کا پروپیگنڈہ اتنا کیا گیا کہ لوگ یہی سمجھنے لگے کہ امام احمد رضا صرف اور صرف کافر گر ہیں۔ اور ہوا بھی یہی کہ مسلمانوں کو مشرک بنانے والے محمد ابن عبدالوہاب نجدی بھلا دیئے گئے۔ مسلمانوں کو مشرک بنانے والی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کو اب کوئی نہیں جانتا۔

مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ کسی کو یاد نہیں لیکن اگر کسی کو کچھ یاد رہ گیا تو یہی کہ فاضلِ بریلوی تکفیر مسلم میں عجلت پسند ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فاضلِ بریلوی کسی کو کافر کہنے میں بہت احتیاط فرماتے تھے تکفیر مسلم کے سلسلے میں آپ سے سوال کیا گیا تو فرمایا:

''بطور سب و شتم کیا تو کافر نہ ہوا، گنہگار ہوا اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر۔'' [۵]

''ہمارے نزدیک مقامِ احتیاط میں اکفار (یعنی کافر کہنے) سے کفِ لسان (یعنی زبان روکنا) ماخوذ و مختار مناسب ہے۔'' [۶]

ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں:

''لزوم و التزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔ ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا، حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔'' [۷]

فاضلِ بریلوی کے متعلق غلط بیانی عوام و خواص میں مشہور ہو چکی تھی۔ لیکن حالات و واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ افہام و تفہیم، بحث و مباحثہ اور مراسلت کے ذریعہ تحقیق فرماتے۔ مخاطب راہِ راست پر آ گیا تو بہتر، ورنہ شرعی ذمہ داریاں پوری فرماتے۔ ایک شخص کی تصنیف کی بعض تحریریں شرعی طور پر قابلِ گرفت تھیں۔ چنانچہ آپ نے پہلے ان کو بار بار بذریعہ مراسلت متوجہ کیا۔ آخر میں تحریر فرمایا:

''یہ اخیر دعوت ہے، اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمدللہ میں فرضِ ہدایت ادا کر چکا، آئندہ کسی کے غوغے پر التفات نہ ہوگا۔ منوا دینا میرا کام نہیں، اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔'' [۸]

اس پر توجہ دلانے کے باوجود ان کے مصنفین نے کوئی توجہ نہیں دی بلکہ وہ من و عن شائع کرتے رہے۔ تقریباً بیس سال گذر جانے کے بعد فاضلِ بریلوی نے قلم اٹھایا اور ۱۹۰۲ء میں ''المعتمد المستند'' تحریر فرمایا۔

فاضلِ بریلوی کی اصلاحی کوششوں کو مخالفین تکفیری مشن قرار دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے خواص کی گرفت کی

اور صالح عوام کو ان بدعات اور منکرات سے محفوظ رکھا۔ آپ نے جن جن کی تکفیر کی، ان کے دامن بے داغ نہ تھے بلکہ خود ان کے معتقدین نے اعتراف کیا کہ عبارت کا وہ مفہوم لیا جائے جو فاضلِ بریلوی نے لیا تو یقیناً کفر عائد ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے قول و فعل سے کافر ہوتا ہے، کسی کے کہنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ کسی کے کفر کی نشاندہی وہی کر سکتا ہے جو نبض کفر کو پہچانتا ہو۔ ہر کس و ناکس فتویٰ نہیں لگا سکتا۔ فاضلِ بریلوی کی تنقید نے اصلاحِ حال کا کام کیا۔

مولانا مرتضیٰ حسن در بھنگوی، ناظم اعلیٰ دار العلوم دیو بند نے امام احمد رضا کے فتاویٰ کے بارے میں جو رائے دی ہے، وہ قابلِ غور ہے۔ لکھتے ہیں: "اگر مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک بعض علمائے دیو بند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے سمجھا تو خاں صاحب پر ان علمائے دیو بند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے۔" [۹]

پھر یہی نہیں کہ فاضلِ بریلوی نے فتویٰ دینے میں تعجیل کی ہو بلکہ آپ نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ ان علماء سے بار بار مطالبہ کیا کہ ان عبارتوں کا صحیح محل بیان کیا جائے۔ اس سلسلے میں خطوط بھیجے گئے، لیکن جب ان لوگوں نے بار بار تنبیہ کے باوجود اپنے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں کی تو فاضلِ بریلوی نے "براہینِ قاطعہ" کی اشاعت کے تقریباً سولہ سال بعد اور "حفظ الایمان" کی اشاعت کی تقریباً ایک سال بعد ۱۳۲۰ھ میں ان عبارات پر فتاویٰ کفر صادر کیا۔ [۱۰]

فاضلِ بریلوی مصلح تھے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ سماج میں پراگندگی علماء سے پیدا ہو رہی ہے، ان کی اصلاح ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان علماء کا تعاقب کیا اور ان کی تصنیفات پر سخت گرفت کی۔ گویا کہ آپ کی تنقید نے مذہبی معاشرہ میں اصلاح کا کام کیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ فاضلِ بریلوی کی تنقید و تعمیر نے فتنوں کو دبایا اور عقیدوں کی پاسداری کی۔

غیر شرعی امور کی ممانعت:

فاضلِ بریلوی پر ایک الزام یہ ہے کہ وہ بدعات و منکرات کی ترویج فرماتے ہیں بلکہ آج کل عرفِ عام میں بریلوی اس کو کہا جاتا ہے جو ان امور کا مرتکب ہو مثلاً میت کے گھر جا کر فاتحہ کرنا، اونچی اونچی قبریں بنانا، عرس کے بہانے میلے لگانا، قبروں پر عورتوں کو لے جانا، قبروں کے آگے مرد و عورت دونوں کو سجدہ کروانا، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب فاضلِ بریلوی کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان غیر شرعی امور سے مسلمانوں کو روکا ہے۔ مثلاً میت کے گھر شادیوں کی طرح احباب اور دوستوں کے اجتماعات اور دعوتوں کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اے مسلمان! یہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے یا کیا؟ یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں، سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔" [۱۱]

اسی طرح اونچی قبروں کی تعمیر کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"خلافِ سنت ہے۔ میرے والد ماجد، میری والدہ ماجدہ، میرے بھائی کی قبریں دیکھیے، ایک بالشت سے اونچی نہ ہوں گی۔" [۱۲]

لیکن اس خیال کے ساتھ ساتھ اس کے قائل نہیں کہ بنے ہوئے مقابر کو منہدم کر دیا جائے۔ آپ کی نظر میں انہدامِ مقابر ناشائستہ حرکت ہے۔ جماعتی تعصبات سے ہٹ کر دیکھا جائے تو یہ حرکت ایسی ہی معلوم ہوتی ہے۔

تحفظِ مقابر:

سرزمینِ حجاز میں "تحریکِ وہابیت" کے زیرِ اثر جو مقابر منہدم کیے گئے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضلِ بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"نجدی حکومت نے ان مزارات کی عظیم الشان تاریخی عمارات کو گرا کر نہایت بے سمجھی کا ثبوت دیا ہے، ورنہ کوئی صحیح العقل مسلم بغیر فاتحہ اور ایصالِ ثواب کے دوسرا کوئی بھی غیر اسلامی کام نہیں کر سکتا۔ بالفرض اگر کوئی غیر اسلامی حرکت کرتا تو سپاہی روک سکتا تھا۔ یادگار عمارتوں کو نہ مٹانا چاہیے۔" ع

نام نیک رفتگاں ضائع مکن   تا بماند نام نیکت برقرار [۱۳]

اعراس:

عرس کے جواز میں اگرچہ فاضلِ بریلوی نے فتویٰ دیا ہے لیکن اس کو شرعی حدود میں اتنا مقید کر دیا ہے کہ اس کے جواز میں کوئی قباحت

نظر نہیں آتی۔ فاضلِ بریلوی فرماتے ہیں:

''فی الواقع عرس اولیاء کرام کہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو، بے شک جائز و مستحسن ہے اور رقص، فواحش، مزامیر محرمہ کا جس طرح جہال میں شائع، قبیح مستحسن ہے۔ اس پر اصرار فسق و جہالت۔'' [۱۴]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعراس میں عام طور سے بدعات و منکرات اس کثرت سے ہونے لگے لگا کہ عرس کے نام سے بعض لوگوں کو چڑسی ہوگئی۔ بہرحال فاضلِ بریلوی کے نزدیک اس قسم کے عرس ناجائز ہیں جن میں امورِ بدعات کا ارتکاب کیا جائے۔ عام طور پر ''بریلوی'' حضرات کو مخالفین ''قبر پرست'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس شرکِ صریح کو اہلِ سنت و جماعت (بریلوی) کی طرف سے منسوب کرنا سراسر زیادتی ہے۔

حرمتِ سجدۂ تعظیمی:

بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ فاضلِ بریلوی نے نہ صرف یہ کہ قبر پرستی اور قبروں کے آگے سجدہ کرنے کی سخت ممانعت کی بلکہ اس کے ردّ میں رسائل بھی تحریر فرمائے۔ سجدۂ تعظیمی کی حرمت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''مسلمان! اے مسلمان! اے شریعتِ مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت جلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین و کفر مبین اور سجدۂ تحیہ حرام و گناہ کبیرہ بالیقین۔ اس کے کفر ہونے میں اختلاف علمائے دین، ایک جماعت فقہاء سے تکفیر منقول اور عند التحقیق، وہ کفر صوری پر محمول۔ ہاں مثلِ صنم، صلیب و شمس و قمر کے لیے سجدے مطلقاً کفار۔ ان کے سوائے مثلِ پیر و مزار ہرگز ہرگز ناجائز و مباح بلکہ حرام ہے اور کبیرہ و فحشاء۔'' [۱۵]

مندرجہ بالا شواہد سے یہ واضح ہوگیا کہ فاضلِ بریلوی پر جو بدعات و منکرات کی ترویج و اشاعت کے الزامات لگائے گئے، ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ یا تو غلط فہمی پر مبنی ہیں یا تنگ نظری پر۔ غلط فہمی تو مطالعہ و مشاہدے سے دور ہو سکتی ہے ہاں تنگ نظری کا علاج بہت مشکل ہے۔

علمِ غیب:

فاضلِ بریلوی پر ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو خداوند تعالیٰ کے مساوی سمجھتے ہیں۔ اس الزام کا سب سے بڑا سبب تو مسئلہ ''علمِ غیب'' کے متعلق آپ کی تصریحات ہیں۔ فاضلِ بریلوی کی تصانیف سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں تا کہ اس الزام کی تردید ہو جائے:

(۱) علمِ الٰہی ذاتی ہے اور علمِ خلق عطائی۔ وہ واجب، یہ ممکن۔ وہ قدیم، یہ حادث۔ وہ نا مخلوق، یہ مخلوق۔ وہ نا مقدور، یہ مقدور۔ وہ ضروری البقاء، یہ جائز الفنا۔ وہ ممتنع التغیر، یہ ممکن التبدیل۔'' [۱۶]

(۲) ہم نہ علمِ الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔ اس سے بڑھ کر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے، مفتری کذاب ہے اور اللہ کے یہاں اس کا حساب۔'' [۱۷]

(۳) علمِ غیب کا خاصہ عزت ہونا بیشک حق ہے اور کیوں نہ ہو کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

قل لا یعلم من فی السموت و الارض الغیب الا اللہ

ترجمہ: تم فرمادو کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

اور اس سے مراد وہی علمِ ذاتی و علمِ محیط ہے کہ وہ ہی باری عزوجل کے لیے ثابت ہے اور اس سے مخصوص ہے۔ علمِ عطائی کہ دوسرے کا دیا ہوا ہو، علمِ غیر محیط کے بعض اشیاء سے مطلع بعض سے ناواقف ہو، اللہ عزوجل کے لیے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سے مخصوص ہونا تو دوسرا درجہ ہے اور اللہ عزوجل کی عطاء سے علومِ غیب غیر محیط کا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملنا بھی قطعاً حق ہے۔ اور کیوں نہ ہو، رب عزوجل فرماتا ہے:

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب و لکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء [۱۸]

(ترجمہ) اللہ اس لیے نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کرے، ہاں اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے، چن لیتا ہے۔ (سورہ آل عمران)

چودھویں صدی ہجری میں ایسی گمراہ کن تحریکیں، تنظیمیں اور جماعتیں وجود میں آئیں جو عظمتِ توحید و ناموسِ رسالت اور اہلِ بیت و صحابہ کے متوارث عقائد و نظریات پر حملے کرنے لگے تو سوادِ اعظم

اہلِ سنت کا کارواں سینہ سپر ہو کر سامنے آ گیا۔ فاضلِ بریلوی اسی کاروانِ فکر و خیال کے یکتائے روزگار رہنما تھے۔

امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کے معتقدات و نظریات ان کی ہزاروں تصانیف پر پھیلی ہوئی تحریروں میں سے نکال کر ملت کے سامنے رکھ دیں اور انہیں دعوت دیں کہ وہ ان نظریات کو شریعت مطہرہ کے کٹہرے میں اصولوں کی کسوٹی پر پرکھیں اور اربابِ فکر و نظر اپنی صوابدید سے اس کے ایک ایک لفظ کو شریعت کے پیمانے سے ناپتے چلے جائیں۔ اگر کہیں بھی انہیں کتاب و سنت کی حدود سے باہر ان کی کوئی تحریر دکھائی دے تو برملا کہہ دیں کہ انہوں نے بدعت پھیلائی اور اگر ایسی بات نہیں ہے تو پھر علمی دیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرقہ بندیوں سے نکل کر یہ اعلان کریں کہ انہیں جو کچھ بتایا جاتا رہا ہے، وہ تحقیق اور مطالعہ کے بغیر صرف تعصب کی رو میں بہہ کر ایک شخص کو بدنام کرنے کی سازش ہے۔

اختلافات:

برصغیر میں اختلافات کا آغاز علمائے دیو بند کی ان عبارات سے ہوا، جن کا تعلق براہِ راست حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے ہے۔

مندرجہ ذیل عبارات ملاحظہ ہوں:

"حضور ﷺ کی حیثیت عام انسانوں سے بھی کم تر ہے۔" (تقویۃ الایمان، ص:۱۳)

"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا (نبی ہو یا ولی)، وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔" (تقویۃ الایمان، ص:۱۳)

"حضور ﷺ قوم کے چودھری اور گاؤں کے زمیندار جیسے ہیں جیسا کہ ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمین دار۔ سو ان معنوں میں ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے۔" (تقویۃ الایمان، ص:۵۵)

"حضور ﷺ حیات النبی نہیں بلکہ مر کر مٹی میں مل گئے۔" (تقویۃ الایمان، ص:۵۳)

"حضور ﷺ کی تعظیم بڑے بھائی کے برابر کرنی چاہئے۔" (تقویۃ الایمان، ص:۵۲)

"رسول اللہ ﷺ کے برابر اور بھی کروڑوں پیدا ہونا ممکن ہے۔" (تقویۃ الایمان، ص:۲۶)

"اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔" (رسالہ یکروزی، ص:۱۷، مصنفہ: اسمٰعیل دہلوی)

"اللہ تعالیٰ کو علمِ غیب نہیں البتہ وہ اگر چاہے تو دریافت کر سکتا ہے سو اس طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے کر لیجئے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔" (تقویۃ الایمان، ص:۱۸)

"رسول اللہ ﷺ جیسا علمِ غیب تو بچوں، پاگلوں، جانوروں اور دیگر رذائل کو بھی حاصل ہے۔" (حفظ الایمان، ص:۸، مولوی اشرف علی تھانوی)

"اگر حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی ﷺ میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔" (تحذیر الناس، ص:۲۸، مولوی قاسم نانوتوی)

"حضور ﷺ کا میلاد کرنا اور قیامِ تعظیمی کے لیے کھڑا ہونا بدعت و شرک ہے، مثل کنھیا کے جنم کے ہے۔" (براہینِ قاطعہ، ص:۱۵۲، خلیل احمد انبیٹھوی)

"حضور ﷺ جملہ بنی آدم کے برابر ہیں البتہ نفسِ بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں۔" (براہینِ قاطعہ، ص:۷)

"حضور ﷺ کو یا رسول اللہ کہنا شرک ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ، ص:۶۶)

"حضور ﷺ کو مدرسہ دیو بند کے تعلق سے اردو بولنا آ گئی۔" (براہینِ قاطعہ، ص:۳۰)

امام احمد رضا کے احتیاطِ تکفیر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے متبعین کے افکار و خیالات پر سخت گرفت کی اور اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل رسائل تصنیف فرمائے:

☆ "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" (۱۳۰۷ھ)

☆ "الکوکبة الشهابیه فی کفریات ابی الوهابیه"

لیکن یہی تحریر فرمایا:

"علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں، یہی صواب ہے۔" [۱۹]

اس میں کوئی شک نہیں کہ مندرجہ بالا عبارات انتہائی گستاخانہ اور کسی اعتبار سے بھی بارگاہِ نبوی کے شایانِ شان نہیں۔ یہ انتہائی نازک، سنگین مسئلہ تھا۔ مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ سب کچھ گوارہ کرسکتے ہیں مگر حضور ﷺ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی برداشت کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔

مذکورہ افکار ونظریات کے منظرِ عام پر آتے ہی پورے برصغیر میں ایک زبردست اختلاف کا آغاز ہوا۔ مسلمانانِ ہند جن کی تعداد ۲۰ کروڑ سے زیادہ ہے، دوگروہ میں بٹ گئے۔ ایسے اختلافات کی نظیر دنیا کے کسی گوشے میں بھی ایک امام کے ماننے والوں میں موجود نہیں ہے۔ مولانا یٰسین اختر لکھتے ہیں:

''تحریکِ آزادیٔ ہند، علامہ فضل حق خیرآبادی نے ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' کے نام سے اس کا علمی وتحقیقی جواب دیا۔ حضرت مولانا منورالدین دہلوی، حضرت مولانا محمد موسیٰ، مولانا شاہ احمد سعید مجددی دہلوی، حضرت مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی، مولانا عبد المجید بدایونی اور مولانا فضل رسول بدایونی وغیرہم نے اپنے دور میں بذریعہ تحریر وتقریر ''تقویۃ الایمان'' کے نظریات کا رد فرمایا۔ مذکورہ تمام علمائے ہند میں سب سے زیادہ سرگرمی مولانا منورالدین نے دکھائی، متعدد کتابیں لکھیں اور ۱۲۴۸ھ میں جامع مسجد دہلی میں مباحثہ کیا اور علمائے ہند سے فتویٰ مرتب کیا، پھر حرمین سے فتویٰ منگایا۔'' [۲۰]

نجدی وہابیت کا ہندی دیوبندیت پر جو اثر ہوا، اس سے اہلِ علم واقف ہیں۔ پھر علمائے دیوبند جن فکر وعقائد کے تضادات کا شکار ہوئے، اب حقیقت بھی ظاہر ہوگئی ہے۔ چنانچہ علامہ ارشدالقادری کی کتاب ''زلزلہ'' اس موضوع پر جن دستاویزی حقائق کے ساتھ منظرِ عام پر آئی، اس سے دیوبندی افکار ونظریات کی دنیا میں ایک زلزلہ آگیا اور اس کے دلائل وشواہد کا مطالعہ کرکے عامر عثمانی لکھتے ہیں:

''اگرچہ ہم حلقۂ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کا دفاع نہیں کرسکتا جو اس کتاب کے مشتملات بزرگانِ دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔

ہم اگر عام روش کے مطابق اندھے مقلد اور فرقہ پرست ہوتے تو بس اتنا ہی کرسکتے تھے کہ اس کتاب کا ذکر ہی نہ کریں لیکن خدا بچائے اشخاص پرستی اور گروہ بندی کی باطل ذہنیت سے، ہم اپنا دیانتدارانہ فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور حق یہی ہے کہ متعدد علمائے دیوبند پر تضاد پسندی کا جو الزام اس کتاب میں دلیل وشہادت کے ساتھ عائد کیا گیا ہے، وہ اٹل ہے۔ یہ دیوبندیوں کے لٹریچر کی مشہور کتابیں ''ارواحِ ثلثہ''، ''تذکرۃ الرشید''، ''سوانحِ قاسمی''، ''اشرف السوانح''، ''الجمیعۃ کا شیخ الاسلام نمبر، انفاس قدسیہ وغیرہ، ان کی صورتیں دیکھنے اور کہیں کہیں سے پڑھنے کا شاید ہمیں بھی اتفاق ہوا ہے۔ لیکن یہ ''زلزلہ'' ہی سے منکشف ہوا کہ ان میں کیسے کیسے عجوبے اور کیسی کیسی اَن کہانیاں محفوظ ہیں، استغفراللہ۔ واقعہ یہ ہے کہ فحش ناول بھی اپنے قارئین کو اتنا نقصان نہیں پہنچاسکتے جتنا ان کتابوں نے پہنچایا ہوگا۔'' [۲۱]

مزید لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے کہ یا تو ''تقویۃ الایمان''، ''فتاویٰ رشیدیہ''، ''فتاویٰ امدادیہ''، ''بہشتی زیور'' اور ''حفظ الایمان'' جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ دے دی جائے اور صاف صاف اعلان کردیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن وحدیث کے خلاف ہیں اور ہم دیوبندیوں کے صحیح عقائد ''ارواحِ ثلثہ''، ''سوانحِ قاسمی'' اور ''اشرف السوانح'' جیسی کتابوں سے معلوم کرنا چاہئے۔'' [۲۲]

''یا پھر ان موخرالذکر کتابوں کے بارے میں اعلان فرمایا جائے کہ یہ محض قصے کہانیوں کی کتابیں ہیں جو رطب ویابس سے بھری ہوئی ہیں اور ہمارے صحیح عقائد وہی ہیں جو اول الذکر کتابوں میں مندرج ہیں۔'' [۲۳]

علامہ سید احمد سعید کاظمی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دیوبندی حضرات اور اہلِ سنت کے درمیان بنیادی اختلافات

کا موجب علمائے دیوبند کی صرف وہ عبارات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں کھلی توہین کی گئی ہے۔'' [۲۴]

شاید بہت سے لوگ ناواقفیت کی بنا پر یہ سمجھتے ہوں گے کہ میلاد، قیام، عرس، قوالی، فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ رسوم کے جائز و ناجائز اور بدعت وغیر بدعت ہونے میں مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں جو نظریاتی اختلاف ہے، یہی دراصل دیوبندی اور بریلوی اختلاف ہے مگر یہ سمجھنا صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں ان مسائل کی حیثیت کسی فریق کے نزدیک بھی ایسی نہیں کہ ان کے ماننے یا نہ ماننے کی وجہ سے کسی کو بدعتی قرار دیا جائے۔

آدابِ نبوی:

بارگاہِ نبوی کے آداب، طرزِ تخاطب اور الفاظ کے استعمال کے بارے میں جو ہدایت دی گئی ہے، وہ محتاجِ بیاں نہیں۔ علمائے امت اور عاشقانِ رسول اس مقام پر پہنچ کر ہمیشہ اپنے آپ کو بے بس، درماندہ، مفلس، تہی داماں محسوس کر کے مقامِ محمدی ﷺ کی آفاقیت کا اعتراف کرتے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ندانم کدامیں سخن گوئمت | کہ بالاتری زانچہ من گوئمت
چہ وصف کند سعدی ناتمام | علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام

عزت بخاری، مقامِ نبوت کی رفعت کا احساس اس طرح دلاتے ہیں۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

مرزا غالبؔ نے یہی بات مختلف انداز میں کہی۔

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

توہینِ رسول کفر ہے:

تمام علمائے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور کی شان میں گستاخی اور توہین کفر ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی متفق ہیں کہ حضور کی شان میں گستاخی اور توہین کفر ہے۔ اسی طرح اس بات بھی متفق ہیں کہ توہین یا گستاخی کے صریح الفاظ میں کسی طرح کی تاویل جائز نہیں۔

مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

''علماء نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں جرات دلیری کفر ہے اگر چہ توہین مقصود نہ ہو۔'' [۲۵]

عام طور پر لوگوں کا ذہن اس طرف منتقل کیا جاتا ہے کہ عبارت میں توہین پائی جاتی ہے مگر اس کے قائل کی نیت یقیناً توہین کی نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں عرض کیا جا سکتا ہے کہ حضور کی ذاتِ گرامی سے متعلق ایک لمحہ کے لیے بھی نیت کا عذر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ بارگاہِ نبوت میں آدابِ گفتگو کی براہِ راست تعلیم اور اس کی باریکیوں اور نزاکتوں کو ہر حال میں ملحوظ رکھنے کی تاکید کا منشا یہی ہے کہ بارگاہِ قدس میں لب کھولنے سے پہلے الفاظ کی کم مائیگی، حروف کی درماندگی اور نظم عبارت کی بے چارگی کا اچھی طرح جائزہ لے لیا جائے۔

حضور کی ذاتِ اقدس سے متعلق توہین آمیز عبارت سے سارا مسئلہ پیدا ہوا۔ علمائے اہلِ سنت نے ایسی عبارتوں کو واپس لینے یا مناسب الفاظ میں بدلنے پر زور دیا تو علمائے دیوبند کی طرف سے معقولیت کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے تاویلات اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا گیا اور ان عبارتوں کو اپنے اساتذہ کی عزت و وقار کا مسئلہ بنا لیا گیا۔

علمائے دیوبند نے ملتِ اسلامیہ میں فرقہ بندی گوارہ کر لی، لیکن علمائے دیوبند کی قلمی لغزشوں کو قبول کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ جہاں تقلید جامد اور شخصیت پرستی کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی ہوں، وہاں کسی خوشگوار اسلامی اتحاد کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔

بریلویت:

فاضلِ بریلوی پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی حالانکہ انہوں نے اہلِ سنت و جماعت سے ہٹ کر کوئی فرقہ نہیں بنایا بلکہ وہ مسلکِ سلف صالحین کے مجدد تھے۔ ان کی تصانیف کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وہی بات کہتے ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ برصغیر میں ایک دو فرقوں کے علاوہ سارے فرقوں کی تاریخ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد سے شروع ہوتی

ہے۔ اس سے پہلے مذہبی وسیاسی ہم آہنگی تھی۔ انقلاب کے بعد تحریر و تقریر، مناظرہ اور فضول لٹریچر کا عجیب دور آیا۔ اس صورتحال سے برصغیر کے مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ دیوبندیت اور بریلویت کے نام پر باہمی اختلاف کو ہوا دے کر فاضلِ بریلوی کی دینی، علمی اور ادبی خدمات کو فراموش کر کے ایک نئے فرقہ کا بانی کہا جا رہا ہے۔ یہ صریح علمی وتاریخی ناانصافی ہے۔

اہانتِ رسول کا ارتکاب کرنے والوں کی باگ ڈور علمائے دیوبند وسہارنپور کے ہاتھوں میں آئی اور تقدیسِ شانِ رسالت کی تحریک کی قیادت دہلی، لاہور، فرنگی محل، لکھنو، خیر آباد، مارہرہ، رامپور، بدایوں اور بریلی کے علماء نے کی۔ انہی علمائے ہند کی نمائندگی کرتے ہوئے علمائے بریلی اور پھر کچھوچھہ نے اس تحریک میں حصہ لے کر ہندوستانی کے معاشرہ پر غلبہ حاصل کر لیا اور ان کی زبانوں کو لگام دی جو اہانتِ رسول میں مصروف تھیں نیز جن کے سایہ میں غیر مقلدیت پروان چڑھ رہی تھی۔ آج یہی مخالفین جو "تقویۃ الایمان" اور "کتاب التوحید" کی پیداوار ہیں وہ سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے خلاف بڑی ذہانت ومنصوبہ بندی کے ساتھ عربی، انگریزی اور اردو وغیرہ میں کتب ورسائل لکھ کر عالمِ اسلام کے گوشے گوشے میں اس غلط فہمی کو رواج دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان میں ایک نئے فرقے کا ظہور ہوا ہے جس کا نام "بریلویت" ہے جو مسلکِ اعلیٰ حضرت یا مسلکِ بریلویت کا پابند ہے۔ اپنے لیے سُنّی اور اہلِ سنت کی اصطلاح کا زیادہ استعمال کرنے لگے ہیں تاکہ کم علم انسان ان کے دامِ فریب میں آ کر انہیں ہی سُنّی اور اہلِ سنت سمجھنے لگیں۔ ان کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ ان کا رشتہ کاٹ کر سب سے الگ تھلگ کر دیا جائے۔

پنجاب کے مشہور صحافی میاں عبدالرشید اس الزام کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فاضلِ بریلوی نے نہیں بلکہ مخالفین نے نت نئے فرقوں کا ایجاد کیا۔" [۲۶] مخالفین جس طرح سے فاضلِ بریلوی کو بدنام کر رہے ہیں، اس کا مقصد اصل مسئلہ سے توجہ ہٹانا ہے۔ آج برصغیر کی مسلم اکثریت کا یہ مطالبہ کیوں نہیں مانا جاتا، تقویۃ الایمان، صراطِ مستقیم، براہینِ قاطعہ، حفظ الایمان، تحذیر الناس وغیرہ کی دل آزار عبارتیں حذف کر دی جائیں یا انہیں مناسب الفاظ میں تبدیل کر دیا جائے جبکہ فاضلِ بریلوی کے ہم خیال علماء بار بار اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ دیوبند اور بریلی کا اصل تنازعہ وہی عبارات ہیں جن سے توہینِ رسالت ہوتی ہیں۔ انہیں حل کر دینے سے مسائل بہت حد تک سلجھ جائیں گے۔ علمائے دیوبند کے مرشدِ طریقت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تقریباً تمام مسائل میں فاضلِ بریلوی کے خیالات سے متفق تھے اور انہوں نے دونوں مکاتیبِ فکر میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک رسالہ بھی تحریر کیا تھا۔ [۲۷] مگر علمائے دیوبند نے ان کی باتوں کو تسلیم نہیں کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ برصغیر کی مسلم اکثریت نے علمائے دیوبند کی ان عبارتوں کو توہین آمیز سمجھا ہے۔ اس سلسلے میں فاضلِ بریلوی نے ان کی سخت گرفت کی۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ اسلام کی غالب اکثریت امام احمد رضا کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتی ہے۔ فاضلِ بریلوی نے آفاقیت کے لیے کوشش کی۔ ان کا آفاقی پیغام "بریلویت" کے نام سے مشہور ہوا۔ چونکہ امام احمد رضا "بریلی" کے رہنے والے تھے اس لیے ان کے آفاقی پیغام کو بریلی سے نسبت دی جانے لگی اور بریلویت سے تعبیر کیا جانے لگا۔ دنیا میں لاکھوں ایسے سُنّی ہیں جو "بریلویت" کی اصطلاح سے بھی واقف نہیں مگر عقائد وہی رکھتے ہیں جن کی تبلیغ واشاعت فاضلِ بریلوی نے کی۔ برصغیر ہندو پاک میں کروڑوں مسلمان جو خود کو بریلوی نہیں کہتے لیکن افکار وعقائد میں فاضلِ بریلوی کے ہم نوا ہیں۔ دراصل "بریلویت" آفاقیت کا دوسرا نام ہے۔ فاضلِ بریلوی سے پہلے بھی یہی افکار ونظریات تھے۔ اس وقت "بریلویت" کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ امام احمد رضا نے کسی نئے عقیدے اور فکر کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ سلف صالحین کے مسلک اور ان کے افکار ونظریات کو زندگی بخشی۔

امام احمد رضا کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ انگریزوں کے حامی تھے شواہد کو کھنگالا گیا، حقائق کا مشاہدہ کیا گیا مگر ان کی زندگی انگریزوں کی حمایت سے خالی ہے۔ فاضلِ بریلوی سمجھتے تھے کہ انگریزی تہذیب

وتمدن سیلاب بن کر بڑھ رہا ہے۔ وہ یہ بھی محسوس کرر ہے تھے کہ اگر انگریز چلا گیا اور ہم اس کی تہذیب کو گلے سے لگائے رہے تو ہم فاتح ہوکر بھی مفتوح رہیں گے اسی لیے انہوں نے اسلام کی شمع روشن کی، انہوں نے انگریزی تمدن کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کردیں۔ اگر وہ انگریزوں کے حامی و ناصر ہوتے تو آج غالب اکثریت ہندوستان میں ان کے متبعین انگریزی تہذیب و تمدن کے زیر اثر ہوتے مگر وہ انگریزوں کے مخالف تھے۔ [۲۸]

حوالہ جات و حواشی

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

الف: فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، پروفیسر مسعود احمد، مطبوعہ مبارکپور

ب: المیزان (امام احمد رضا نمبر)، مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۷ء

ج: انوارِ رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء

[۲] نزہۃ الخواطر، جلد ہشتم، عبدالحی رائے بریلوی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۹۷۰ء، ص:۳۹

[۳] الملفوظ، حصہ چہارم، مصطفیٰ رضا خاں، مطبوعہ لاہور، ص:۳۹

[۴] نزہۃ الخواطر، جلد ہشتم، عبدالحی رائے بریلوی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۹۷۰ء، ص:۳۹

[۵] الملفوظ، حصہ سوئم، مطبوعہ لاہور، ص:۱۳

[۶] الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ، امام احمد رضا، مطبوعہ بریلی، ص:۶۲

[۷] سیل السیوف الھندیہ علی کفریات باباالنجدیہ، امام احمد رضا، مطبوعہ عظیم آباد، ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء

[۸] مجددِ اسلام، محمد صابر قادری، مطبوعہ کانپور ۱۹۵۹ء، ص:۱۸۶

[۹] اشد العذاب، مولانا مرتضیٰ حسن دربھنگوی، ص:۱۴

[۱۰] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، حسام الحرمین، امام احمد رضا

[۱۱] احکامِ شریعت، حصہ سوم، امام احمد رضا، ص:۲۹۲

[۱۲] بحوالہ امام احمد رضا اور ردِّ بدعات، مولانا یٰسین اختر، ص:۵۱۴

[۱۳] انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ، امام احمد رضا، مطبع اہلِ سنت، بریلی، ص:۱۰۳

[۱۴] مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس، بحوالہ فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، مطبوعہ مبارکپور، ص:۴۹

[۱۵] الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیہ، امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ص:۷

[۱۶] انباء المصطفیٰ بحال سرو اخفیٰ، امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ص:۲۰

[۱۷] خالص الاعتقاد، امام احمد رضا، مطبوعہ بریلی ۱۹۸۲ء، ص:۱۱

[۱۸] ایضاً، ص:۱۲

[۱۹] سبحان السبوح، امام احمد رضا، بحوالہ امام احمد رضا علمائے حجاز کی نظر میں، مطبوعہ مبارکپور، ص:۴۱

[۲۰] سوادِ اعظم، مولانا یٰسین اختر مصباحی، مطبوعہ دارالقلم، دہلی، ص: ۱۸

[۲۱] ماہنامہ "تجلی" دیوبند۔ شمارہ مئی، ۱۹۷۳ء

[۲۲] ایضاً

[۲۳] ایضاً

[۲۴] الحق المبین، مولانا سید احمد سعید کاظمی، مطبوعہ ملتان، ص:۱۲

[۲۵] الحق المبین، مولانا سید انور شاہ کشمیری، ص:۱۷

[۲۶] بحوالہ آئینۂ رضویات، پروفیسر مسعود احمد، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، ص:۲۶۰

[۲۷] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

فیصلہ ہفت مسئلہ (مع تشریح و توضیح محمد خلیل خاں قادری)، حاجی امداد اللہ مکی، مطبوعہ مکتبۂ رحیمیہ کانپور، ۱۹۸۶ء

[۲۸] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

پی۔ ایچ۔ ڈی مقالے کا چوتھا باب: "اہم نظریات" (سیاسی نظریہ)، غیر مطبوعہ، ڈاکٹر طیب علی رضا انصاری، ص:۱۱۲

☆☆☆

امام احمد رضا۔ خدمات اور اثرات

تحریر: ابو ذہرہ رضوی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۶۸ سال کی عمر پائی اور ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۴۰ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔

برصغیر کی تاریخ میں یہ بڑا ہی پر آشوب اور انقلابی دور تھا، مذہبی اور سیاسی اعتبار سے اسلام اور اہلِ اسلام پر جو قیامتیں ٹوٹیں، قوم مسلم جن حالات سے دوچار ہوئی، برصغیر کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کو معلوم ہیں۔

قوموں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ کسی قوم پر جب جب ایسا وقت آتا ہے قدرت کسی نجات دہندہ کو مبعوث فرماتی ہے۔ سرمایۂ ملت کی نگہبانی کے لئے مشیت ایک شخصیت کو ظاہر کرتی ہے جو آ کر قوم کی بگڑی تقدیر کو سنوار دیتا ہے۔ مشہور مغربی دانشور نطشے نے کہا تھا کہ ''نپولین کا ظہور انقلاب فرانس کی وجہ سے ممکن ہوا۔'' (ص ۲۴۲، آواز دوست) تو یہ اسی بات کا ثبوت ہے، یونہی صلیبی جنگوں کے نتیجہ میں صلاح الدین ایوبی کی شخصیت اُبھر کر سامنے آئی ہم جب اپنی مذہبی اور ملی تاریخ پر نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جب معتزلہ کا فتنہ اٹھا اور عقائد و کلام کو نئے سرے سے پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی تو امام ابوالحسن اشعری جیسا متکلم پیدا ہوا۔ جب منطق و فلسفہ کا زور اٹھا تو اس کی فتنہ سامانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے امام غزالی آئے۔ جب دینِ الٰہی کے نام سے ایک نیا مذہب کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی تو مذہب اسلام کے تحفظ کے لئے قدرت نے مجدد الف ثانی کو پیدا فرمایا۔ ہر تباہی اپنی تلافی ساتھ لاتی ہے۔ فطرت کا نظام بھی خوب ہے کہ جب زوال انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو یہی انتہا تجدید و احیاء کی صورتیں پیدا کر دیتی ہے۔

تاریخ کا مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ایسے عظیم الشان انسان جو دلوں میں گھر کرتے اور تاریخ میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں زمانے اور مقام کے فرق کے باوجود ایک دوسرے کی مانند ہوتے ہیں، فکر و فن اور شعر و ادب کی دنیا ہو یا تدبیر و سیاست اور ملک و سلطنت کے معرکے، ہر طبقہ کی ان بڑی اور مؤثر شخصیات کے درمیان پائی جانے والی علمی و عملی وحدت اور فکری و نظری مناسبت کو بڑی آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہم آہنگی اور رشتہ کبھی کبھی تو ذاتی اور شخصی مشابہت تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ غالبؔ نے اپنے بارے میں کہا تھا۔

بخذ فیض زمبدأ فروزم از اسلاف
کہ بودہ ام قدرے دیر تر دراں درگاہ
ظہور من بجہاں در ہزار و بست و دو صد
ظہور خسرو و سعدی بہ شش صد و پنجاہ

غالبؔ نے یہ بات کئی اعتبارات سے کہی مگر ایک پہلو اس میں زمانی مناسبت کا بھی موجود ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ پچھلی امتوں کا یہ حال تھا کہ ان میں نبی ہر دور میں موجود رہتے تھے، جب سو سال پورے ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کسی رسول کو جلوہ گر کرتا اور جب ہزار سال مکمل ہوتے تو کسی اولوالعزم کی بعثت ہوتی تھی۔ یہی سنت الٰہیہ رہی ہے۔

مجدد صاحب کے اس فرمان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہر سو سال پر کسی رسول کی آمد اور ہزار سال پورے ہونے پر کسی اولوالعزم کی ضرورت میں ماحول کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ تشریعی حکمتیں بھی وابستہ ہیں۔ رسولانِ کرام اور اولوالعزم پیغمبروں کے بیچ مخصوص مدتوں کا فاصلہ اور یہ زمانی قید بلاوجہ نہیں ہے۔

حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے: ان اللّٰہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی رأس کل مأۃ سنۃٍ من یجدد لھا دینھا [۱]
یعنی ہر سو سال کے سرے پر اللہ تعالیٰ ایک شخصیت کو تجدید کا

☆رضا ریسرچ اینڈ پبلشنگ بورڈ مانچسٹر انگلینڈ

منصب عطا فرماتا ہے، ان دونوں حوالوں سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبرانِ کرام اور مجددین و مصلحین امت کے درمیان یہ زمانی مناسبت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ قوموں کے صلاح وفساد اوران کے احوال کا اتار چڑھاؤ سمجھ میں آتا ہے بلکہ آنے والے نبی ورسول یا مجدد و مصلح کے کام اوراس کے مقام و مرتبہ کا بھی تعین ہوتا ہے۔ یہ زمانی مناسبت جس طرح ایک دور کے رسول کو دوسرے دور کے رسول سے اورایک ہزارے کے اولوالعزم کو دوسرے ہزارے کے اولوالعزم سے ہوتی ہے، اسی طرح ایک صدی کے مجدد کو دوسرے عصر کے مجدد سے بھی ہوتی ہے بلکہ بعض مجددین و مصلحین کے ادوار کورسولانِ کرام کے ادوار سے بھی ہوسکتی ہے۔

مجدد صاحب نے کئی مقامات پر اس کی وضاحت کی ہے کہ پچھلی امتوں میں جب ہزار سال گزر جاتے تو اولوالعزم تشریف لاتے، اس امت کے ہزار سال مکمل ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تجدید دین و احیاء سنت کے لئے مامور کیا ہے۔ (مکتوب ۲۰۹، جلد اول)

نائب انبیاء ورُسل:

سلسلۂ نبوت ورسالت بند کیا جاچکا ہے۔ اب کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ انسانیت کو رشد وہدایت، ابدی فلاح اور دائمی نجات کی یہ تعلیم اب انبیاء کرام کے خلفاء ان کی نیابت کے حقدار علماء حق اور مجددین و مصلحین امت کے ذریعہ ملتی رہے گی۔ علماء حق کو یہ مقام نیابت وخلافت ان کے کامل اتباع اور پیروی کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کے یہ سچے نائب نہ صرف علم وعمل، تقویٰ وطہارت، باطنی مقامات، روحانی عروج میں ان کے وارث اور جانشین ہوں گے بلکہ اپنی علمی فتوحات، عملی کارناموں ہمہ گیر اثرات اور بے پناہ دینی وملی خدمات کے لحاظ سے بھی ان کے مظہر ہوں گے۔

بہر حال اس وضاحت کے بعد میں عرض کرتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت ۱۲۷۲ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ صاحب روح البیان کے مطابق اتنا ہی عرصہ یعنی ۱۲۷۲ سال حضرت آدم کی وفات اور طوفان نوح کے درمیان تھا جسے جاہلیت اولیٰ کہا گیا ہے۔ اسی طرح بائبل کی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان بھی ۱۲۷۲ سال کا عرصہ گزرا ہے۔ (تفہیم القرآن)

عیسوی کیلنڈر کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے (کم و بیش) ۱۸۴۳ سال بعد پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۱۸۵۶ سال بعد اعلیٰ حضرت مجدد بریلی کی پیدائش ہوئی۔

علم جفر کے حساب سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی پیش گوئی کے مطابق سنہ ہجری ۱۸۴۷ میں پوری دنیا سے اسلامی سلطنتوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے۔ (ص ۱۰۲، الملفوظ، ج ۱)

۱۲۷۲ کی اس تاریخی مناسبت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نے آپ کو قوم مسلم کا نجات دہندہ بنا کر دنیا میں بھیجا تھا اور مشیت نے غیر معمولی خدمات اور کارناموں کے لئے آپ کو پیدا فرمایا تھا، جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ بڑی شخصیتوں میں یہ وحدتِ فکر ونظر، علمی و عملی ہم آہنگی یا زمانی ومکانی مناسبت ان حدوں کو پہنچ جاتی ہیں کہ ذاتی اوصاف اور شخصی کمالات کا آئینہ بن جاتی ہیں اور عالم یہ ہوتا ہے کہ

ع

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ میں کئی پہلو ایسے ہیں جس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلی وحی آنے کے بعد کاشانۂ نبوت میں واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے آپ کی ذات کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا۔ بعینہ وہی کلام حضرت صدیق اکبر کی شان میں ابن الدغنہ کی زبان سے بھی مروی ہیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر کو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جوابات عطا فرمائے تھے بعینہ اسی ترتیب اور انہی الفاظ کے

ساتھ حضرت صدیق اکبر نے بھی وہی جوابات ارشاد فرمائے، اعلیٰ حضرت نے خاص اسی عنوان پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا جس کا تاریخی نام الکلام البھی فی تشبیہ الصدیق بالنبی ۱۲۹۷ھ ہے۔

مجددِ الف اور مجدد عصر:

جس طرح اعلیٰ حضرت کے سالِ ولادت ۱۲۷۲ھ کی تاریخی مناسبت رسولان کرام کے ادوار کے ساتھ ملتی ہے۔ اسی طرح زمرۂ مجددین میں سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی نہ صرف مقام ومنصب میں حیرت انگیز مشابہت اور مماثلت نظر آتی ہے بلکہ اپنے نام اور کام، نسبت اور القاب، ولادت ووفات حتیٰ کہ خدمات وکارنامے اور ان کے اثرات ونتائج تک میں ایک طرح کا تعلق اور رشتہ ایک وحدت و یگانگت محسوس ہوتی ہے۔

بقول ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری: اعلیٰ حضرت کے پیغام اور تعلیمات میں دسویں صدی ہجری کی عظیم شخصیت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی آواز بازگشت سنی جاسکتی ہے۔

......دونوں نے عقیدۂ توحید اور عشق واتباع مصطفیٰ پر زور دیا۔

......دونوں نے سلف صالحین کے عقائد وافکار کی ترویج کی۔

......دونوں نے شریعت وطریقت میں فرق کرنے والوں کا محاسبہ کیا۔

......دونوں نے اہل بدعت اور باطل فرقوں کے خلاف قلمی اور عملی جہاد کیا۔

......دونوں نے گستاخانِ رسول، مدعیانِ نبوت، صحابہ و اہلبیت کے دشمنوں کا تعاقب کیا۔

دونوں نے دوقومی نظریے کا احیاء کیا (شیخ سرہندی کی کوششوں کے نتیجہ میں اسلام دشمن حکومت کا خاتمہ ہوا اور اسلام دوست حکمران اورنگ زیب کی صورت میں سامنے آیا جبکہ مجدد بریلی کی کوششوں کا ثمرہ مسلمانوں کو ایک آزاد مملکت کی صورت میں نصیب ہوا۔)

دونوں نے عوام وخواص کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔

دونوں کے خلفاء نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا اور برصغیر پاک وہند پر انقلابی اثر ڈالا۔

دونوں نے ایسی تصانیف یادگار چھوڑیں جو پچھلوں کی سمجھ سے بھی بالاتر ہیں۔ (ص ۲۸۳، انتخاب حدائق بخشش، از ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

دونوں شخصیات میں علمی وفکری یک جہتی، دینی وملی کارناموں میں یک رنگی، اپنی ہمہ گیر خدمات واثرات میں غیر معمولی یکسانیت کے علاوہ تاریخی اور واقعاتی حوالہ سے ذاتی اور شخصی نوعیت کی مماثلت اور وحدت بھی نظر آتی ہے، مثلاً: دونوں کی ولادت و وفات کے زمانے، کہا جاتا ہے کہ جس دن امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اسی دن امام شافعی کی ولادت ہوئی ہے۔ (ص ۵۳۴، سیر الاولیاء) جس سے قدرت کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجتہد کا دور ختم ہوتے ہی دوسرا مجتہد دنیا میں آرہا ہے یا یہ کہ ایک مجتہد کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے دوسرا مجتہد جلوہ گر ہورہا ہے۔

مجدد سرہندی کی ولادت ۱۴ر شوال کو ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کی ولادت ۱۰ر شوال کو دونوں کے مہینے ایک ہیں اور ایام بھی قریب قریب ہیں۔

سال اور سنہ دیکھیں تو مجدد الف ثانی ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے تو اعلیٰ حضرت ۱۲۷۲ھ میں گویا اپنی اپنی صدیوں میں ایک ہی عرصہ اور وقت ہے اسی طرح وقت وفات میں بھی یہی یکسانیت موجود ہے۔

مجدد سرہندی نے ۲۸ر صفر کو وصال فرمایا تو اعلیٰ حضرت کا وصال ۲۵ر صفر کو یہاں بھی وہی چیز ہے۔ دونوں کا مہینہ ایک اور تاریخیں بھی قریباً ایک سی البتہ سنہ و سال میں معمولی فرق ہے کہ مجدد صاحب ۱۰۳۴ھ میں فوت ہوئے تو اعلیٰ حضرت ۱۳۴۰ھ میں۔

جس طرح زمینی اور مکانی اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تمام علاقے تھانیسر، گوندوال، نگر کوٹ اور امرتسر ایک دائرہ کی شکل بنتے ہیں جہاں سے ہندوؤں کی احیائی تحریکیں اٹھی تھیں اور جس کے نتیجہ میں دین الٰہی کا فتنہ ظاہر ہوا۔ قدرت نے ٹھیک انہی مقامات کے درمیان سرہند میں آپ کو پیدا فرمایا۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کے دور میں وہ تمام مقامات دیوبند، قادیان، سہارنپور، علی گڑھ، ندوہ (لکھنؤ)

اور دہلی جہاں سے وہابیت، دیوبندیت، قادیانیت، نیچریت، غیر مقلدیت اور صلح کلیت کے فتنے اٹھے تھے ان تمام علاقوں کے بیچ ایک مرکزی مقام شہر بریلی میں آپ کو پیدا فرمایا تا کہ وہ ہر محاذ پر بیک وقت نبرد آزما ہو سکیں۔

☆ شیخ سرہندی مجدد الف ثانی کا نام نامی شیخ احمد ہے تو مجدد اعظم بریلوی کا اسم گرامی احمد رضا۔

☆ مجدد سرہندی چونکہ بنیادی طور پر عقیدۂ توحید، اسلام کی دوامیت اور قرآن کی صداقتوں کو واشگاف کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے اس لئے ان کو جو شیخ طریقت ملا ان کے نام میں نام اللہ شامل تھا حضرت خواجہ محمد باقی باللہ......اعلیٰ حضرت چونکہ عقیدۂ رسالت، تحفظ ختم نبوت اور صاحب قرآن کے مقام و مرتبہ کو اجاگر کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے اس لئے آپ کو جو شیخ ملا ان کے نام میں رسول کا لفظ شامل ہے، بلفظ دیگر توحید کا تحفظ کرنے والے مجدد کو باقی باللہ ملے اور رسالت کا تحفظ کرنے والے مجدد کو آل رسول ملے۔

☆ یہ کیسا اتفاق ہے کہ عقیدۂ توحید کا تحفظ کرنے والے مجدد نے اپنا لقب عبدالرحمٰن اختیار کیا تو عقیدۂ رسالت کا تحفظ کرنے والے مجدد نے اپنا لقب عبدالمصطفیٰ پسند کیا۔

مجدد صاحب نے اپنے مکتوبات میں حقیقت کعبہ اور تجلی کعبہ کے معارف و حقائق بیان کئے جس پر ان سے پہلے شاید کسی نے قلم نہ اٹھایا تھا تو مجدد بریلی افضلیت روضۂ رسول اور شہر پاک مدینہ کا پرچار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

مجدد صاحب کے لئے ان کے شیخ خواجہ محمد باقی باللہ نے فرمایا تھا: میاں شیخ احمد آفتاب است وما ہمچو ستارگان دروے گم اند......تو سید آل رسول مارہروی نے احمد رضا کیلئے یہاں تک فرمایا کہ: اگر قیامت میں خدا مجھ سے پوچھے آل رسول دنیا سے میرے لئے کیا لایا ہے تو میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔

مجدد صاحب کے خلف صادق خواجہ محمد معصوم مجددی سرہندی نے کم از کم ۹ رلاکھ افراد کو بیعت توبہ کرائی (ص ۳۴۴، مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ندوی) تو مجدد بریلی کے خلف اصغر مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں بریلوی نے شدھی تحریک کے دوران مرتد ہو جانے والے ۹ رلاکھ انسانوں کو دوبارہ کلمہ کی دولت عطا فرمائی۔ (دبدبۂ سکندری)

علوم دینیہ سے فراغت۔افتاء کی ذمہ داری:

حیات رضا اور حیات مجدد سرہندی کے یہ حیرت انگیز گوشے اور نیرنگیاں کسی عجوبے سے کم نہیں ہیں یہ تاریخی موافقتیں اپنے اندر قدرت کی بے شمار حکمتیں لئے ہوئے ہیں، میرا خیال ہے کہ اس پہلو سے جب اہل نظر مطالعہ کریں گے تو مزید تفصیلات اجاگر ہو سکتی ہیں۔

بہرحال اب ایک اور گوشہ ملاحظہ کیجئے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ۱۰ رشوال ۱۲۷۲ھ کو پیدا ہوئے اور اپنی محیر العقول فطری ذکاوت کی بنا پر محض ۱۴ رسال کی عمر میں نصف شعبان ۱۲۸۶ھ کو علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ التحصیل ہو گئے اور جس دن فارغ ہوئے اسی دن آپ سن رشد کو پہنچے یعنی احکام شرعیہ کے مکلف بھی ہوئے۔ (الاجازات المتینہ) اور اسی دن سے آپ نے افتاء کی ذمہ داریاں بھی سنبھال لیں۔ (الملفوظ) گویا تینوں اہم امور ایک ہی دن واقع ہوئے۔

یہ بات کسی عام انسان کی نہیں ہے اس ذات کی ہے جس کو قدرت کی طرف سے ملت اسلامیہ کی قیادت و رہنمائی، دین و مذہب کے احیاء و تجدید اور کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت کے لئے دنیا میں بھیجا گیا تھا، جب عام آدمی کی خاص باتیں بھی بلاوجہ نہیں ہوتیں تو یہ تو خاص آدمی کی عام باتیں بھی نہیں، بلکہ اس کے خاص الخاص واقعات ہیں یقیناً جس ذات کے یہ واقعات ہیں، اسے ایک شاہکار اور غیر

معمولی مقام ومرتبہ کا حامل ثابت کرتے ہیں۔

ادوارِ انبیاء سے آپ کے سالِ ولادت کی موافقت آپ نے دیکھی اب آپ کے یومِ ولادت یعنی ۱۰ رشوال اور یوم فراغت و بلوغت، ذمہ داریِ افتاء (یعنی تجدیدی کام کی ابتداء) کی ایک عظیم مناسبت اور تعلق ملاحظہ کریں:

عارف باللہ شیخ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنے سے پہلے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ آپ نے تیس روزے رکھے، جس دن روزہ شروع کیا وہ پہلی رمضان تھی پھر مزید دس روزوں کا حکم ملا تو آپ نے وہ بھی رکھے، پھر آپ کوہِ طور پر تشریف لے گئے جہاں آپ کو تورات شریف عطا ہوئی اور وہ ۱۰ رشوال کا دن تھا، قرآن پاک میں فرمایا گیا:

انا انزلنٰه فی لیلةٍ مبٰرکةٍ انا کنا منذرین ''ہم نے قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا'' مفسرین فرماتے ہیں: اس سے مراد شب نصف شعبان ہے۔ گویا آپ کی ولادت کا دن یوم نزول تورات ہے اور تجدیدی کارناموں کی ابتداء کا دن یوم نزول قرآن۔

برسوں لگی رہی ہیں جب مہرو مہ کی آنکھیں
تب ہم سا کوئی صاحب صاحب نظر بنے ہے

یوں تو حیاتِ رضا کا ہر گوشہ ایسا دلآویز ہے کہ ہمیں کچھ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کرتا ہے، چاہے آپ کا زمانہ ہو یا آپ کی زمین، آپ کا نام اور لقب ہو یا آپ کا نسب اور نسبت، علمی فتوحات اور اجتہادی کارنامے ہوں یا ہمہ گیر خدمات اور ان کا تنوع، آپ کی تجدیدی بے مثالی ہو یا عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، علم وفن کی خدمت ہو یا شعروادب کی لالہ کاریاں، تصنیفی رنگ ہو یا تحقیقی معیار، آپ کی قرآن فہمی ہو یا علم حدیث میں عبقریت، علمی عظمت ہو یا عملی استقامت، بس میں کیا کہوں اور کیا نہ کہوں جو بھی دیکھتا ہے یہی کہتا ہے ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اور یہ ماننے پر مجبور ہے کہ۔

لیس علی اللّٰه بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جنہوں نے نہ دیکھا خیر وہ تو محروم رہے، جنہوں نے دیکھا تھا انہوں نے بھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ کیا۔ آخر میں ایک بات مزید پیش کرتا ہوں پھر آپ کے علمی مقام کا تذکرہ کروں گا۔

سوانح نگار بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ۴ رسال ۴ رمہینہ ۴ ر دن کے ہوئے تو آپ کی رسم بسم اللہ خوانی ادا کی گئی، جب آپ الف باء تاء پڑھ کر لام الف پر پہنچے تو ٹھہر گئے۔ استاد نے مکرر پڑھانا چاہا مگر آپ آگے نہ بڑھے۔

بادی النظر میں شاید یہ ایک عام سی بات معلوم ہو لیکن درحقیقت یہ اتنی عام بات ہے نہیں، تعلیم و تربیت کے مرحلے میں پہلے ہی دن سے آپ کا یہ طرزِ عمل قدرت کی طرف سے عطا کئے گئے بے پناہ فہم وفراست اور ذکاوت و فطانت کی صلاحیتوں پر دال ہیں، میری نظر سے کتابوں میں اس کی صرف دو مثالیں گزری ہیں۔ ایک نظیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس زندگی میں بھی ملتی ہے۔

علامہ واقدی فتوح الشام میں ناقل ہیں کہ: جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ مکتب لے گئیں استاد نے آپ کو بسم اللہ پڑھانے کے بعد حروف تہجی پڑھانا چاہا تو آپ معلم کی طرف دیکھنے لگے، معلم نے پھر پڑھانا چاہا تو آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو ابجد کیا ہے؟ اس پر معلم حیران رہ گیا اور عرض کی آپ ہی بتائیے۔ فرمایا: تم مسند سے اترو۔ پھر آپ مسند پر تشریف فرما ہوئے اور اپنی زبان حقیقت ترجمان سے تمام حروف مفردہ کے حقائق و معارف بیان کرنا شروع کئے۔ (ص. ۱۴۵، فتوح الشام، ج. ۲) دیوبند کے سابق مہتمم قاری طیب نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ (ص. ۴۵، خطبات، ج. ۱)

آیت کریمہ فاعلم انه لااله الا هو کی تفسیر میں شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے امام واسطی سے نقل کیا کہ حضرت ابراہیم کو فرمایا گیا اسلِم اور حضور سید عالم کو فرمایا فَاعْلَم ایک پیغمبر کو اسلام کی دعوت کی اور ایک کو علم کی، وہ فرماتے ہیں ان دونوں میں اعلیٰ مقام علم کا ہے۔ اسلام لانے کا حکم یہ عبودیت کیلئے ہے اور علم کا حکم یہ ربوبیت کے اقرار سے

عبارت ہے۔ پھر بعض اکابر سے نقل کیا کہ وہ علم جس کی حضور کو دعوت دی گئی ھو علم الحروف وعلم الحروف فی لام الف وعلم لام الف فی الالف وعلم الالف فی النقطة وعلم النقطة فی المعرفة الاصلیة وعلم المعرفة الاصلیة فی علم الاول فی لمشیة فی غیب الھو وھو الذی دعا اللّٰه الیه (السلمی، ص. ۲۴۹، حقائق التفسیر، ج. ۲) وہ حروف کا علم تھا تمام حروف کے علوم لام الف میں ہیں لام الف کا علم الف میں ہے۔ الف کا علم نقطہ میں، نقطہ کا علم معرفت اصلیہ میں، معرفت اصلیہ کا علم مشیت کے علم اول میں اور وہ ھو کے غیب میں، اس لئے فرمایا گیا جان لے کہ ھو اللہ ہی ہے۔

شیخ محقق دہلوی اخبار الاخیار میں حضرت شاہ مینا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں رقم طراز ہیں کہ: شیخ محمد مینا کو جب مکتب میں داخل کیا گیا تو آپ نے پہلے ہی دن اب ت ث کے وہ رموز وحقائق بیان فرمائے کہ جن کو سن کر تمام حاضرین انگشت بدنداں رہ گئے۔ (ص. ۳۳۸، اخبار الاخیار، مطبوعہ لاہور)

انگریز مفکر کارلائل نے ایک کتاب لکھی تھی (Hero and Hero Worship) جس کا مرکزی خیال یہ تھا کہ: "بطل یا نابغہ ہر نقطہ پر اور ہر حال میں نابغہ رہتا ہے" اعلیٰ حضرت کے یہ نقوش حیات اور معارف زندگی اس قول کی تصدیق کرتے ہیں، کوئی ضروری نہیں کہ بڑا آدمی تمام عمر بڑا ہی رہے بعض لوگوں کی زندگی میں بڑائی کا صرف ایک دن آتا ہے اس کے ڈھلنے کے بعد ممکن ہے اس کی باقی زندگی اس بڑائی کی نفی میں بسر ہو جائے۔ اسلام کی تاریخ میں ایسے عبقری اور نابغہ یا Genius اور Superman کتنے ہیں شاید انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، جن کی عظمت اور بڑائی، آفاقیت اور بے مثالی ہر آنے والے دن کے ساتھ بڑھتی ہی چلی جائے اور جن کی اہمیت اور ضرورت ہر نئی صبح کے ساتھ روز افزوں ہوتی رہے۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی
مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

یعنی ہر چیز کی بنیاد (وقت کے ساتھ) زوال پذیر ہوتی رہتی ہے مگر جس کی بنیاد محبت پر کھڑی ہو وہ دائمی اور لافانی ہوتا ہے۔

میری اس تحریر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں نے مجددین کرام کو نعوذ باللہ کسی نہ کسی طرح انبیاء کرام سے مشابہت دینے کی جسارت کی ہے۔ اگر کوئی یہ مفہوم اخذ کرتا ہے تو بلا شک وشبہ یہ اس کی معنوی تحریف، صریح بددیانتی اور تہمت کے مترادف ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثے ایک دم نہیں ہوتے

دنیا کا کوئی بھی واقعہ ہو یا حادثہ، اس کے پیچھے ایک محکم اور اٹل نظامِ فطرت کام کر رہا ہے، جملہ مہماتِ امور اپنے ضابطے اور قانون کے پابند ہیں۔ جو دلائل یا حوالے میں نے پیش کئے ہیں ان کی حیثیت صرف اور صرف خارجی شواہد یا تکوینی حادثات اور تاریخی وقائع کی ہے۔

عاشورہ کا دن یعنی دس محرم الحرام کی اہمیت یہ ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہِ جودی پر ٹھہری، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار نمرود گلزار ہوگئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے جبر وظلم سے نجات ملی اور وہ دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا اور یہی دن ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کربلا کا حادثۂ فاجعہ پیش آیا۔

قرآن میں شب قدر کی افضلیت ثابت ہے کہ وہ ہزار مہینوں کی راتوں سے افضل ہے، کتب تفسیر وسیر میں تصریح آتی ہے کہ جس رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھا لئے گئے وہ یہی رات تھی۔ (ص. ۲۸۰، جمل مع جلالین، ج. ۱)

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا وہ رات بھی شب قدر تھی۔ (خزائن العرفان) اس کی مثالیں اور بھی بہت ہیں، بہر حال مخصوص دنوں میں کسی واقعہ کا پیش آنا اپنی ایک معنویت ضرور رکھتا ہے مگر ہر شخص کے متعلقہ واقعات کو اس کے مقام ومرتبہ کو سامنے رکھ کر ہی دیکھنا چاہئے۔ ع گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

علوم کی تعداد اور اقسام:

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ مولانا شمس الدین یحییٰ کی شان میں حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کا یہ شعر نقل کیا ہے کہ ۔

سالتُ العلم من احیاك حقا

فقال العلم شمس الدین یحییٰ

(ص ۹۷، اخبار الاخیار، ص ۱۷۷، تاریخ مشائخ چشت، ماثر الکرام)

میں نے علم سے پوچھا کہ تجھے کس نے زندہ کر دیا، علم نے کہا وہ شمس الدین یحییٰ ہیں۔

تاریخ اسلام میں ایسی باوقار شخصیتیں ہر دور میں نظر آئیں گی جنہوں نے واقعۃً علم کو حیاتِ نو بخش دی، بالخصوص علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں غیر معمولی خدمات انجام دیں، ایسی جامع شخصیات بھی ہم کو نظر آئیں گی جو اپنے تبحر اور جامعیت میں کسی عجوبہ اور شاہکار سے کم نہیں ہیں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے متعلق روایت ہے کہ آپ کو ۱۵۰ علوم میں مہارت حاصل تھی۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی)

صاحب نبراس علامہ عبدالعزیز پرہاروی کے متعلق تذکرہ میں آیا ہے کہ آپ کو ۲۷۰ علوم وفنون میں تبحر حاصل تھا، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی سوانح میں مذکور ہے کہ آپ ۱۸۸ علوم جانتے تھے، لیکن جب ہم اعلیٰ حضرت کو پڑھتے ہیں تو وہ علم وفن کی خدمت میں اپنے معاصرین اور متاخرین میں ممتاز نظر آتے ہیں اس کا کچھ اندازہ آپ کے علوم کی تعداد اور اس کی اقسام سے ہوسکتا ہے۔

ابتداءً کہا گیا کہ آپ ۵۰ علوم کے متبحر عالم تھے۔ پھر یہ تعداد ۶۰ پر پہنچی پھر ۷۵ علوم کے چرچے ہوئے۔ مزید تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ کے علوم کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ اب گذشتہ چند سالوں سے جدید انداز سے علومِ رضا پر ریسرچ کا جو کام شروع ہوا ہے اس کے مطابق اعلیٰ حضرت کے علوم کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز ہو کر ۳۰۵ کے قریب پہنچ رہی ہے۔

قرآن عظیم کی شان میں فرمایا گیا لا تنقضی عجائبہ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے ولا یخلق عن کثرۃ الرد بار بار دہرانے سے پرانا نہیں ہوگا بلکہ جتنا دہرایا جائے گا ہر بار نیا معلوم ہوگا ولا یشبع منہ العلماء علماء کبھی اس سے سیراب نہیں ہوں گے یعنی ان کا قرآن سے شغف کبھی ختم نہیں ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام لامتناہی علوم کا سمندر ہے غیر محدود معانی و مفاہیم، حقائق و دقائق، اسرار و رموز اور اشارات ولطائف کا حامل ہے ۔

لہا معان کموج البحر فی مدد

وفوق جوھرہ فی الحسن والقیم

حرف حرفش راست اندر معنیٔ

معنیٔ در معنیٔ در معنیٔ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من اراد العلم فعلیہ بالقرآن جو العلم کو حاصل کرنا چاہے وہ قرآن کا دامن تھام لے...... حضرت مجاہد کا قول ہے:

ما من شیئٍ فھو فی القرآن او فیہ اصلہ قرب او بعد

کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں بیان نہ کی گئی ہو یا اس کی اصل کا ذکر نہ ہو واضح یا مبہم۔ یہ شعر حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے ۔

جمیع العلم فی القرآن لکن

تقاصر عن افھامُ الرجال

تمام علوم قرآن میں ہیں مگر اس کو سمجھنے سے لوگوں کی عقلیں قاصر ہوگئی ہیں۔

جس کو قرآن سے جتنی دلچسپی ہوگی اسی قدر اس کے بے کراں علوم سے بہرہ ور ہوتا چلا جائے گا، ایک مقام پر فرمایا گیا واللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ ق وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا ط ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کرے گا اور تم میں سے کوئی سب سے ناقص عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔ (النحل: ۷۰)

علامہ نظام الدین نیشاپوری نے فرمایا یہ آیت لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین کی نظیر

ہے مگر آگے الا الذین آمنوا کا استثناء ہے۔ (ص. ۲۷۲، نیشاپوری، ج. ۲) اور علامہ آلوسی نے فرمایا یہ آیت ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق کی طرح ہے۔ (ص. ۱۸۷، روح المعانی، ج. ۱۴)

حضرت عکرمہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: من قرأ القرآن لم یصر بھذہ الحالۃ (جلالین)

انسان کا یہ جو حال بیان کیا گیا ہے کہ آخر عمر میں اس کا علم زائل ہو جاتا ہے اس سے حاملین قرآن مستثنیٰ ہیں، جس نے قرآن پڑھا وہ اس حال کو نہیں پہنچتا۔ حضرت ابن عباس سے بھی روایت ہے کہ لیس ھذا فی المسلمین لان المسلم لایزداد فی طول العمر والبقاء الا کرامۃ عنداللہ وعقلاً ومعرفۃ (جمل)

یعنی آخر عمر میں علم زائل یا خراب ہو جانے کی بات مسلمانوں کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ صاحب ایمان کی عمر جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی عقل ومعرفت بھی ترقی کرتی ہے۔ علامہ صاوی نے حاشیہ میں لکھا من قرأ القرآن سے مراد اس پر عمل کرنے والے ہیں۔

ای عاملا بہ وکذلک العلماء العاملون لا یصیرون بھذہ الحالۃ بل کلما ازدادوا فی العمر ازدادوا فی العلم والمعرفۃ والعقل یعنی قرآن پڑھنے سے مراد عمل کرنا ہے اسی طرح علماء عاملین اس حال کو نہیں پہنچتے بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ ان کا علم بھی بڑھتا جاتا ہے اور عقل ومعرفت بھی، مزید فرمایا ولذا قالوا اعلیٰ کلام العارفین ما صدر منھم فی آخر عمرھم (صاوی)

(یعنی) اسی لئے کہا گیا ہے کہ عارفین (علماء حق) کا سب سے اعلیٰ کلام وہ ہے جو ان کے آخری دور کا ہو، میں نے یہ تفصیلات اس لئے بھی پیش کی ہیں کہ علماء تو ہر طبقہ اور ہر جماعت میں ہوتے ہیں لیکن وہ علماء حق کون ہیں اور کن کو براہِ راست قرآن کے ذریعہ علم ملا ہے اور کس کا مسلک و مذہب حق پر قائم ہے اسے آپ خود سمجھ سکیں، ایک طرف اعلیٰ حضرت کی زندگی ان کے علوم ومعارف کے زندہ شواہد ہیں کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے علوم رضا کے نئے نئے گوشے منکشف ہوتے جا رہے ہیں، اور دوسری طرف وہ ہیں جنہیں خود اقرار ہے کہ:

''جو کچھ پڑھا تھا سب بھول بھال گیا۔''

(ص. ۲۸۱، الافاضات الیومیہ، ج. ۴)

''بس اس سے میرے علم واستحضار کا اندازہ کر لیا جائے کہ ایک سال ہو گیا اور مفقود الخبر کے متعلق رسالہ تیار نہ کر سکا''

(ص. ۲۴۶، افاضات ج. ۶)

ع جو لکھا پڑھا تھا ریاض نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

دوسرے حضرت کی سوانح میں ہے ''۱۹۴۷ء کے بعد مولانا ایک صدائے بازگشت تھے ان کا قلم جو کبھی ابر بہاراں اور کبھی برق شرر افشاں تھا سرکاری جلسوں کے لئے تقریریں لکھنے لگا تھا'' (ص. ۶۱۸، فکروفن، از سلام سندیلوی)

''یہ تصانیف دراصل اس وقت کی ہیں جب........ کی شخصیت کا مرکزی حصہ کمزور پڑ چکا تھا۔'' (ص. ۶۱۸، ایضاً)

''قدرت نے جسے امامت کے لئے چنا تھا وہ اب محض ایک وزیر تعلیم تھا۔'' (ص. ۶۱۹، ایضاً)۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

اب بغیر کسی تفصیل اور وضاحت کے اعلیٰ حضرت کے علوم کی اقسام کو ذکر کئے دیتا ہوں:

(۱) درجنوں وہ علوم ہیں جن کو آپ نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا۔
(۲) کتنے ہی علوم وہ ہیں جن کو بغیر اساتذہ کے محض اپنی اخاذ طبیعت اور ذہانت وفطانت کے بل بوتے پر سیکھا۔
(۳) کثیر تعداد ان علوم کی ہے جن پر آپ نے اپنی بصیرت ومہارت سے اضافے فرمائے۔
(۴) چند علوم وہ ہیں جو پہلے فنی طور پر مدون نہیں تھے آپ نے ان کو مدون فرمایا۔
(۵) ان میں وہ علوم آتے ہیں جو مٹ چکے تھے، آپ نے ان کا احیاء فرمایا۔
(۶) چھٹی قسم ان علوم کی ہے جن کو آپ نے خود ایجاد فرمایا ہے۔

صفحات کی تعداد:

حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول آپ کے لکھے ہوئے صفحات کی تعداد ایک لاکھ ۲۰ ہزار سے زیادہ ہے اور بعض محققین کے مطابق یہ تعداد ۱۶ لاکھ تک پہنچتی ہے، موجودہ دور میں مولانا مودودی صاحب کثرتِ تصانیف میں خاصے معروف ہیں لیکن ان کی کل مستقل کتابیں جو ۶۸ سے کچھ کم وبیش ہیں ان کے صفحات کی کل تعداد بھی ۱۸۵۰۰ اٹھارہ ہزار پانچ سو سے متجاوز نہیں ہے۔

گذشتہ صدی میں دوسرے بھی کئی اہلِ قلم گزرے جنہوں نے بکثرت اپنی تصانیف چھوڑی ہیں لیکن ان کا یہ حال ہے کہ دو چار قابل قدر تصانیف کے بعد ان کا کل کا کل دفتر بھرتی کا معلوم ہوتا ہے۔ ان کے یہاں کیفیت کی جگہ کمیت اور معیار سے زیادہ ضخامت پر زور ہے۔ ان مصنفین کی کچھ کتابوں میں تو محنت معلوم ہوتی ہے مگر پھر بعد کی کتابوں میں وہ معیار برقرار نہیں اس لئے میں یہاں ان کا حوالہ دینا مناسب نہیں سمجھتا۔

جبکہ اعلیٰ حضرت کی انفرادیت یہ ہے کہ آپ اپنے ابتدائی دور کی تصانیف سے لے کر آخری دور کی تحقیقات تک ہر ہر تصنیف میں چاہے وہ جس علم وفن میں ہو باعتبار معیار اس عظیم ترین سطح پر نظر آتے ہیں، جہاں تک اسلام کے مشاہیر علماء ومفکرین میں سے معدودے چند افراد ہی پہنچ سکے ہیں اور بلا شک وشبہ یہ دعویٰ انہی کی زبان کو سجتا ہے۔ ع

منم کہ علم بہ نیروئے بازویم نازد

میں وہ ہوں کہ علم میرے زور بازو پر ناز کرتا ہے

اور ہماری عقیدتوں کو اصرار ہے کہ وہ بھی بصد اعتقاد یہ کہیں۔

ہر علم و فن کی شاہی تم کو رضا مسلّم

جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

اعلیٰ حضرت نے تو صرف ملک سخن کی شاہی کا ذکر کیا تھا مگر یہ ان کی کسر نفسی تھی۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مفتی شریف الحق امجدی کی بیان کی ہوئی تعداد اور دوسرے محققین کی ذکر کی گئی تعداد میں یہ فرق کیسے ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ مفتی امجدی صاحب نے آپ کی اب تک کی مطبوعہ کتابوں کے صفحات کا شاید ذکر کیا ہے اور دیگر لوگوں نے آپ کی جملہ تصانیف کے ممکنہ صفحات کی تعداد کو۔ میرے خیال میں یہی دوسری بات زیادہ صحیح ہے بالفرض اگر ایسا نہ بھی ہو تو عرض یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ہر کتاب علم وتحقیق کی بلند ترین کسوٹی پر پوری اترتی ہیں۔ اور۔

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے

جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آئے

کے مصداق آپ کی ہر تحریر میں اس قدر مواد ہوتا ہے کہ محقق عصر علامہ محمد احمد مصباحی (پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) کے بقول: "اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے ۲۰ صفحات بڑے بڑے مصنفین کے ۲۰۰ صفحات پر بھاری ہوتے ہیں۔"

ممتاز دانشور کوثر نیازی نے تو یہاں تک کہا تھا:

"اعلیٰ حضرت کی بعض محققانہ تصانیف اس بلند معیار کی ہیں کہ ان کا ایک ایک صفحہ موجودہ دور کے ذوق اور ضرورت کے مطابق (مالہ وماعلیہ کے ساتھ) پیش کیا جائے تو ایک ایک کتاب تیار ہو جائے۔"

اور آپ کی شاعری کے متعلق کہا تھا: "اس کے ایک ایک شعر پر مبسوط کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔"

اعلیٰ حضرت نے فلسفہ کے رد میں "الکلمۃ الملہمہ" لکھی آخر میں خود فرمایا:

"اس ضروری مسئلۂ دینی پر کلام بحمد اللہ تعالیٰ ہماری کتاب کے خواص سے ہے اور ایک یہی کیا بفضلہ تعالیٰ اس ساری کتاب میں معدود مباحث کے سوا عام ابحاث وہی ہیں کہ فیضِ قدیر سے قلب فقیر پر فائز ہوئیں اور یہی ایک کتاب نہیں بعونہٖ عزوجل فقیر کی عامۂ تصنیفات افکار تازہ سے مملو ہوتی ہیں۔" (الکلمۃ الملہمہ)

علم قرآن وتفسیر:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تاریخ اسلام کے مشاہیر مصنفین کے اس عظیم طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو علم وتحقیق میں اپنا الگ معیار، زبان

وبیان کے لحاظ سے اپنی الگ پہچان اور تصنیف وتالیف کی دنیا میں اپنا مخصوص مزاج اور منفرد شان رکھتے ہیں۔

وہ عام مصنفین کی طرح مختلف موضوعات پر زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کر لینے کے عادی نہیں ہیں، نہ ہی ایسے موضوعات کو منتخب کرتے ہیں جن پر پچھلے مصنفین پہلے ہی کام کر چکے ہیں، بلکہ قلم اس وقت اٹھاتے ہیں جب اس کی واقعی ضرورت ہوتی ہے۔محی الدین ابن عربی کا قول ہے کہ: اگر ہم تصنیف نہ کرتے تو جل جانے کا اندیشہ تھا۔

اب تو مصنف بننے اور کہلوانے کے شوق میں حال یہ ہوگیا ہے کہ:

''آج کل کے لوگ ہمزاد کے لکھے پر دستخط کر کے مصنف بن بیٹھتے ہیں، آخر جو طریقہ بچوں کی پیدائش کے لئے حرام ہے کتابوں کی تصنیف کے لئے کیوں کر حلال ہوسکتا ہے؟'' (ص. ۲۱۲، آواز دوست)

اکثر یہ خیال سامنے آتا ہے کہ جس طرح آپ نے دیگر علوم میں بیش بہا تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں اس طرح علم تفسیر میں کوئی کتاب کیوں نہ لکھی؟ اگر آپ چاہتے تو دس بیس نہیں بلکہ سینکڑوں مجلدات پر مشتمل تفسیر سامنے آسکتی تھی، مگر ایسا کیوں نہ ہوا؟ اس کا جواب بھی بہت واضح ہے۔ اعلیٰ حضرت کا یہ ڈھنگ ہی نہ تھا کہ ضرورت بے ضرورت ورق سیاہ کرتے چلے جائیں یا پچھلے مصنفین کا ساختہ پرداختہ اپنے نام سے جمع کر دیں۔

دراصل اعلیٰ حضرت کی عظمت یہی ہے کہ آپ نے جو کچھ لکھا ضرورت کے تحت لکھا، جتنا لکھا اپنی انفرادی شان اور مخصوص طرز تحقیق میں لکھا۔موضوع وہ منتخب کئے جو کسی نے نہ چھوئے تھے، اس لئے ان کا ہر فرمان مستند، ہر تحقیق معتبر اور ہر تحریر معیاری ہے، جس سے بلندتر کا خیال بھی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔

(۱) جہاں تک آپ کی قرآن فہمی اور تفسیر میں آپ کے تبحر کی بات ہے تو عالم یہ ہے کہ آپ جس موضوع اور عنوان کو چاہتے اسے صرف اور صرف قرآن کی آیات سے ثابت فرما دیا کرتے تھے، افضلیت شیخین کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ نے صرف آیات قرآنیہ اور اس کے دلائل سے منتهى التفصيل في مبحث التفضيل کے نام سے غالباً ۴ رجلدوں میں تحریر فرمایا۔ پھر آپ نے اس عظیم وضخیم کتاب کا اختصار بھی کیا جو دو جلدوں میں مطلع القمرين في ابانة سبقة العمرين کے نام سے موسوم ہے۔

(۲) مولانا اطہر نعیمی اپنے والد شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد عمر نعیمی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

''فاضل بریلوی تقریر بہت ہی کم فرمایا کرتے تھے۔ سال میں صرف تین (خصوصی) تقریریں معمولات میں شامل تھیں لیکن یہ تمام تقریریں سورۂ فتح کی پہلی آیات پر ہوتی تھیں اور ہر مرتبہ نئے نکات بیان فرماتے کیوں کہ آپ علم کا بحر ذخار و ناپیدا کنار تھے۔'' (ص. ۷۰، معارف رضا ۱۴۰۱ھ)

(۳) محب رسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کے عرس میں ایک بار آپ تشریف لے گئے وہاں ۹ ربجے صبح سے ۳ ربجے تک کامل چھ گھنٹہ سورۂ والضحیٰ پر تقریر کی اور فرمایا اس سورۂ مبارکہ کی کچھ آیات کی تفسیر ۸۰ رجز لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن حکیم کی تفسیر لکھ سکوں۔ (ص. ۹۷، حیات اعلیٰ حضرت)

(۴) موجودہ دور میں ایک صاحب نے قرآن کی تفہیم لکھی اور پورے تیس سال صرف ہو گئے پھر بھی اس میں نہ جانے کتنی خامیاں اور غلطیاں رہ گئیں۔

اعلیٰ حضرت نے برجستہ زبانی بغیر کسی اہتمام کے قرآن پاک کا ترجمہ فرمایا اور آج تک کسی ایک مقام پر بھی کوئی غلطی ثابت نہ ہوسکی۔ ترجمہ کیا ہے ایک جامع مکمل تفسیر ہے، سینکڑوں تفاسیر کا عطر مجموعہ۔

اعلیٰ حضرت کے ترجمہ اور دیگر تراجم کے تقابل میں زبان وبیان کے اعتبار سے تو درجنوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر ترجمہ کے اصل مقام ومرتبہ اس کی تفسیری خصوصیات پر اب تک کام نہیں ہوا۔ میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ اس کے ایک ایک صفحہ پر مستقل عنوان کے تحت ضخیم کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔

(۵) آپ نے فرمایا

ع قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

اندازہ کیجئے کہ ہزاروں کی تعداد میں آپ نے نعتیہ اشعار لکھے ہیں، محبوب رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت، اوصاف و کمالات، فضائل و خصائص کس چیز کا اس میں ذکر نہیں ہے، مگر فرماتے ہیں یہ سب قرآن سے ماخوذ و مستفاد ہے۔

بہر حال، اگر آپ ایک مسئلہ افضلیت شیخین پر ۴؍جلدیں تحریر فرما سکتے ہیں، ایک سورۃ کی بعض آیات پر ۲۵۰۰؍صفحات (۸۰؍جز) لکھ سکتے ہیں اور ۵۰؍سال تک صرف ایک آیت پر تقریر فرما سکتے ہیں تو اگر پورے قرآن کی تفسیر فرماتے تو کتنی ضخیم ہوتی؟ شاید ایک ایک سورۃ کی تفسیر موجودہ دور کی بڑی بڑی تفاسیر سے بھی بڑھ کر۔

علم حدیث میں عبقریت:

اپنے دور کے عظیم محدث مولانا وصی احمد محدث سورتی جن کو پوری بخاری شریف زبانی یاد تھی، ایک بار آپ سے محدث اعظم ہند مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ علم حدیث میں اعلیٰ حضرت کا مقام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے امیر المومنین فی الحدیث تھے یعنی آپ اپنے دور کے سب سے بڑے ماہر حدیث تھے، آپ سے بڑھ کر احادیث کا جاننے والا کوئی نہ تھا، آخر اس شخص سے بڑھ کر عالم حدیث اور کون ہوسکتا ہے جو اپنی زبانی گفتگو میں بھی ہر مسئلے پر برجستہ حدیث پڑھ کر اس کے مخارج کا پتہ بتا سکتا ہو جب اور جہاں ضرورت ہو حدیث کے متعلقہ علوم پر بحث کر سکتا ہو۔ آپ کے ملفوظات اس کے گواہ ہیں جس کا جی چاہے اٹھا کر دیکھ لے۔

آپ کی تصانیف میں (بالخصوص جن موضوعات پر پہلے کام نہیں ہوا تھا) درجنوں بلکہ سینکڑوں کے حساب سے احادیث کا ذخیرہ موجود ہے۔ حدیث کی مآخذ کتابوں کے حوالہ جات پیش کرنے میں یہ حال تھا کہ ضرورت پڑنے پر ۲۰، ۳۰ ؍اور ۴۰، ۴۰؍ بلکہ اس سے بھی زیادہ حوالہ جات پیش کر دیا کرتے تھے۔

حدیث کے متعلقہ علوم جن کی تعداد ایک سو کے قریب ہے محققین کی رائے میں آپ کو ان تمام میں مہارت تامہ حاصل تھی، اپنی کتاب ''انباء الحی'' میں اس بحث پر کہ قرآن کی بہت سی آیات شعر کے اوزان پر بھی پوری اترتی ہیں آپ نے لکھا ہے کہ علماء نے آیات قرآنیہ کے حوالے دیئے ہیں، میں احادیث سے بھی اس کا ثبوت دیتا ہوں۔ پھر ایک سو سے زیادہ احادیث نقل کر کے یہ بھی بتایا کہ کون سی حدیث کس وزن اور کس بحر میں ہے، تخریج حدیث کے اصول و ضوابط صدیوں سے غیر مرتب تھے۔ آپ نے ان کو الروض البهيج في اداب التخريج میں مدون فرمایا یہاں تک کہ تذکرہ علماء ہند کے مؤلف مولوی رحمٰن علی کو کہنا پڑا کہ اگر پچھلے علماء کے یہاں تخریج حدیث کے اصول و ضوابط پر باقاعدہ کتاب نہیں ہے تو اعلیٰ حضرت کو اس فن کا موجد کہنا چاہئے۔

علم فقہ:

آدمی جب تک سارے علوم عقلیہ ونقلیہ میں باکمال نہ ہو فقہ میں ناقص ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ہر علم میں کمال حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کا یہ وصف تفقہ آپ کے دیگر اوصاف علمیہ میں سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ اس فن میں آپ کے عجائبات علمیہ اور تحقیقات نادرہ اس قدر کثیر و وافر ہیں کہ اپنے ہوں یا غیر معتقد ہوں یا منکر ان کو بھی اس سے انکار نہیں بلکہ آپ کے دیگر کمالات علمیہ کا انکار کرنے والوں کو بھی اس کمال کا اعتراف کرتے ہی بنی۔ علمی ابحاث اور فنی تحقیقات کے پیش کرنے کی یہاں گنجائش نہیں اس لئے۔

فخر کرنے کی ضرورت نہیں اپنے فن پر
اس کو تنقید نگاروں کے حوالے کر دو

کے مطابق میں علماء دیوبند سے چند انصاف پسند حضرات کے تاثرات اور آپ کی فقہی عظمتوں سے غیر معمولی انداز میں متاثر ہونے والے چند علماء و فضلاء کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

اذا اتتك مذمتي من ناقص
فهي الشهادة لي انی فاضل

یعنی اگر ناقص میری مذمت کرتا ہے تو یہ میرے فاضل ہونے کی شہادت ہے۔ اگر ناقصوں کی مذمت کرنا فاضل ہونے کی دلیل ہے تو

جس کے آستانہ علمیہ پر اپنے اپنے فن کے تمام کاملین بیک وقت جھکے ہوئے نظر آئیں اس کے کمال اور عظمت کو ہم اور آپ کیا سمجھ سکتے ہیں، اس کے ہم عصر تو بہت تھے مگر ہمسر کوئی بھی نہ تھا۔

مولانا نظام الدین فقیہ احمد پوری (جو تفقہ میں اپنے ہم عصر علماء دیوبند میں فائق تھے) کے سامنے جب رسائل رضویہ سے چند مسائل فقہیہ سنائے گئے تو برملا یہ کہا: ''علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔'' (ص۔۲۱۶، امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات)

اسی طرح مولوی یوسف بنوری بانی دار العلوم بنوری ٹاؤن کراچی کے والد مولوی زکریا پشاوری نے ایک سنی عالم سے ''فتاویٰ رضویہ'' کی جلد اول مطالعہ کے لئے مستعار لی، بعد مطالعہ ان تعریفی کلمات کے ساتھ کتاب واپس کی کہ: ''اگر احمد رضا خان بریلوی ہندوستان میں فقہ حنفی کی خدمت نہ کرتے تو حنفیت شاید اس علاقے سے ختم ہو جاتی۔'' (ص۔۹۶، امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات)

ممتاز صحافی تاج محمد صدیقی لکھتے ہیں کہ زکریا پشاوری یہ فرمایا کرتے تھے ''اگر اللہ تبارک و تعالیٰ ہندوستان میں احمد رضا خان بریلوی کو پیدا نہ فرماتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہو جاتی'' (ص۔۱۰۰، فاضل بریلوی اور ترک موالات)

مناظر اعظم مولانا حشمت علی خان لکھنوی پہلے دیوبندیوں کے ایک مدرسہ میں طالب علم تھے وہاں کے دیوبندی علماء کے زیر اثر علماء اہلسنّت اور ان کی علمی خدمات کے کچھ ایسے معترف نہ تھے مگر ایک دن آپ کو اعلیٰ حضرت کا ایک رسالہ مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے تمام شکوک دور اور غلط فہمیاں کافور ہو گئیں اور آپ باقاعدہ اکتساب علم کیلئے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ مجدد برحق کی نگاہِ کیمیا اثر کا کرشمہ کہ انہی حشمت علی خان نے اپنی پوری زندگی فرق باطلہ وہابیہ دیوبندیہ کے ساتھ مناظرہ میں گزار دی اور بیشۂ اہلسنّت کے اس شیر سے گھبرا کر بڑے بڑے سورماؤں مثلاً منظور نعمانی وغیرہ کو مناظرہ سے توبہ کرنے ہی میں عافیت نظر آئی۔

سگ ہوں میں عبید رضوی غوث و رضا کا
آگے سے مرے بھاگتے ہیں شیر ببر بھی

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بھی پہلے دیوبندی مدرسہ میں پڑھتے تھے۔ تصویر کے حکم پر اعلیٰ حضرت کا رسالہ عطایا القدیر فی حکم التصویر پڑھنے کے بعد آپ کے خیالات یکسر بدل گئے اور اعلیٰ حضرت کے ایسے والہ و شیدا بن گئے کہ ان کی کوئی تقریر یا تحریر اعلیٰ حضرت کے ذکر اور تحقیقات رضویہ کے تذکرہ سے خالی نہیں ملتیں، خود فرماتے ہیں: سچ یہ ہے کہ اس ایک رسالہ نے میری ذہنی اور اعتقادی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ (حیاتِ سالک، ص۔۴۱۱، امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات)

فن میراث کے عظیم ماہر سراج الفقہاء مولانا سراج احمد خانپوری عام دیوبندی علماء کی طرح علماء اہلسنّت سے متنفر تھے بلکہ انہیں جاہل سمجھتے تھے، علم میراث میں ایک رسالہ تصنیف فرما رہے تھے کہ ان کو ذوی الارحام کی صنف رابع میں کچھ الجھن پیش آئی اس کی تحقیق کیلئے آپ نے دیوبند، سہارنپور اور دہلی تینوں جگہوں پر استفتاء کیا، کہیں سے خاطر خواہ جواب نہ آیا جس پر آپ نے اعلیٰ حضرت کو بھی وہ استفتاء بھیجا، اعلیٰ حضرت نے جو جواب عطا فرمایا خود سراج الفقہاء کی زبانی سنیے:

''حضرت کے وسعت علم و فہم پر قربان جائیے کہ مسئلہ کا ایسا حل فرمایا کہ تمام اختلافات کتب اور میرے شکوک و شبہات رفع ہو گئے اور دیگر فوائد علمیہ کثیرہ پر مشتمل پایا جس سے علماء متقدمین کی یاد تازہ ہو گئی۔'' (سوانح سراج الفقہاء)

اور اتنا ہی نہیں ''فتویٰ میراث میں مجھے سائل فاضل ہداہُ اللہ کا خطاب دے کر دعا فرمائی جو میری ہدایت کا سبب بنی کہ وہابیت جو وہابی استادوں کی شاگردی سے ملی تھی اسی وقت سے جاتی رہی۔''

علوم عقلیہ:

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ
ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

اعلیٰ حضرت نہ صرف علوم دینیہ کے ہر شعبہ میں مہارت تامہ

رکھتے تھے بلکہ فنون عقلیہ، منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، نجوم، ارثماطیقی، جفر اور سائنس وغیرہ میں بھی امامِ وقت تھے۔ ریاضی میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کو ایک علمی الجھن پیش آئی تو آپ نے محض چند منٹوں میں اسے حل فرمادیا یہ دیکھ کر ڈاکٹر ضیاء الدین نے کہا تھا:

''اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی ہو، اللہ نے ایسا علم دیا کہ عقل حیران ہے، صحیح معنوں میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔'' (ص۔۶۰، اکرام امام احمد رضا)

اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر مولوی حاکم علی حرکت زمین کے مسئلے پر بحث و تحقیق کے لئے باقاعدہ بریلی شریف حاضر ہوتے اور عملاً سائنسی تجربات بھی فرماتے رہے ہیں۔

امام غزالی نے تہافۃ الفلاسفہ میں فلسفۂ قدیمہ کے ۲۰؍ مسائل پر ردوقدح کی ہے۔ الکلمۃ الملہمہ میں اعلیٰ حضرت نے ۱۳۱؍ مسائل پر اپنی تحقیقات عالیہ پیش فرما کر فلسفہ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں، فقہ حنفی کے بہت سے مسائل ایسے تھے کہ زمانے کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے جدید علوم کے ذریعہ ان احکام کی مطابقت کرنی لازمی تھی۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت کا کارنامہ اتنا عظیم ہے کہ فقیہ اسلام کے مصنف لکھتے ہیں:

''علم ریاضی سے اعلیٰ حضرت نے علم فقہ کی جتنی خدمت کی ہے، پوری تاریخ اسلام میں ایک مثالی کارنامہ ہے مثلاً سمت قبلہ، طلوع و غروب، اوقاتِ صوم وصلوٰۃ کی تخریج، زکوٰۃ وفطرہ کیلئے اوزان و پیمانہ کا تعین، مسافت سفر کی تقدیر وغیرہ بے شمار مسائل پر آپ کی نادر تحقیقات اور ایجادی قواعد وضوابط نے فقہ اسلامی میں ایک مہتم بالشان باب کا اضافہ کیا ہے۔'' (ص۔۳۳۰، فقیہ اسلام، مطبوعہ کراچی)

شعر وادب:

غالب نے اپنے بارے میں کہا تھا۔

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

میری یہ مرضی نہیں تھی کہ میں شاعر بنوں بلکہ شعر وادب نے خود چاہا کہ میں انہیں اپنا فن بناؤں۔

عربی کا ایک مقولہ ہے لکل فن رجال یعنی ہر فن کے خاص خاص آدمی ہوتے ہیں، جسے صرف ایک ہی فن سے مناسبت ہو اور اسی حوالہ سے اس کی پہچان بھی ہو۔ وہ اگر یہ دعویٰ کرتا ہے تو یقیناً اسے زیب نہیں دیتا۔ شعر وشاعری ہی غالب کی پوری عمر کا مایۂ امتیاز ہے۔ ہاں وہ ذات جس نے اپنی حیات میں ۲۰۰؍ سے زیادہ علوم وفنون میں ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ کتب ورسائل کے ذریعہ اپنی علمی تحقیقات کے دریا بہادیئے ہوں، وہ اگر یہ دعویٰ کرتا تو مانا بھی جاتا، ادب برائے ادب کبھی آپ کا مقصود اور مطمح نظر نہیں رہا نہ ہی آپ کو اس کی فرصت تھی، قرآن کی تفسیر کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں اس کے باوجود ذات رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے پایاں محبتوں میں ڈوب کر اپنے جذبات کا اظہار فرمایا اور آقا کی ثناء خوانی کرتے ہوئے نعتیہ شاعری کے جو جواہر پارے دنیا کو عطا فرمائے نامور محقق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (سندھ یونیورسٹی حیدرآباد) کے بقول:

''اول تا آخر انتخاب ہی انتخاب ہے''

اور کیوں نہ ہو کہ اعلیٰ حضرت کی شاعری فکر وفن کے مسلمہ پیمانوں سے ناپی جانے والی شئے نہیں ہے، میر سے لے کر جگر تک اردو کے تمام اکابر شعراء کے فنی محاسن کا جلوہ پورے فکری اور فنی التزام کے ساتھ اگر ایک جگہ دیکھنا ہو تو حدائق بخشش کو دیکھو۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

یہاں میر کا درد بھی ہے، غالب کا تفکر وتعمق بھی، مومن کی شائستہ نظری بھی ہے، سودا کا خلاق ذہن بھی، درد کی عارفانہ سادگی بھی ہے، ذوق کی زباندانی بھی، اقبال کی فلسفیانہ گہرائی بھی ہے، حالی کا استغاثہ بھی، جگر کی والہانہ ربودگی بھی ہے، فانی کی شعریت بھی، حسرت کی واقعیت بھی ہے، اصغر کی معرفت پسندی بھی۔

(وسیم بریلوی)

آپ نے نہ صرف اردو میں شعر کہے بلکہ فارسی، عربی اور پوربی زبانوں کو بھی نوازا۔ عربی زبان میں قدرت کا یہ عالم تھا کہ ایک قصیدہ ۳۰۰ر اشعار میں لکھا اور ایک قافیہ بھی مکرر نہ آنے پایا۔ (ص۔ ۱۴، انتخاب حدائق بخشش، از ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

اور اردو کی تنگ دامانی تھی کہ ۱۴۳ر اشعار مسلسل لکھے اور تکرار نہ ہوئی۔ انگریز مفکر کا قول نابغہ ہر حال میں اور ہر نقطہ پر نابغہ ہوتا ہے۔ پہلے نقل کر آیا ہوں، شعر و ادب کی دنیا میں بھی اعلیٰ حضرت ایک عبقری کی شان سے جلوہ گر ہیں۔

مشہور محقق فاضل مشرقیات علامہ شمس بریلوی نے ادبی اور تنقیدی جائزہ لیا تو اس میں اعلیٰ حضرت کی درجن سے زیادہ "اوّلیات" کو تسلیم کیا، ایک اور فاضل نے دوسرے حوالے سے کام کیا تو معلوم ہوا کہ حدائق بخشش میں ۱۱۴ر فنون کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

علامہ کوثر نیازی نے سلام رضا کو دیکھا تو فرمایا "تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف، دوسری طرف احمد رضا کا سلام، اس کا پلڑا پھر بھی بھاری رہے گا، جو قدرت وندرت اس سلام میں ہے کسی زبان کی شاعری کے کسی شہ پارے میں نہیں اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔"

علامہ فیض احمد اویسی نے حدائق بخشش کی شرح کا کام شروع کیا ۲۵ر جلدیں لکھ ڈالیں مگر شرح مکمل نہ ہوئی، میرا تو خیال ہے کہ حدائق بخشش کی شرح کسی ایک عالم و فاضل اور شخص واحد کے بس کی بات ہے ہی نہیں کیونکہ شرح ہو یا تنقید اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شارح خود صاحب کتاب سے علم وفضل میں فزوں نہ ہو۔

عام طور سے حدائق بخشش کے دو حصے ہی معروف و مقبول ہیں مگر درحقیقت اعلیٰ حضرت کا کلام پانچ مجلدات میں ہے ۳ر اردو، ار فارسی، ار عربی میں آپ کا عربی کلام حال ہی میں لاہور سے ۴۰۰ر صفحات پر مشتمل بساتین الغفران کے نام سے چھپ گیا ہے۔

ہے مرے زیر نگیں ملک سخن تا بہ ابد
میرے قبضہ میں اس خطہ کی چاروں سرحد

اپنے ہی ملک سے تعبیر ہے ملک سرمد
ہے تصرف میں مرے کشور نعتِ احمد

اعلیٰ حضرت کے ہمہ پہلو عالمگیر اثرات:

عظیم شخصیتوں کی تین قسمیں ہیں، کچھ بڑے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں بجائے خود ایک بے پناہ قوت ہوتے ہیں مگر دوسروں کیلئے مؤثر قوت نہیں بن پاتے وہ اپنے فکر وفن کو اپنے ہم عصروں تک منتقل نہیں کر پاتے۔

اس کے برعکس کچھ مشاہیر ایسے ہوتے ہیں جو خود کوئی کارنامہ انجام نہیں دیتے مگر اپنی نسل کیلئے مؤثر قوت ثابت ہوتے ہیں ان لوگوں کے وجود سے دوسروں کے دل و دماغ میں تخلیق و اکتساب کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ ان شخصیتوں کی عظمت یہی ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں کو کچھ کر گزرنے کی ترغیب دیں، لیکن بڑے لوگوں کی ایک تیسری قسم بھی ہے۔ اس قسم کے لوگ بڑی جید اور مؤثر شخصیت کے مالک ہوتے ہیں وہ نہ صرف اپنی ذات میں تخلیقی اور اختراعی توانائیاں رکھتے ہیں، بلکہ ان کے اندر یہ قوت ہوتی ہے کہ نہ صرف اپنے معاصرین کی قابلیتوں کو نئے انداز سے متاثر کرتے ہیں بلکہ نسلاً بعد نسل ہر زمانہ اور ہر عصر کے ہونہار اور قابل لوگ ان کے یادگار کارناموں سے فکر و بصیرت، ہمت اور ولولہ اور نئے آفاق پر کمندیں ڈالنے کا فن سیکھتے ہیں۔

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اکابر رجال کی اس تیسری برادری اور مشاہیر فکر وفن کی اس بزم میں اپنا نمایاں مقام رکھتے ہیں، جس طرح آپ کے فکر وفن میں کامل نظم وضبط، تنوع اور جامعیت، گہرائی اور گیرائی، آفاقیت اور دوام پایا جاتا ہے۔ اپنی خدمات اور عملی جدوجہد میں بھی آپ نے نہ صرف اپنے دور کی ضرورتوں کا ہی لحاظ رکھا بلکہ اسلامیان ہند بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے مستقبل اور ان کی ہمہ پہلو ضرورتوں کا بھی سامان فراہم کر دیا جس کا نتیجہ ہے کہ دینی خدمات کے

ہر شعبے، عصری علوم کے ہر میدان میں چاہے وہ علم قرآن و تفسیر ہو یا حدیث اور فنون حدیث، تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، تحقیقاتِ مسائل حاضرہ، مناظرہ یا خطابت، سیاست ہو یا جماعتی و مسلکی تنظیم کے مسائل آپ نے اپنے تلامذہ اور خلفاء کی جماعت کو منظم کرکے پھر ان کی ایسی زبردست تربیت فرمائی اور ہر ایک کو ان کے لائق خدمات تفویض کرکے میدان میں اتارا جو جس میدان میں آیا امام وقت کہلایا، جس خدمت کا بیڑہ اٹھایا انقلاب برپا کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کہتے ہیں: اکثر بزرگوں کے خلفاء (اور تلامذہ) میں چند ہی چمکتے ہیں، سب کے سب نہیں چمکتے، لیکن فاضل بریلوی کے بیشتر خلفاء علم و عمل کے درخشاں آفتاب نظر آتے ہیں۔ اس سے خود فاضل بریلوی کی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عظیم انسان ہی عظیم تاثیر رکھتے ہیں۔

افتاء:

خود اعلیٰ حضرت بریلوی نے قریب ۵۵ سال تک اپنے فتاویٰ اور کتب و رسائل کے ذریعہ دین کی مسلسل خدمت انجام دی اور آج بھی فقہ حنفی کے عظیم ترین شاہکار ''فتاویٰ رضویہ'' کے ذریعہ ملت اسلامیہ زندگی کی ہر ضرورت میں بہترین رہنمائی حاصل کررہی ہے، یہ فتاویٰ ہر دارالافتاء کی اولین ضرورت ہیں، جہاں جہاں احناف بستے ہیں ان ممالک کی عدالتوں میں بھی فتاویٰ رضویہ فقہ حنفی کے مسائل کا ریفرنس بنا ہوا ہے۔

آپ کے بعد آپ کے خلف اصغر مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۰ سال سے زیادہ لاکھوں کی تعداد میں فتاویٰ جاری فرمائے جن کو اگر مرتب کردیا جائے تو سینکڑوں جلدیں تیار ہو جائیں۔ آج بھی یہ سلسلہ دارالافتاء رضویہ کے صدر نشین تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری کی ذات سے مسلسل جاری ہے۔

یہ سلسلہ اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے تیار کردہ افراد اور مفتی اعظم ہند کے فیض یافتہ مفتیان کرام کا سرسری جائزہ لینے میں بھی کئی سو افراد کا تذکرہ کرنا پڑے گا۔ پاکستان میں آپ کا یہ فیض مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد لاہوری کے ذریعہ عام ہوا آپ کے تلامذہ میں سے مولانا نوراللہ بصیر پوری زندگی بھر افتاء کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔

چند ممتاز کتب فتاویٰ کے اسماء ملاحظہ ہوں:

فتاویٰ رضویہ	امام احمد رضا بریلوی
فتاویٰ مصطفویہ	مفتی اعظم ہند
فتاویٰ امجدیہ	صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی (۴ رجلد)
فتاویٰ ملک العلماء	علامہ ظفرالدین بہاری
فتاویٰ نعیمیہ	مفتی احمد یار خان نعیمی
فتاویٰ اجملیہ	مفتی محمد اجمل سنبھلی (۶۰۰۰ رصفحات میں)
فتاویٰ فیض الرسول	مفتی جلال الدین احمد امجدی
فتاویٰ نوریہ	مولانا نوراللہ بصیر پوری (۶ رجلد)

علم حدیث:

اعلیٰ حضرت کے ممتاز شاگرد ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری نے فقہی ابواب کی ترتیب پر ہزاروں صفحات پر مشتمل چھ ضخیم جلدوں میں فقہ حنفی کی مؤید احادیث کا مجموعہ صحیح البہاری کے نام سے تالیف فرمایا، جس پر دنیائے احناف جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

فتاویٰ رضویہ اور تصانیف اعلیٰ حضرت میں بیان فرمودہ احادیث کو مرتب کرکے ابھی حال ہی میں ہندوستان کے دو فاضلوں نے کئی کئی مجلدات پر مشتمل حدیث کے دو مجموعے مرتب کئے ہیں۔

الجامع الرضوی (۶ رجلد) ملک العلماء بہاری

جامع الاحادیث (۱۰ رضخیم جلدوں میں ہے) مولانا محمد حنیف خان رضوی بریلوی

امام احمد رضا اور علم حدیث (۳ رجلدیں) مولانا محمد عیسیٰ رضوی

شروح حدیث کے میدان میں بھی بڑے عظیم کام ہوئے۔ چند کے نام ملاحظہ ہوں، علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی نے بشیر القاری شرح بخاری لکھی۔

محدث اعظم پاکستان کے تلمیذ مولانا غلام رسول رضوی نے تفہیم

البخاری کے نام سے ۱۰؍ جلدوں میں شرح لکھی۔

صدر الافاضل کے تلمیذ مفتی احمد یار خان نعیمی نے مرآۃ شرح مشکوٰۃ ۸؍ جلدوں میں مرتب فرمائی۔

مفتی اعظم پاکستان کے خلف الرشید علامہ سید محمود احمد رضوی نے ۵؍ جلدوں میں فیوض الباری ایک مفید شرح تحریر فرمائی۔

صدر الشریعہ کے شاگرد مفتی شریف الحق امجدی نے ۶؍ ضخیم جلدوں میں بخاری کی شرح نزہۃ القاری لکھی

حال ہی میں علامہ غلام رسول سعیدی کی شرح مسلم ۷؍ ضخیم جلدوں میں منظر عام پر آئی ہے۔

عالم عرب میں اعلیٰ حضرت کے مجاز علامہ سید عبدالحی بن عبدالکبیر الکتانی علم حدیث میں ۶۰؍ سے زیادہ وقیع کتابوں کے مؤلف و مصنف گزرے ہیں۔

تفسیر قرآن:

اعلیٰ حضرت اپنی ذات میں ایک تحریک اور ادارہ تھے آپ نے امت مسلمہ کو قرآن پاک کا صحیح ترین ترجمہ کنزالایمان کی صورت میں عطا فرمایا۔ آپ کے بعد علماء اہلسنّت میں ترجمۂ قرآن کے دو سلسلے چلتے ہیں اور دونوں ہی کنزالایمان کے زیر اثر کئے گئے ہیں۔

(۱) مستقل تراجم: کنزالایمان (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا)

معارف القرآن (محدث اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی تلمیذ امام احمد رضا)

ترجمۂ قرآن (غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی خلیفۂ مفتی اعظم ہند)

(۲) وہ تراجم جو کنزالایمان کی تسہیل و ترجمانی کے لئے کئے گئے:

ترجمۂ قرآن (مفتی عزیز احمد بدایونی)

ترجمۂ قرآن (مفتی احمد یار خان نعیمی)

علم تفسیر میں اعلیٰ حضرت کا فیض صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی کے ذریعہ سامنے آیا اور پھر ان کے تلامذہ کے ذریعہ مزید پھیلتا گیا، حضرت صدر الافاضل مرادآبادی کی تفسیر خزائن العرفان، تفسیر نسفی اور بیضاوی کے طرز میں ایک جامع اور خوبصورت تفسیر ہے جس کے خصائص کو چند صفحات میں سمیٹنا ممکن نہیں ہے۔ آپ کے شاگردوں نے نئے نئے انداز سے کئی کئی تفاسیر لکھیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

نورالعرفان: مفتی احمد یار خان نعیمی تلمیذ صدر الافاضل مرادآبادی (اپنے طرز اور انداز کی منفرد تفسیر)

تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی تلمیذ صدر الافاضل مرادآبادی (۱۱؍ مجلدات)

ضیاء القرآن: علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری، تلمیذ صدر الافاضل مرادآبادی (۵؍ جلدیں)

تفسیر الحسنات: ابوالحسنات سید احمد قادری لاہوری (۵؍ ضخیم مجلدات)

اسی طرح اعلیٰ حضرت کے خلیفہ مولانا دیدار علی شاہ صاحب الوری نے بھی تفسیر میزان الادیان شروع کی تھی۔ درس قرآن و تفسیر میں آپ کو اس قدر مہارت تھی کہ صرف سورۂ فاتحہ کا درس پورے ایک سال تک جاری رہا۔ آپ کی تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔ (تذکرۂ اکابر اہلسنّت)

فقہ حنفی:

عوام ہوں یا خواص، علماء ہوں یا طلباء، ہر ایک کو روزمرہ پیش آنے والے ضروری مسائل و احکام سے آگاہ رکھنے کیلئے فقہ حنفی کے مطابق اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ نے بیش بہا تصانیف مرتب فرمائیں جن کی تفصیل کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ یہ کتابیں دو طرح کی ہیں ایک موضوع پر یا جملہ احکام کی جامع وہ کتابیں جو ضروری احکام و مسائل کی جامع ہیں جن کی ہر مسلمان مرد و عورت کو ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ چند کے نام یہ ہیں:

بہار شریعت (۱۸؍ حصے): مولانا امجد علی اعظمی، خلیفۂ امام احمد رضا

قانون شریعت: قاضی شمس الدین جونپوری، مرید امام احمد رضا

رکن دین (۵؍ حصے): مولانا رکن الدین الوری، خلیفۂ امام احمد رضا

سنی بہشتی زیور: مفتی محمد خلیل خان برکاتی، تلمیذ صدر الشریعہ

جنتی زیور: علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، تلمیذ صدر الشریعہ

اسی طرح نونہالانِ ملت کی دینی تعلیم و تربیت کیلئے بہت سے مجموعے مرتب ہوئے ان میں مشہور تر چند ایک یہ ہیں:

ہمارا اسلام (۵/حصے)	مفتی خلیل خان برکاتی
نسیم رحمت (۳/حصے)	علامہ مشتاق احمد نظامی
فردوس ادب (۴/حصے)	علامہ مشتاق احمد نظامی
نورانی تعلیم (۵/حصے)	مفتی جلال الدین احمد امجدی
تعمیر ادب (۵/حصے)	مولانا بدر الدین احمد رضوی

یہ وہ مجموعے ہیں جو پاک و ہند کے مکاتب اسلامیہ میں بطور نصاب تعلیم مروّج ہیں۔

تعلیم و تدریس:

آپ نے جامعہ منظر اسلام قائم فرمایا جہاں سے سینکڑوں چوٹی کے علماء تیار ہوئے۔منظر اسلام کو قائم ہوئے ایک سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔آپ کے خلف اصغر مفتیٔ اعظم ہند نے جامعہ مظہر اسلام بریلی قائم فرمایا جس نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا، آپ کے خلیفہ و شاگرد مولانا امجد علی اعظمی نے تعلیم و تدریس میں وہ انقلابی کام کیا کہ پوری صدی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ میں صرف آپ کے مشاہیر تلامذہ کی ایک فہرست اور ان کی قائم کی ہوئی درسگاہوں کا ذکر کر دیتا ہوں۔

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی خلیفۂ امام احمد رضا کے مخصوص تلامذہ :

محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری رضوی (بانی جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد)

حافظ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مبارکپوری (بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور)

امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی (مدرسۂ عربیہ اسلامیہ میرٹھ)

مناظر اعظم مولانا حشمت علی خان لکھنوی (دار العلوم حشمت الرضا پیلی بھیت)

مولانا تقدس علی خان بریلوی (بانی و شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ سندھ)

مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن (متعدد مدارس قائم فرمائے)

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری (بانی جامعہ امجدیہ کراچی)

مولانا وقار الدین صاحب (جامعہ امجدیہ کراچی)

علامہ غلام یزدانی صاحب (شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی

مفتی محمد خلیل خان برکاتی (بانی دار العلوم احسن البرکات حیدرآباد سندھ)

شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین جونپوری (متعدد مدارس قائم فرمائے)

مفتی رفاقت حسین صاحب (مفتی اعظم کانپور)

یوں تو اس فہرست کا ہر فرد اپنی جگہ چندے آفتاب و چندے ماہتاب ہے، ان میں سے ہر ایک نے تعلیم و تدریس کے میدان میں جو کام کیا ہے ان کے تفصیلی ذکر میں مستقل کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں پر صرف آپ کے تین عظیم تلامذہ حضرت محدث اعظم پاکستان اور حضور حافظ ملت مبارکپوری اور امام النحو سید غلام جیلانی میرٹھی کے مخصوص تلامذہ کی بھی ایک فہرست دینا مناسب سمجھتا ہوں جس سے آپ کو یہ اندازہ ہو سکے کہ تعلیم و تدریس کے میدان میں اعلیٰ حضرت کا فیضان ان شخصیات کے ذریعہ سے پوری دنیائے اسلام میں شرق تا غرب محیط ہو گیا ہے یا نہیں۔

☆ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد فیصل آبادی، بانی جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد۔آپ کے مشاہیر تلامذہ:

فقیہ اعظم ہند مفتی شریف الحق صاحب امجدی (صدر دار الافتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

مولانا تحسین رضا خان صاحب بریلوی (شیخ الحدیث جامعۃ الرضا بریلی)

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری (بانی جامعہ امجدیہ کراچی)

شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی (بانی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

مفتی عبدالقیوم ہزاروی (بانی تنظیم المدارس پاکستان)

ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی

حافظ بخاری علامہ سید محمد جلال الدین بھکھی شریف (بانی دار العلوم

بھلھی شریف)
علامہ عنایت اللہ شاہ صاحب سانگلہ ہل (مناظرِ اہلسنّت)
ابوالمعانی محمد معین الدین شافعی
مفتی محمد امین صاحب فیصل آباد (بانی جامعہ امینیہ فیصل آباد)
مولانا سید محمد حسین الدین شاہ صاحب (بانی جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی)
علامہ فیض احمد اویسی (بانی جامعہ اویسیہ بہاولپور)
مفتی محمد مجیب الاسلام صاحب اعظمی
علامہ عبدالقادر احمد آبادی (بانی جامعہ قادریہ فیصل آباد)
مولانا ابو داؤد محمد صادق صاحب (سرپرست ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ)
شارح حدیث ومفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی
علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی گھوسی
مولانا محمد احسان الحق صاحب فیصل آباد
مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی (بانی سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل)
علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی انگلینڈ
☆ حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مبارکپوری، بانی و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔ آپ کے اجلہ تلامذہ:
علامہ بدرالدین احمد رضوی
رئیس القلم علامہ ارشد القادری (بانی جامعہ فیض العلوم جمشید پور، جامعہ حضرت نظام الدین دہلی)
امام معقولات مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی
بحرالعلوم مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی
شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی (بانی محدث اعظم مشن)
مفکر اسلام علامہ قمرالزماں اعظمی (بانی الجامعۃ الاسلامیہ روناہی)
محقق رضویات علامہ محمد احمد مصباحی (پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور)
علامہ یٰسین اختر مصباحی (بانی دارالقلم دہلی)
علامہ بدرالقادری ہالینڈ (اسلامک اکیڈمی، ڈین ہاگ)
ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری (کراچی یونیورسٹی)
محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب اعظمی (جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی)
امام النحو والمعقولات علامہ سید محمد غلام جیلانی میرٹھی۔

نامور تلامذہ:

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی میرٹھی (صدر جمعیۃ علماء پاکستان و بانی ورلڈ اسلامک مشن)
علامہ شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی
خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی (بانی دارالعلوم غریب نواز الہ آباد و بانی سنی تبلیغی جماعت)
قاضی عبدالرحیم صاحب بستوی (مفتی دارالافتاء رضویہ بریلی)
مولانا عاشق الرحمٰن صاحب (بانی جامعہ حبیبیہ الہ آباد)
علامہ محمد نظام الدین صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ خیریہ شہسرام)
علامہ محمد طیب خان صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ)
علامہ محمد نعیم اللہ صاحب رضوی (شیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی)
علامہ سید نعیم اشرف صاحب (زیب سجادہ آستانہ اشرفیہ جائس)
علامہ سید کلیم اشرف صاحب۔

حضرت صدرالشریعہ کے سلسلۂ تلامذہ میں ہندوستان میں علامہ ارشد القادری کی وہ شخصیت ہے جس نے مدارس اسلامیہ کا ایک جال پھیلا دیا اور صدرالافاضل کے تلامذہ میں علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری کی وہ منفرد ذات ہے جنہوں نے پاکستان میں ۷۰ رسے زائد مدارس قائم فرمائے جن کا سلسلہ پاکستان کے طول وعرض میں پھیلا ہوا ہے۔

مناظرہ:

اعلیٰ حضرت کے خلیفہ مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی اپنے دور کے مناظر اعظم تھے۔ اسی طرح آپ کے مرید مولانا حشمت علی خان لکھنوی کا نام تو ۵۰ رسال تک میدانِ مناظرہ میں گونجتا رہا۔ آپ نے پوری زندگی دیوبندی، وہابی، غیر مقلد علما سے مناظرہ کرتے گزار دی اور ۱۵۰ رسے زائد مناظرے کئے اور آپ کامیاب رہے۔

ان کے بعد مناظرین کی ایک پوری جماعت نظر آتی ہے جو سب کے سب فیض رضا کے پروردہ ہیں۔ ان میں مولانا حشمت علی خان لکھنوی کے مخصوص تلامذہ کے علاوہ مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اڑیسہ، خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی، مناظر اہلسنّت رئیس القلم علامہ ارشد القادری، مناظر اہلسنّت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

پاکستان میں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد فیصل آبادی اور آپ کی جماعت بھی آدھی صدی تک بدمذہبوں کا تعاقب کرتی رہی ہے اور آج بھی پاکستان کے نامور مناظرین محدث اعظم کے سلسلۂ تلامذہ ہی میں سے ہیں:

علامہ عنایت اللہ شاہ صاحب سانگلہ ہل (تلمیذ محدث اعظم پاکستان)
علامہ محمد اشرف سیالوی (تلمیذ محدث اعظم پاکستان)
علامہ سعید احمد اسعد (تلمیذ التلمیذ محدث اعظم پاکستان)
علامہ محمد اکرم رضوی شہید (تلمیذ التلمیذ محدث اعظم پاکستان)

مناظر اسلام مولانا محمد عمر اچھروی بھی ایک واسطہ سے اعلیٰ حضرت کے سلسلۂ تلمذ میں داخل ہیں، آپ نے اعلیٰ حضرت کے شاگرد و تلمیذ مولانا محمد حسین فیروز پور سے کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی ہے۔ (ص ۹۸ ۴، تذکرۂ اکابر اہلسنّت)

دعوتِ اسلام:

اعلیٰ حضرت کے خلیفہ مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی نے آپ کے حکم و ایماء پر آج سے ۸۰، ۹۰ رسال پیش تر پوری دنیا کا تبلیغی دورہ فرمایا، اس وقت تبلیغی جماعت کا وجود بھی نہ تھا۔ آپ نے برما، سیلون، سنگاپور، سرینام، جنوبی امریکہ، افریقہ اور چین کے دور دراز علاقوں میں پہنچ کر ۷۰ رہزار سے زیادہ غیر مسلموں کو اسلام کی دولت عطا فرمائی۔

آپ (اعلیٰ حضرت) کے خلف اصغر مفتی اعظم ہند نے شدھی تحریک میں مرتد ہونے والے ۹ رلاکھ انسانوں کو دوبارہ اسلام میں داخل فرمایا۔ علامہ عبدالعلیم میرٹھی کے نامور فرزند مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی، علامہ ارشد القادری اور پروفیسر سید شاہ فرید الحق کے ہمراہ کئی بار عالمی تبلیغی دورے فرمائے۔ سالہا سال کی ان کوششوں کے نتیجہ میں ہزاروں غیر مسلموں، ہندوؤں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔

اِصلاح و تبلیغ:

علامہ شاہ احمد نورانی کی قیادت میں اہلسنّت کی عالمی تنظیم ورلڈ اسلامک مشن قائم کیا گیا جو اب بھی ۱۸ ر سے زائد ممالک میں دین کی بے بہا دعوتی، اصلاحی تنظیمی اور اشاعتی خدمات انجام دے رہا ہے۔ علامہ ارشد القادری نے دعوتِ اسلامی کی بنیاد رکھی جس کے امیر مولانا محمد الیاس قادری (خلیفۂ قطب مدینہ) ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں سنی دعوت اسلامی قائم ہوئی جس کے امیر مولانا شاکر علی نوری صاحب ہیں آپ کو تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری (بانی جامعۃ الرضا بریلی) سے خلافت حاصل ہے۔ حضرت مفکر اسلام خطیب اعظم علامہ قمر الزماں اعظمی اس وقت ورلڈ اسلامک مشن اور سنی دعوتِ اسلامی دونوں کی سرپرستی اور نگرانی فرمارہے ہیں۔ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی خلیفۂ مفتی اعظم ہند نے ہندوستان میں سنی تبلیغی جماعت قائم کی جو بہار اشٹر اور راجستھان وغیرہ صوبوں میں آج بھی تبلیغ دین وسنیت کا کام کررہی ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کو فروغ دے رہی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے دور سے لے کر اب تک اصلاح و تبلیغ دین کی نشر و اشاعت کیلئے جو تنظیمیں وجود میں آئیں ان میں سے چند کے نام یوں ہیں:

جماعت رضائے مصطفیٰ۔ بریلی
آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء۔ بمبئی
آل انڈیا تبلیغ سیرت۔ الٰہ آباد
ورلڈ اسلامک مشن۔ مکۃ المکرمہ
دعوتِ اسلامی۔ کراچی
سنی دعوتِ اسلامی۔ بمبئی

جماعت اہلسنت-لاہور
محدث اعظم مشن- کچھوچھہ شریف
رضا اکیڈمی-بمبئی
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا-کراچی
مرکزی مجلس رضا-لاہور
رضا فاؤنڈیشن-لاہور
المجمع الاسلامی-مبارکپور

سیاست:

اعلیٰ حضرت نے اپنی زندگی میں ہر ملی اور سیاسی مرحلے پر مسلمانانِ ہند کی رہنمائی فرمائی۔ تحریک ہجرت (جو گاندھی کی پالیسی کے نتیجہ میں تھی) کے وقت ہزاروں مسلمانوں کو خانہ خراب ہونے سے بچا لیا جس کی مکمل تفصیلات آپ راجہ رشید محمود کی کتاب "تحریک ہجرت" میں دیکھ سکتے ہیں۔

تحریکِ خلافت، تحریکِ ترک گاؤ کشی، حادثہ مسجد کانپور، تحریک ترکِ موالات، تحریکِ آزادیٔ ہند وغیرہ تمام اہم مراحل و مواقع پر اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ عالم عرب میں آپ کے ایک خلیفۂ مجاز سنوسی سلسلہ کے شیخ محمد ادریس نے لیبیا میں اپنی سیاسی جدوجہد جاری رکھی، اور آپ وہاں کے وزارت عظمیٰ کے درجہ تک پہنچے۔
(معارف رضا، کراچی)

آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور تلامذہ مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، مفتی برہان الحق جبلپوری وغیرہم اور دیگر اکابر نے اپنی ملی اور سیاسی جدوجہد جاری رکھی اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے جو سیاسی خدمات انجام دیں وہ تاریخ کا روشن باب اور انمٹ نقوش ہیں۔

پاکستان میں جمعیۃ علماء پاکستان کی تاسیس اس کی خدمات اور تاریخ اسی سلسلے کا ایک حصہ ہیں۔

ردّ قادیانیت:

قادیانیت کے ردّ پر دنیا میں سب سے بڑا علمی کارنامہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ پروفیسر الیاس برنی (حیدر آباد، دکن) نے انجام دیا۔ انہوں نے قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ لکھ کر قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں بھی اعلیٰ حضرت کے سلسلے سے وابستہ اکابر علماء شریک تھے جن میں علامہ ابوالحسنات قادری، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، علامہ شاہ احمد نورانی، علامہ عبدالستار خان نیازی، مفتی محمد حسین نعیمی، پیر محمد کرم شاہ ازہری صفِ اول میں شامل ہیں۔ سرینام وغیرہ جنوبی امریکہ کے ہزاروں قادیانی، مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم میرٹھی کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

اسی طرح شاہ احمد نورانی نے ہالینڈ، ساؤتھ افریقہ وغیرہ ممالک میں کتنے ہی قادیانیوں کو توبہ کروائی۔

بیعت وارشاد:

صوفیاء کرام نے ہر دور میں لوگوں کو بیعت و ارشاد کے ذریعہ تزکیہ وسلوک اور اصلاح وعمل کیلئے تیار کیا ہے۔ سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقش بندیہ، سہروردیہ کے اکابر ہر عصر میں سرگرم عمل رہے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز سے لے کر خواجہ شمس الدین سیالوی تک مشائخ چشت میں حضرت نظام الدین اولیاء کو، خواجہ بہاء الدین نقشبند سے لے کر مرزا مظہر جانِ جاناں تک مشائخ نقشبند میں حضرت مجدد الف ثانی کو اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے سلسلے میں خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان حضرات نے اپنے سلاسل کو بے پناہ وسعت وکامیابی عطا فرمائی۔ ان کے ادوار میں ان سلاسل کو قبول عام کا درجہ حاصل ہوا۔

دلچسپی کی بات یہ ہے کہ اسلامی ہندوستان کی تاریخ کے ابتدائی دور میں یعنی عہد سلطنت میں چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں ہی نے کام کیا، سہروردیہ سلسلے کی خانقاہیں ملتان اور سندھ تک محدود رہیں جبکہ چشتیوں نے اپنا نظام پاک پٹن سے لے کر لکھنؤ اور دہلی سے لے کر دیوگیری تک قائم کیا تھا۔ (ص۔ ۱۳۳، تاریخ مشائخ

چشت، خلیق احمد نظامی)

اس کے بعد نقشبندی سلسلے کا دور آتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی سحر انگیز اور جاذب قلوب شخصیت کے اثر سے دیکھتے ہی دیکھتے یہ سلسلہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ افغانستان، ترکی، بخارا اور حرمین طیبین تک پھیل گیا، لاکھوں افراد سلسلے میں داخل ہوئے۔ چشتی سلسلہ میں حضرت نظام الدین اولیاء۔ سہروردی سلسلہ میں بہاء الدین زکریا ملتانی اور نقشبندی سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی کی شخصیت مجددی سلسلہ کی ہے لیکن غیر منقسم ہندوستان میں اعلیٰ حضرت نے سلسلۂ قادریہ کو وہ وسعت و ترقی اور قبولیت عامہ عطا فرمائی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک سو کے قریب خلفاء برصغیر کے طول و عرض میں اور پچاس کے قریب خلفاء ممالک عرب، شام، عراق، لیبیا، روس، بخارا، بیروت، دمشق اور حرمین طیبین کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے جنہوں نے سلسلۂ قادریہ کے فیض کو عام کر دیا۔ بیعت و سلوک میں آپ سے اخذ فیض کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں تھی، جن کی صحیح تعداد کا اندازہ مشکل ہے مگر آپ کے خلف الصدق مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان کے ذریعہ سلسلۂ رضویہ نے اتنی ترقی کی کہ ایک جائزہ کے مطابق ڈیڑھ کروڑ انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ کے خلیفہ قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی ۷۵ رسال مدینہ طیبہ میں قیام فرما رہے۔

آپ نے بالخصوص ممالک عرب میں اعلیٰ حضرت کے سلسلے کو عام کیا۔ دنیائے سنیت میں مختلف ناموں سے بیعت و ارشاد کے سلسلے نظر آتے ہیں۔ دراصل فیضانِ اعلیٰ حضرت ہی کے مختلف رنگ ہیں۔

سلاسل رضویہ:

رضویہ حامدیہ

رضویہ مصطفویہ نوریہ

رضویہ امجدیہ

رضویہ نعیمیہ

رضویہ حشمتیہ

رضویہ ضیائیہ وغیرہ وغیرہ

حضور مفتی اعظم ہند کے مشاہیر خلفاء میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں۔

برصغیر پاک و ہند میں:

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی ملتان

علامہ مشتاق احمد نظامی، الہ آباد

بقیۃ السلف علامہ محمد مبین الدین امروہوی محدث

مفتی محمد مشرف احمد مظہری دہلوی

محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد فیصل آباد

قاری محمد مصلح الدین صدیقی کراچی

فاضل اجل مولانا قاضی شمس الدین جونپوری

رئیس القلم علامہ ارشد القادری، دہلی

تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری

علامہ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر، بنگلور

مفتی محمد افضل حسین شاہ مونگیری فیصل آباد

مفتی محمد جہانگیر خان فتح پوری

خواجۂ علم و فن خواجہ مظفر حسین صاحب پورنیہ

علامہ فیض احمد اویسی بہاولپور

مفتی محمد خلیل خاں برکاتی، حیدر آباد، سندھ

مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی، انگلینڈ

مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اڑیسہ

علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی مرحوم، انگلینڈ

علامہ عبد المصطفیٰ ازہری کراچی

مفتی محمد شریف الحق امجدی

علامہ بدر القادری صاحب ہالینڈ

مفتی محمد مجیب اشرف رضوی، ناگپور

ممالک عرب میں آپ کے خلفاء:

مفتی حرم حضرت علامہ مولانا سید محمد مغربی مالکی مکی

استاذ العلماء مولانا جعفر بن کثیر

شیخ العلماء علامہ مولانا سید امین قطبی مکی

حضرت مولانا سید عباس مالکی مکی

حضرت علامہ مولانا عمر ہمدان مکی

حضرت علامہ مولانا موز عرقی

حضرت مولانا عبدالمالک

حضرت علامہ محمد فضل الرحمٰن مدنی

حضرت علامہ مولانا ابراہیم مدنی

حضرت علامہ مولانا سید علوی مالکی مکی

تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو: مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، شہاب الدین رضوی، مطبوعہ بمبئی۔

تصنیف و تالیف:

یہ عنوان تو اتنا تفصیلی ہے کہ چند صفحات یا مختصر کتابیں بھی اس کو سمیٹ نہیں سکتیں۔ آفتاب بریلی سے روشن ہونے والی ہر شخصیت پھر ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کا سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں پھیلا ہوا یہ سلسلہ ہے جن کا ذکر اس عنوان کے تحت کیا جاسکتا ہے۔ جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں شاید اسی بات کو کسی نے بڑی خوبی اور جامعیت سے کہہ دیا ہے۔

اگلوں نے تو لکھا ہے بہت علم دین پر
جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

اعلیٰ حضرت نہ صرف خود ایک رواں دواں اور برق بار قلم کے مالک تھے بلکہ آپ کے فیض نظر اور بے مثال تربیت نے آپ کے اخلاف، جملہ تلامذہ اور خلفاء کے ہاتھ میں قلم دے دیا تھا، جس کے نتیجہ میں قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد، کلام، صرف و نحو، منطق، فلسفہ، سیرت، فضائل و مناقب، تاریخ و تذکرہ، اخلاق و نصائح، تزکیہ و سلوک، شعر و ادب، تعلیم و تدریس، تحقیق و تنقید، تبلیغ و مناظرہ، فرائض و میراث، ہیئت و توقیت، جفر و تکسیر، سیاست، قانون، معاشرت، طب اور حکمت، مسائل جدیدہ غرض کہ ہر موضوع و عنوان پر تصنیف و تالیف کا وہ سرمایہ تیار ہوا کہ یہ صدی واقعۃً اعلیٰ حضرت کی صدی بن گئی۔

دبستانِ رضوی کے اس کارنامے سے آگاہ ہونے کیلئے آپ کو تذکرۂ اکابر اہلسنت، تذکرۂ علماء اہلسنت، اکابر تحریک پاکستان، خلفاء اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، اعلیٰ حضرت کا منظر اسلام نمبر (۳؍جلدیں) مرآۃ التصانیف وغیرہ جیسی ضخیم کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی کے جدید علوم و مسائل پر خطبات، انگریز مفکر برنارڈ شا کے ساتھ اسلام کی حقانیت پر مباحثہ ایسے قابل قدر ہیں کہ ڈاکٹر ذکی الدین چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی ان کی اہمیت کو مانتے اور اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔ (خطبات طیب، ج.۶)

علم ہیئت و توقیت میں ملک العلماء بہاری کے مقالات کو مفتی شفیع دیوبندی نے اپنی کتابوں میں بڑے اہتمام کے ساتھ پیش کیا ہے۔

عربی لسانیات کی تحقیق میں سید سلیمان اشرف بہاری کی تحقیق ''المبین'' کے متعلق حبیب الرحمٰن شروانی نے کہا تھا سلیمان اشرف اس فن کے موجد ہیں۔ عرب دنیا میں اعلیٰ حضرت کے خلیفہ محدث کبیر سید عبدالحی بن عبدالکبیر الکتانی علم حدیث میں ۶۰؍عظیم و جلیل کتابوں کے مصنف تھے۔

موجودہ دور میں رضوی سلسلے کے ایک فاضل علامہ فیض احمد اویسی ۵۰۰ کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔

حوالہ جات

[۱] اس حدیث پاک کو ابوداؤد نے اپنی سنن اور حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے۔ ملا علی قاری نے ان کے علاوہ طبرانی کی معجم اوسط کا بھی حوالہ دیا ہے جبکہ کنز العمال میں بیہقی کی معرفۃ السنن والآثار کا بھی ذکر ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی نے اس کی تخریج کے سلسلے میں حلیہ ابونعیم، مسند بزار، مسند حسن بن سفیان اور کامل ابن عدی کے نام بھی لئے ہیں۔ (ص.۱۵۱، مجموعہ فتاویٰ، ج.۲)

امام احمد رضا کی تنقیدی بصیرت اور ان کی انفرادیت

از: مولانا ڈاکٹر محمد امجد رضا خاں

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی علمی، فکری، تحقیقی اور تنقیدی بصیرت پر باب سوم میں کچھ شواہد پیش کئے گئے۔ اظہار حقیقت کے لئے تلاش وتحقیق کی اتنی ساری جہتیں بہت کافی ہیں۔ ان کے تنقیدی ادب پاروں میں پہلا عنصر تو خالص اسلامی ہے اور اسی نظریہ کے تحت انہوں نے تنقیدی ادب پاروں کی ایک کشت لالہ زار چھوڑی ہے۔ جس میں تحقیق وتدقیق، زبان وبیان اور اپنے موقف پہ استدلال کے اعلیٰ نمونے جابجا بکھیرے ہوئے ہیں۔ اعتقادیات سے لے کر شرعیات، ادبیات، سیاسیات اور سائنسیات تک ان کی تنقیدات و تعاقبات کا علمی خزانہ، چودھویں صدی کا بیش بہا علمی ورثہ ہے جسے امام احمد رضا نے اس راہ کے جادہ پیاؤں کے لیے چھوڑا ہے۔ ہم اس خزانۂ علمی سے اعتقادیات کی حقیقت، اس کے ترکیبی عناصر، ٹوٹنے بکھرنے کے اسباب اور اس پر پڑنے والی شرعی ضرب کا وقوف پاتے ہیں۔ وہیں سے ہمیں شرعیات کے منبع و ماخذ اس کے دائرۂ عمل، منصوصات قرآن و احادیث سے استدلال اور مسائل کے استنباط و تنقیح کا سراغ بھی ملتا ہے۔ وہی ہمیں ادبیات میں نئی سمتوں کی دریافت، نئے نئے مصطلحات ومحاورات کا استخراج، عروضی قواعد میں نئی جہتوں کی اشاعت کا بھی پتہ دیتا ہے اور پھر سائنس کی دنیا میں اسلامی نقطۂ نظر ایک محسوس حقیقت کی طرح ذہن وفکر کو ایک مرکز پر لاکر سمیٹ دیتا ہے۔ ان کے تنقیدی کارنامے کی یہ کیفیت ایک اعلیٰ پائے کا محقق اور کامیاب ناقد کی علامت ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ ناقد کسی بھی ادب پارے یا تخلیق پر سرسری نظر نہیں ڈالتا، مگر اپنے مطالعہ کے توسط سے اس کی تہہ تک پہنچتا ہے، معنویت کی کھوج لگاتا ہے پھر اچھے برے اور کھوٹے کھرے میں خط امتیاز کھینچتا ہے۔ تنقید کی پہلی منزل تحقیق ہے، بغیر تحقیق کوئی قطعی حکم لگایا نہیں جاسکتا اور نہ لگایا جانا چاہئے۔ ورنہ اس کی تنقید خود ہی مشکوک ٹھہرے گی۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تنقیدوں میں جو تحقیقی مواد پیش ہوا ہے اور دلائل وبراہین سے جس طرح اپنے موقف کی وضاحت کی گئی ہے اس کی نظر مشکل ہے۔ تنقید جس تحقیق کا تقاضا کرتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر آپ نے تحقیق و تنقیح اور دلائل وشواہد پیش کئے ہیں۔ اور پھر کوئی فیصلہ صادر کیا ہے۔

اعتقادیات کے سلسلہ میں جن علماء ودانشوروں پر اعتقادی تنقیدیں کی گئی تھیں اور ان پر حکم شرعی کا انطباق کیا گیا تھا۔ وہ اپنے عقائد اور اپنی عبارات کے سبب خود ہی اس امر کا جواز پیدا کر چکے تھے۔ اگر اس انکشاف اور ان عقائد پر جو ضروریات دین کے انکار کے زمرے میں آتے ہیں وقوف کلی کے بعد بھی ان پر تکفیری حکم نہ لگایا جاتا تو یہ ایک شرعی جرم کے ساتھ تنقیدی اغراض ومقاصد سے اعراض کی کیفیت ہوتی جو قطعاً غیر موزوں اور غیر فقیہانہ عمل تھا۔ بلکہ اعتقادیات میں تنقید کی اس ذمہ داری سے گریز کرنے والا خود ہی اس حکم کا سزاوار ہوتا۔ امام احمد رضا نے فقاہت کی اس ذمہ داری کو نہایت چھان بین اور تحقیق کے بعد ادا کیا۔ اس لئے اعتقادی تنقید میں جن حضرات پر یہ حکم شرعی لگایا گیا وہ بالکل حق اور جائز تھا۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے خواجہ حسن نظامی نے ایک جگہ لکھا ہے:

''مولانا احمد رضا خاں جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہئے۔ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگادیتے ہیں۔ مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں جن کو سالہا سال صوفیہ برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔''[۱]

شرعیات کے باب میں جن فقہاء عظام پر انہوں نے تنقیدیں کی ہیں ان میں سب جلیل القدر علم وفضل والے ہیں۔ خود امام احمد رضا نے

ان کی کتابوں سے استدلال کیا ہے اوراپنے فتاوٰی میں ان کے حوالے نقل کئے ہیں،مگر تطفلات کے پیرائے میں جس طرح ان کی تسامحات پرآپ نے تنقیدیں کی ہیں وہ آپ کے تبحر علمی اور اعلیٰ تنقیدی مذاق کا غماز ہے۔ان کی تنقیدیں اس قدر ٹھوس، مستحکم، پرمغز اور مدلل ہوتی ہیں کہ ذہن وفکر اس کی قطعیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

باب سوم کے شرعی تنقیدات میں جہاں رسالہ "الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان" کا ذکر آیا کرتا تھا وہاں قارئین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ امام احمد رضا کی نظر کتنی باریک ہیں اوران کی گرفت کتنی سخت و برمحل ہوتی ہے۔وہ اپنے ادب پاروں میں شق درشق پہلوؤں کے ذریعہ دوسروں پرتنقید اوراپنے موقف پہ تائید کے دلائل ڈھونڈ نکالتے ہیں۔اسی رسالۂ مذکورہ میں حضرت سید یوسف بن سعید اسمٰعیل مالکی نے پانی کے رنگ کو سفید ثابت کرتے ہوئے جہاں تین دلائل دئے تھے۔(۱) مشاہدہ (۲) حدیث میں پانی کو دودھ سے زیادہ سفید فرمانا۔ (۳) برف کا جم کر سفید نظر آنا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے پانی کے رنگ کو نیل گونی کی طرف مائل بتاتے ہوئے فاضل موصوف کا آٹھ دلائل سے رد فرمایا جس میں احادیث سے استناد کے ساتھ عقلی دلائل کی کیفیت تو دیدنی ہے جس سے ان کی فکری بلندی اورتنقیدی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ادبی اور عروضی تنقیدوں میں ہم نے محض اتنے شواہد پیش کئے ہیں جس سے ہمارے نظریہ اور امام احمد رضا کی ادبی تنقیدوں کی وضاحت ہوسکے۔ورنہ فتاوٰی رضویہ مکمل جلد میں الملفوظ اور الزمزمۃ القمریہ وغیرہم میں اس تعلق سے مواد ہی مواد ہے۔

ادبیات کے ضمن میں "کنز الآخرۃ" پر اعتراضات و جوابات کا جس دیدہ ریزی اوردقت نظر سے جائزہ لیا گیا ہے وہ کتنی ہی نادر باتوں اورجدید قواعد سے روشناس کراتا ہے۔کتاب مذکور ہی کے ایک شعر۔

ہے وہی خلاق مخلوقات کا
ہے وہی رزاق حیوانات کا

میں ایطاء کے عیب کے سبب کسی صاحب نے اعتراض کیا اور "حیوانات" کے قافیہ کو "مرزوقات" سے بدلا تھا۔مگر شاعر موصوف نے اپنے شعر کو درست قرار دیتے ہوئے مولانا روم کے اشعار سے استشہاد کیا تھا کہ وہاں بھی مطلع کے قوانی میں عیوب، ذنوب، خطوب استعمال ہوئے ہیں لہٰذا یہاں بھی جمع کے قوانی میں مفرد کا لحاظ نہ رکھا جائے گا۔امام احمد رضا نے جواب میں فرمایا تھا۔

"عیوب، ذنوب، قلوب، خطوب بے استشہاد صحیح نہیں کہ کلام جمع سالم میں ہے۔"[۲]

اس جواب میں جمع سالم کی قید سے ایک نئے قاعدہ کا وجود سمجھ میں آرہا ہے۔ورنہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ایطاء کا عیب مطلع کے ان قوانی میں پایا جاتا ہے جو مرکب ہوئے ہیں اگر مرکب قوانی کے اضافی حروف کو اصل الفاظ سے الگ کردئے جائیں تو باقی ماندہ الفاظ اگر بے معنی بچتے ہیں یا کم از کم ایک لفظ بے معنی بچتا ہے تو ایطاء نہیں ہے۔یوں ہی اگر دونوں الفاظ بامعنی اور مستقل ہیں تو بھی ایطاء نہیں ہے ہاں اگر دونوں بامعنی اور غیر مستقل ہوں تو ایطاء ہے مگر امام احمد رضا کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قاعدہ میں جمع سالم اور جمع کسر کے احکام الگ میں اور دیگر مرکب الفاظ کے احکام الگ۔اس لئے آپ نے جواب میں جمع سالم کی قید لگائی اور اصلاح میں "حیوانات" کی جگہ "مرزوقات" کو انسب بتایا ضروری نہیں۔

اسی طرح اور دیگر مقامات پر بھی ان کے تنقیدی زاویہ نگاہ کے الگ الگ جلوے بکھرے نظر آتے ہیں۔سائنسیات میں ان کے تنقیدات کا ظہور محققانہ بھی ہے جارحانہ بھی۔جارحانہ اس لئے ہے کہ سائنسدانوں کے کچھ نظریات اسلامی نظریات سے متصادم ہیں۔وہ زمین کی حرکت کے قائم ہیں جبکہ قرآن زمین کو ساکن قرار دیتا ہے ظاہر ہے وہ نظریہ جس سے اسلامی اصولوں پر ضرب پڑتی ہو ایک اسلامی مفکر اسے کیسے برداشت کرسکتا ہے۔وہ بھی اس صورت میں جب کہ اس کے پاس ٹھوس اور مضبوط سائنسی دلائل ہوں۔[۳] جس سے سائنسدانوں کے نظریات پامال ومردود ہوتے ہوں۔سائنسی علوم میں امام احمد رضا کی مہارت تامہ اور کامل دستگاہی کا ثبوت مغربی مفکرین پران کی تنقیدات سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

چودہویں صدی جو علم وفن کے اعتبار سے بڑا خوشحال اور تابناک

دور ہے۔ جہاں ہر چہار جانب علماء، فضلاء، محققین اور دانشوروں کا ایک جمِ غفیر دکھائی دیتا ہے اس دور میں امام احمد رضا جیسا فقیہ، مدبر، مفکر، نقاد اور ایک ماہر سائنسداں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ اس خصوص میں امام احمد رضا اپنی مثال آپ ہیں۔ خصوصاً آپ کی اعلیٰ پائے کی تنقید نگاری جو اعتقادیات، شرعیات، ادبیات اور سائنسیات وسیاسیات تمام گوشوں پر محیط ہے آپ کی انفرادیت کی غماز اور امتیازیت کی روشن دلیل ہے۔

مفکرین کے درمیان آپ کا مقام ورتبہ:

امام احمد رضا فاضل بریلوی، علم وفضل کے آفتاب، زہد وتقویٰ کے بدرِ منیر، تحقیق وتدقیق کے دُرِ بے بہا، ادب وتنقید کے شہسوار، سیاست صادقہ کے گوہر نایاب اور تحریک عشق رسول کے قافلہ سالار تھے۔ ہر ذی شعور، علم دوست اور حق شناس فرد متعارف ہی نہیں، اس مردِ حق آگاہ کی دینی، ملی، روحانی، ادبی، تنقیدی اور سیاسی خدمات کا معترف بھی ہے اور خوشہ چیں بھی۔

بلاشبہ امام احمد رضا کا شمار ملت کے ان عبقری ہستیوں میں ہوتا ہے جو مختلف اور متنوع کمالات وفضائل میں حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہوکر گزرے ہیں۔ امام احمد رضا ایک بلند پایہ فقیہ ہیں جہاں حیرت انگیز ماہرانہ صلاحیت، تفقہ، تدبر، اصابت رائے اور ذاتی بلند اخلاق وکردار کی شان پورے آب وتاب سے چمک رہی ہے، ان کی عظمت کو اپنے پرائے سبھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آخری دور میں جو تحقیق وتدقیق اور گہرائی وگیرائی امام احمد رضا کے یہاں نظر آتی ہے اس کی نظیر دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ان کے یہاں جو علمی طنطنہ وآہنگ، آورد کے مقابلہ میں آمد، اور جوش وخروش نظر آتا ہے وہ مسلمانوں کے عظیم فقہاء حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک کا پرتو اور عکس ہے۔

فاضل بریلوی کا "فتاویٰ رضویہ" فقہ اسلامی کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جو ان کی دقیقہ سنجی، ژرف نگاہی اور بلند علمی مرتبہ کی دستاویزی شہادت ہے۔ آپ کے اس کام کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسائیکلو پیڈیا طرز کی اس عظیم الشان کتاب کی ترتیب وتسوید شخص واحد کے قلم سے ہوئی۔ ان جلدوں میں ہزاروں کتابوں کے حوالجات ان پر تنقیدی تبصرے اور آخر میں اپنی جچی تلی رائے، ایسا زبردست علمی کارنامہ ہے جو اس دور میں اداروں سے بھی متوقع نہیں ہے۔

آپ کے علمی وقار ووجاہت کے معترف بڑے بڑے مفکرین وعلماء ودانشور حضرات ہیں۔ مولانا کوثر نیازی نے اپنے ایک مضمون "امام العلماء امام ابوحنیفہ ثانی" میں فاضل بریلوی کو امام العلماء اور امام ابوحنیفہ ثانی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

امام احمد رضا دراصل علماء کے امام تھے یعنی امام العلماء تھے اور دعوے سے کہتا ہوں کہ آج عالم کی کسوٹی یہ ہے کہ اگر وہ امام کی کتابوں کو سمجھ لیں تو وہ عالم کہلانے کے مستحق ہیں اور وہ امام کے علم کی تہہ تک پہنچ جائیں تو وہ عالم کہلانے کے حقدار ہیں۔" [۴]

مزید دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"فقہ حنفی میں ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں ان میں سے ایک فتاویٰ عالمگیری ہے جو دراصل چالیس علماء کی مشترکہ خدمت ہے جنہوں نے فقہ حنفیہ کا ایک جامع مجموعہ ترتیب دیا۔ دوسرا فتاویٰ رضویہ ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علماء نے مل کر انجام دیا وہ اس مردِ مجاہد نے تنہا کر دکھایا، اور یہ مجموعہ فتاویٰ رضویہ عالمگیری سے زیادہ جامع ہے۔ اور میں نے جو آپ کو امام ابوحنیفہ ثانی کہا ہے وہ صرف محبت میں یا عقیدت میں نہیں کہا بلکہ فتاویٰ رضویہ مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے امام ابوحنیفہ ثانی ہیں۔" [۵]

اس لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی سے اکتساب علم وفن کے لئے بڑے بڑے علماء ومشائخ اور دانشور اس طرف رجوع کرتے نظر آتے ہیں اور بڑے ہی نازک اور دقیق مسائل جو دوسروں سے حل نہیں ہو پاتے، وہ یہاں بآسانی سمجھادئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے تعلق سے ایک اقتباس اس سے پہلے گزرا کہ وہ ریاضی کے ایک لاینحل مسئلہ کے حل کے لئے امام احمد رضا کے پاس پہنچے انہوں نے اس مسئلہ کو چند لمحوں میں حل کردیا۔ ڈاکٹر صاحب نے حیران ہوکر اپنا تاثر قلمبند کیا کہ

"اتنا زبردست محقق عالم ان کے سوا شاید ہی کوئی ہو۔ اللہ نے

ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ دینی مذہبی اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس، جبر ومقابلہ، توقیت وغیرہ میں اتنی قابلیت اور مہارت کہ میری عقل ریاضی کے جس مسئلہ کو ہفتوں غور وفکر کے بعد بھی حل نہ کرسکی حضرت نے چند منٹ میں حل کردیا"۔[۶] اپنے ملک میں معمولات کا اتنا بڑا ایکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا وقت ضائع کیا"[۷]۔

مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے لکھا ہے کہ اپنے سوال کا تشفی بخش جواب پاکر وائس چانسلر صاحب بصد فرحت ومسرت تشریف لے گئے۔ اعلیٰ حضرت کی صحبت کا اس قدر اثر ہوا کہ داڑھی رکھ لی اور نماز روزہ کے پابند ہوگئے۔[۸]

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا شجرۂ علمی بہت بلند ہے۔ علم کی وسعت اور فیصلہ کی قوت اس درجۂ کمال پر ہے کہ آپ کا ہر قول، قول فیصل اور ہر فیصلہ حرف آخر ہوتا ہے۔ غالباً اسی لئے ڈاکٹر اقبال جیسے مفکر نے بھی امام احمد رضا کی اس عبقریت کو داد تحسین پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر سید عابد احمد علی مہتمم بیت القرآن لاہور نے اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

غالباً ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کہ علامہ اقبال مسلم یونیورسٹی میں موجود تھے ایک محفل، جس میں میں بھی موجود تھا، دوران گفتگو مولانا امام احمد رضا بریلوی کا ذکر نکل آیا۔ علامہ مرحوم نے مولانا بریلوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

"ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع وذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا میں نے ان کے فتاویٰ سے یہ رائے قائم کی ہے اوران کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت، جدت طبع، کمال فقاہت اور علم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عدل ہیں۔"[۹]

الغرض:

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اپنے وقت کے متبحر عالم، عبقری فقیہ اور اعلیٰ پائے کے ناقد تھے۔ قرن حاضر میں ان جیسا کوئی دوسرا نابغۂ روزگار نظر نہیں آتا، جیسا کہ اگلے ابواب میں ان کی فکری اور نظری بحثوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا علوم وہبی کے حامل تھے اور اپنی جودت طبع و ذکاوت نظری سے سارے مسائل ادبی وفقہی وغیرہ کا حل بآسانی تلاش کرلیتے تھے جس سے اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

امام احمد رضا نے جو ذخیرۂ علم چھوڑا ہے اس پر ہنوز خاطر خواہ کام باقی ہے۔ اس بندۂ عاجز نے اپنے طور پر تحقیقی مقالہ ترتیب دیا اور ایک مثبت نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی۔

حوالہ جات

[۱] معارف رضا، کراچی۔ شمارہ ہفتم ص ۲۰۷

[۲] فتاویٰ رضویہ ص ۱۲۔ امام احمد رضا

[۳] امام احمد رضا نے اپنی کتابوں میں نیوٹن اور آئن اسٹائن کے نظریات کا تعاقب کیا ہے اور زمین کی عدم حرکت میں اپنا جو اسلامی نظریہ اپنایا ہے اس مخالفت میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ اور بھی سائنسدان زمین کی حرکت کے مخالف ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں رائچور رضویہ کرناٹک میں ہندوستانی سائنسدانوں کی ایک کانفرنس میں حرکت زمین کے تعلق سے بعض سائنس دانوں نے اپنے ۲۳ رسالہ تجربہ اور مشاہدہ کی بناء پر نیوٹن کے نظریۂ کشش ثقل کو رد کردیا۔ اسی طرح مسٹر برنٹ، زہرا مرزا قادری پاکستان، سید محمد تقی، پروفیسر وائن برگ وغیرہم سائنسدانوں نے بھی حرکت زمین کو باطل قرار دیا ہے مگر اس موضوع پر سوائے امام احمد رضا بریلوی کے کسی نے کتاب نہیں لکھی۔ ۱۲ بحوالہ (یادگار رضا ۱۹۹۴ء بمبئی)

[۴] سہ ماہی "افکار رضا"، بمبئی شمارہ دسمبر ۱۹۹۵ء، مولانا کوثر نیازی

[۵] سہ ماہی "افکار رضا"، بمبئی شمارہ دسمبر ۱۹۹۵ء، صفحہ ۱۷

[۶] اکرام امام احمد رضا۔ مفتی محمد برہان الحق جبل پوری

[۷] خطبۂ صدارت۔ بموقع یوم رضا ۱۳۹۷ھ، ناگپور۔ مولانا سید محمد محدث اعظم ہند

[۸] امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی

[۹] امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی

امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
پر چند اعتراضات کے جوابات

از: خلیل احمد رانا

۱۔ایک وہابی سائٹ پر امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ پر ایک یہ اعتراض کیا گیا کہ مولانا احمد رضا خاں کو ساڑھے تین سال کی عمر میں وہ پتہ تھا جو لوگوں کو ۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں پتہ چلتا ہے اور کیسے گندے الفاظ اُس کو آتے تھے، آگے حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے بچپن کا ایک واقعہ لکھا جو جواب میں آرہا ہے۔

جواب

اصل واقعہ یہ ہے کہ :

جناب سید ایوب علی رضوی فرماتے ہیں کہ حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی عمر شریف تقریباً ۵۔۶ سال ہوگی اس وقت صرف ایک بڑا کُرتا پہنے ہوئے باہر تشریف لائے کہ سامنے سے چند طوائف زنان بازاری گزریں، آپ نے فوراً کرتے کا اگلا دامن دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر چہرہ مبارک کو چھپا لیا یہ کیفیت دیکھ کر ایک طوائف بولی واہ صاحب منہ تو چھپالیا اور ستر کھول دیا آپ نے برجستہ اُس کو جواب دیا جب نظر بہکتی ہے تب دل بہکتا ہے، جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے یہ جواب سن کر وہ سکتہ کے عالم میں ہوگئی۔

(حیات اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، مطبوعہ کراچی، ص ۲۳)

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا یہ جواب خرق عادت ہے، ورنہ اتنی چھوٹی عمر میں ایسا دانائی والا جواب دینا محال ہے، امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی کیفیت پر سب سے پہلے اعتراض فاحشہ عورتوں نے کیا اور امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے خرق عادت کے طور پر دانائی والا جواب دیا، اب جو بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے اس جواب پر اعتراض کرتا ہے وہ فاحشہ عورتوں کی نمائندگی کرتا ہے اور جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر اس اعتراض کا جواب دیتا ہے وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی نمائندگی کرتا ہے، یہ اپنی اپنی قسمت ہے۔

۲۔اسی طرح ایک اور ملفوظ پر اعتراض کیا، ملفوظات اعلیٰ حضرت کی عبارت کو دیکھئے :

اس ملفوظ میں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (قاہرہ۔مصر) کے اشعار کے ترجمہ کے بعد لکھا ہے کہ ''بفرض محال اگر عالم ناسوت میں کوئی صورت الوہیت فرض کی جاتی تو وہ نہ ہوتی مگر محمد رسول اللہ ﷺ''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، مطبوعہ بریلی، بھارت، حصہ دوم، ص ۶۶)

اس عبارت پر اعتراض کا جواب ملفوظ کے اندر ہی موجود ہے، ملفوظ میں (بفرض محال) کے الفاظ موجود ہیں ان کا کیا مطلب ہے؟، اعلیٰ حضرت احمد رضا علیہ الرحمہ نے وقوع نہیں مانا، امکان کا قول نہیں کیا، صراحۃً محال کہا ہے، تو اس میں اعتراض کی کون سی بات رہ گئی ہے، اس قسم کے تعلیق بالمحال والے جملہ فرضیہ آیات واحادیث میں بے شمار ہیں، کیا وہ بھی کسی غلو کی نشان دہی کرتے ہیں؟ مثلاً

''اگر اللہ کے علاوہ اور خدا ہوتے تو ارض وسماء تباہ ہو جاتے'' (سورۃ الانبیاء، آیت ۲۲)

''فرما دیجئے اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو اُس کا پہلا پوجنے والا میں ہوتا'' (سورہ زخرف، آیت ۸۱)

۳۔ایک اعتراض جو ملفوظ پر کیا کہ حضور ﷺ کو خداوندِ عرب کہہ دیا، اُس کی اصل عبارت یہ ہے :

''سوال۔ حضور اقدس ﷺ کو اے خداوند عرب کہہ کر نداء کر سکتے ہیں؟

جواب ۔ کر سکتے ہیں ، خداوند عرب کے معنی (ہیں) مالک عرب۔ (ملفوظات، حصہ اوّل، ص ۱۱۸، مطبوعہ بریلی)

خداوند عرب کا مطلب مالک عرب یا عرب کے آقا ہے، جیسا کہ ملفوظات میں لکھا ہے، اب اس پر کیا اعتراض رہ گیا؟ ۔ آپ دھوکہ سے بھولے بھالے مسلمانوں کو کیوں دھوکہ دے رہے ہیں؟

۴۔ اعتراض کیا گیا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے ''حدائق بخشش'' میں حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''مشکل کشا'' کہا :

مرتضیٰ شیر خدا مرحب کشا خیبر کشا
سرور لشکر کشا مشکل کشا امداد کن

مگر خود ہی اپنے رسالہ ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام'' میں لکھا کہ ایسے اشعار کفریہ ہیں :

علی مشکل کشا شیر خدا اور حیدر تھا
دوبالا مرتبہ تھا راکبِ دوشِ پیمبر تھا
برتِ کعبہ کب خیبر شکن فرزندِ آزر تھا
بتوں کے توڑنے میں اُس سے ابراہیم ہمسر تھا
اگر ہوتا نہ زیرِ پا کفِ شاہ رسولاں کا

(اعلام الاعلام، مطبوعہ بریلی بار اوّل، ص ۲۰)

جواب:

کس سخن فہم نے آپ سے کہہ دیا کہ مخمس کے ہر ہر مصرعہ کے ہر ہر لفظ پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے، دھوکہ نہ دیں پہلا مصرعہ کا ہر جز امام احمد رضا کے نزدیک حق و صحیح ہے اور آپ نے جو حوالے دیئے وہ بھی ہماری دلیل ہیں، اس مخمس بند میں تیسرے اور چوتھے مصرعوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گستاخی لازم آتی ہے جو کہ کفر ہے، اس لئے اس مخمس بند پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشکل کشا (باذن خدا) ہونے کا تعلق ہے، تو کوئی بھی قائلِ آثار و احادیث اس سے انکار نہیں کر سکتا، نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہر مومن کا ولی اور مولا قرار دیا ہے (مشکوٰۃ)، آپ کے نواب صدیق حسن خاں نے بھی تسلیم کیا کہ اس کا معنی یار و مددگار ہے، حبیب و ناصر ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یفتح اللہ علی یدیہ (مشکوٰۃ، ص ۵۶۳)، یعنی اللہ اُس کے ہاتھ پر مشکل کھولتا ہے، فتاح (مشکل کشائے اصلی) تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر کھولتا علی کے ہاتھ پر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتنے مقامات پر کہا کہ لو لا علی لھلک عمر ''اگر علی مدد نہ کرتا تو عمر ہلاک ہوجاتا'' (الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، ج ۳، ص ۳۹) ؛ ''الصواعق المحرقہ'' ص ۱۲۷ پر ابن سعد کے حوالے سے ہے کہ عمر بن الخطاب یتعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابو الحسن، یعنی حضرت عمر ابن خطاب اللہ کی پناہ مانگتے تھے کہ مشکل آئے اور اس کے لئے علی نہ ہو۔

کتب سابقہ میں آپ کو دفاع مضلات (مشکل کشا) کہا گیا ہے (الصواعق المحرقہ، ص ۲۴۷)، اور واضح رہے کہ من دون اللہ بے اختیار ہوتا ہے اور باذن اللہ مشکل کشائی ماننا حق ہے، چنانچہ ''امداد کن'' والے کلام کے آخر پر مولانا احمد رضا خاں نے فرمایا کہ!

بے وسائل آمدن سوئے تو منظور تو نیست
زاں بہر محبوب تو گوید رضا امداد کن
مظہر عون اند، این جا مغز حرفے بیش نیست
یعنی اے رب نبی واولیاء امداد کن

یعنی اے اللہ! وسیلہ کے بغیر تیرے پاس آنا تجھے اچھا نہیں لگتا، اس لئے تیرے محبوب بندوں سے استعانت برائے توسل کی ہے (کہ وسیلہ بن کر ہماری مدد کیجئے) وہ تیری مدد کے آئینے ہیں اور آئینوں سے مدد لینا تجھ ہی سے مدد لینا ہے، ان میں ہر محبوب آصف بن برخیا کی طرح باذن اللہ مشکل کشائی کرتا ہے، حدیثوں میں ہے کہ ''ہر بھلائی نیک چہروں سے طلب کرو'' (الجامع الصغیر، ص ۴۳، ۴۴) اور ''اے اللہ کے بندو میری مدد کرو'' (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۰، ص ۳۹۰۔ مسند ابو یعلیٰ، حدیث ۵۲۶۹۔ مجمع الزوائد، ج ۱۰،

ص ۱۳۲)، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نبی کریم ﷺ سے توسل کرنا اور پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کرنا مروی ہے (بخاری، حدیث نمبر ۱۰۱۰ عن انس رضی اللہ عنہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُم تُفْلِحُون، مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! خوف خدا کو دل میں جگہ دیتے ہوئے اور وسیلہ سے مدد لیتے ہوئے خود بھی کوشش کرو تو مقاصد میں کامیابی ممکن ہے، رہ گیا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا یہ کہنا کہ میں نے جب بھی استعانت کی یا غوث ہی کہا، تو اس کا تعلق استعانت برائے توسل سے ہے اور غوث اعظم کی تخصیص طبعی غلبہ محبت کی وجہ سے ہے اور وہ حاجت روائی میں آصف بن برخیا کی طرح تیز ہیں، اور اہل اللہ کی مدد سے جو محروم رہا وہ محروم رہا۔

۵۔ نبی کریم ﷺ کی برزخی ازدواجی زندگی پر اعتراض کا جواب

جب دنیا میں اور آخرت میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی ازواج مطہرات سے الحاق وملاپ ثابت ہے اور گستاخی نہیں، تو برزخ میں یہ بات ماننا گستاخی کیسے بن گیا؟ اور اگر برزخ میں یہ فعل ماننا گستاخی ہے تو پھر دنیا و جنت میں بھی یہ فعل ماننا گستاخی قرار پائے گا، معترض کا اس فعل پر اعتراض انبیاء کرام کی ازدواجی زندگی پر حملہ ہے اور سادات کرام کے نسب پر حملہ ہے، اس سے بڑھ کر انبیاء کرام علیہم السلام کی اور گستاخی کیا ہوسکتی ہے؟

جہاں تک برزخی زندگی میں اکٹھے دن رات گزارنے کا تعلق ہے تو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ اسرعکن لحوقا بی اطولکن یدا (مشکوٰۃ، ص ۱۶۵۔ مسلم، حدیث نمبر ۶۳۱۶۔ بخاری، حدیث نمبر ۱۴۲۰)، یعنی تم میں سب سے پہلے مجھ سے برزخ میں وہ الحاق وملاپ کرے گی جس کا ہاتھ صدقہ وخیرات میں سب سے لمبا ہوگا، اس حدیث سے تمام ازواج مطہرات کا نبی کریم ﷺ سے شرف الحاق سے مشرف ہونا ثابت ہوتا ہے، اگرچہ پہلے اور بعد کا فرق بھی ساتھ ہی نظر آرہا ہے، اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومنوں کی اولاد کی جنت (برزخ) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ اُن کی کفالت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ بروز قیامت اُن کو اُن کے ماں باپ کے سپرد کردیں گے (مسند احمد، مستدرک حاکم، بیہقی، ابن داؤد بحوالہ بشری الکئیب بلقاء الحبیب از امام سیوطی)، اس حدیث سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کا اکٹھے دن رات گزارنا ثابت ہوتا ہے، کیا یہ حدیثیں ماننا گستاخی ہے؟ معاذ اللہ

۶۔ ایک اعتراض یہ کیا کہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے پیر بھائی کے نماز جنازہ پڑھائی جس میں حضور ﷺ نے شمولیت فرمائی۔

مولانا برکات احمد کے جنازہ میں شمولیت کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کی نظیر دور صحابہ و تابعین میں موجود ہے، چنانچہ تابعی حضرت ربیع بن حراش نے وفات کے بعد فرمایا "ان ابا القاسم ﷺ ینتظر الصلاۃ علیّ فعجلوا بی ولا تؤخرونی" (دلائل النبوۃ، ابو نعیم اصبہانی، حدیث نمبر ۵۳۶۔ شرح الصدور، امام سیوطی)، یعنی بے شک نبی پاک ﷺ میری نماز جنازہ پڑھنے کے لئے انتظار فرمارہے ہیں اس لئے جلدی کریں دیر نہ لگائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس معاملے کی تردید نہ کی بلکہ تصدیق فرمائی، اور کسی سے بھی اُن کے جنازہ کا امام مقرر کرنے پر اعتراض منقول نہیں، یونہی حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو نبی کریم ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ میں نے ابوبکر کے جنازہ میں جانا ہے (فتوح الشام، ج ۱، ص ۴۵) حضرت ابوبکر صدیق کی نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی، حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے کوئی اعتراض نہ کیا، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری رسوم میں نبی کریم ﷺ کی شرکت وموجودگی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (مشکوٰۃ، ص ۵۷۰۔ ۵۷۲)، اور قبر میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے ثبوت کے لئے وہی حدیث کافی ہے جس میں ہے

ما کنت تقول فی هذا الرجل ''تو اس مرد کے بارے میں کیا کہتا تھا، (اور ہم جیسے گنہگار تو اسی ''ھذا'' کے انتظار میں عمریں گزار دیتے ہیں) وہ خوش قسمت بھی ہیں جنہیں وفات سے پہلے بیداری میں زیارت ہوتی ہے، اور اس کا ثبوت بھی حدیث سے ملتا ہے کہ من زانی فی المنام فسیرانی فی الیقظة (مشکوٰۃ، بخاری، مسلم) جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا، جب نبی پاک ﷺ کا بعض مومنوں کے لئے قبل وفات سے لے کر نکرین کے سوال و جواب تک تشریف لانا اور موجود ہونا ثابت ہے تو روضہ پاک والی خوشبو کی حقیقت بھی واضح ہوگئی اور اسی لئے امام سیوطی نے لکھا و حضور الجنازة علی من صالحی امته فهذه الامور من جملة اشغاله فی البرزخ کما وردت بذلک الاحادیث والآثار (الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۱۸۴، ۱۸۵) یعنی اُمت کے نیک لوگوں کے جنازہ میں تشریف آوری وغیرہ ایسے امور نبی کریم ﷺ کے افعال برزخیہ میں سے ہیں جیسا کہ احادیث و آثار میں وارد ہوا۔

ان تمام باتوں کو گستاخی وہی قرار دے گا جو نبی کریم ﷺ کی قبر میں حیات کا منکر ہوگا، اسی طرح پاکان اُمت کے پیچھے نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے پر گستاخی کا فتویٰ لگانا رافضیت ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی مگر رافضی اس بات کو نہیں مانتے اور گستاخی قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ معاملہ گستاخی کا نہیں بلکہ سرکار ﷺ کی کرم نوازی ہے کہ وہ جس کو جیسے چاہیں نواز دیں۔

۷۔ معترض کا یہ کہنا کہ مولانا احمد رضا خاں نے آیت کریمہ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا ترجمہ کرتے ہوئے ''ظاہر صورت بشری'' کے الفاظ استعمال کر کے تحریف کی ہے۔

تو اس کا جواب یہ کہ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کا ترجمہ قرآن محض لفظی ترجمہ نہیں ہے (اور محض لفظی ترجمہ قرآن مجید میں ہر جگہ کرنا شرعاً ممکن بھی نہیں)، مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ تفسیری ترجمہ ہے، جو دیگر آیات و احادیث کی روشنی میں کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۹۵) ''کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو پھر ہم اُن پر آسمان سے فرشتہ رسول بھیجتے''، اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ زمین پر چونکہ بشر رہتے ہیں لہٰذا اُن کی طرف بشر رسول بھیجے گئے ہیں، اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ملک رسول جن پر نازل ہوتے ہیں (یعنی انبیاء کرام) تو اُن کا باطن ملکی (یعنی فرشتوں والا نوری) ہوتا ہے، اور اس کے نتیجے کی تائید میں وہ روایات ہیں جن میں آیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کی نشو ونما اہل جنت کی روحوں (ملائکہ) کی طرز پر ہوتی ہے (کنز العمال، حدیث ۳۲۵۵۱، ۳۲۵۵۲، ۳۵۵۶۰)، اور بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''انی لست کھیئتکم'' (بخاری، حدیث ۱۹۶۳، مسلم کتاب الصیام، حدیث ۵۵) ''یعنی میں حقیقت کے لحاظ سے تم جیسا نہیں ہوں''، اگر انبیاء کرام کی حقیقت وہیئت اور باطن ملکی (نوری) نہ تھا تو اُن پر ملک رسول کا نزول کیونکر درست ہوا، اس صورت میں تو نزولِ ملائکہ، نزول وحی و کتاب ہی مذکورہ آیت کی رو سے سرے سے درست نہیں رہتا، ان شرعی دلائل کی روشنی میں مولانا احمد رضا خاں نے ترجمہ کیا تھا کہ میں ظاہری صورت بشری میں تم جیسا ہوں، اگرچہ اس میں بھی تواضع و انکساری موجود ہے، اس لئے ''تم جیسا'' فرمایا گیا، تمہارے برابر نہیں فرمایا گیا، مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ میں اس مقام پر اعتراض کرنا دیگر نصوص سے آنکھیں بند کرنے کا نتیجہ ہے جو کھلی آنکھ والوں کو زیب نہیں دیتا۔

۸۔ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ (سورۃ النجم، آیت ۱) کے ترجمے کے سلسلے میں بھی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ پر اعتراض کیا ہے اور یہ پوچھا گیا ہے کہ کسی غیر بریلوی نے یہ معنی مراد لیا ہے؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے کہ یہاں نجم سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، چنانچہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب "الشفاء" میں، ملا علی قاری اور علامہ شہاب الدین خفاجی اپنی اپنی شرح شفاء میں، امام رازی تفسیر کبیر میں، تفسیر خازن و معالم التنزیل میں، تفسیر سراج المنیر میں، تفسیر بحرالمحیط میں تفسیر الجامع لاحکام البیان قرطبی میں، تفسیر روح المعانی میں یہ معنی دیگر معانی کے ساتھ ساتھ موجود ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرآن ذو وجوہ ہے اور اسے احسن الوجوہ پر محمول کرنا چاہیے، یعنی یہ کثیر المعانی ہے اور حسین ترین معنی لینا چاہیے، مولانا احمد رضا خاں کو اس مقام پر امام جعفر صادق والا معنی زیادہ اچھا لگا، انہوں نے وہ معنی پیش کر دیا، نبی کریم ﷺ مشبہ ہیں اور ستارہ مشبہ بہ ہے اور وجہ تشبیہ دونوں کا نورانی ہونا اور پیارا لگنا ہے، اسی لئے مولانا احمد رضا خاں نے پوری تشریح کے ساتھ اس تشبیہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا "اس پیارے چمکتے تارے محمد (ﷺ) کی قسم جب یہ معراج سے اُترے"، رہ گئی "صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ ترجمہ میں داخل نہ کرنے کی بات تو کیا ہمارے مخالفین کے یہاں ترجموں میں جہاں جہاں بھی نبی کریم ﷺ کا نام مبارک یا ذکر مبارک یا ضمیر آئی ہے وہاں اُن کے مترجمین نے ہر جگہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال کیا ہے؟ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، ابھی ہم نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے "صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ کے ساتھ درود سکھایا ہے یا نہیں؟ البتہ لگے ہاتھوں یہ بتاتے چلیں کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد کے ترجمہ قرآن کے غیر بریلوی حاشیہ میں بھی یہ لکھا ہے کہ نجم سے نبی پاک ﷺ بھی مراد لئے گئے ہیں (حاشیہ ترجمہ ثنائی، ص ۶۳۰) اور مولوی محمد بن بارک اللہ لکھوی غیر مقلد بھی اپنی پنجابی منظوم تفسیر محمدی میں یہ معنی تسلیم کر چکے ہیں۔

جعفر صادق کہے مراد محمد نجموں آیا
جاں شب معراج آسمانوں تھا طرف زمین سدھایا

(تفسیر محمدی، جلد ۷، ص ۳۸)

وللناس فی مایعشقون مذاهب

۹۔ یہ اعتراض بھی کیا کہ شجرہ رضویہ میں حضور ﷺ کے علاوہ دوسرے بزرگوں پر بھی درود بھیجا۔ اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ شجرہ رضویہ میں ہر بزرگ کے نام کے ساتھ جو درود شریف کے الفاظ ملتے ہیں، تو ان لفظوں میں پہلے نبی کریم ﷺ پر پھر باقی بزرگان سلسلہ اور پھر اُس نام والے بزرگ پر درود پڑھا جاتا ہے، یہ اس طرح تبعاً درود شریف پڑھنا ہے جو جائز ہے، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دُرود صدقہ کے الفاظ یوں سکھائے ہیں "اللهم صل علی محمد عبدک ورسولک وصل علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات"

(صحیح ابن حبان، ج ۳، ص ۷۶۔ الادب المفرد، حدیث ۶۴۰۔ مسند ابو یعلیٰ، ج ۲، حدیث ۱۲۹۷۔ مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۱۶۷، احسن الکلام، ص ۶۶ مطبوعہ سیالکوٹ، از مولوی عبدالغفور اثری غیر مقلد)

جب مسلمین و مسلمات اور مومنین و مومنات پر تبعاً دُرود بھیجنا جائز ہے تو سلسلہ قادریہ کے اولیاء کرام نے کیا قصور کیا ہے؟ جب کہ اس شجرہ میں بھی پہلی سطر میں نبی کریم ﷺ پر ہی درود بھیجا گیا ہے، اگر یہاں اعتراض جائز ہے تو پھر کیا دُرود صدقہ پر بھی معاذ اللہ جائز ہوگا؟

اللهم صل وسلم وبارک علیہ وعلیهم وعلی المولی الشیخ جنید البغدادی رضی اللہ تعالی عنہ، رضویہ شجرۂ طریقت کے اس تذکرہ میں ہر بار پہلے نبی کریم ﷺ پر پھر سب آل پر اور پھر ایک شیخ طریقت پر درود بھیجا جاتا ہے، اس قسم کا درود باجماع اُمت جائز ہے، امام نووی سے ابن قیم نے نقل کیا ہے کہ واتفقوا علی جواز جعل غیر الانبیاء تبعا لهم فی الصلاۃ (جلاء الافہام، ص ۲۸۳)، غیر نبی کو نبی کے تابع کر کے اُس پر درود بھیجنے پر سب کا اتفاق ہے، ابن قیم نے

اس سے پہلے لکھا ہے کہ غیر نبی پر براہ راست درود بھیجنے میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ حرام ممنوع ہے، دوسرا یہ کہ مکروہ تنزیہی ہے، یہ اکثرین کا قول ہے، تیسرا یہ ترک اولیٰ ہے۔ (جلاء الافہام، ص۲۷۷، ۲۷۸)، ابن قیم نے تو براہ راست صحابہ کرام پر صلوٰۃ بھیجنے کے اقوال و احادیث بھی بیان کئے ہیں، آپ کو فکر لاحق ہے کہ درود ابراہیمی کی بجائے دوسرے درود پڑھنے سے درود ابراہیمی خطرے میں پڑ جائے گا، حالانکہ آپ خود بھی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا درود پڑھتے اور لکھتے ہیں جس کے بارے میں آپ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ الفاظ بھی نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا نام مبارک آنے پر پڑھنے سکھائے ہوں، اور تمام محدثین اسی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' (جو بدعت حسنہ اور ایجاد بندہ درود ہے) کے سہارے چل رہے ہیں۔

۱۰۔ اس تحریر میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنے پر بھی اعتراض کیا گیا ہے، حالانکہ قرآن پاک میں رضی اللہ عنہم کے الفاظ صرف مہاجرین وانصار کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ مہاجرین وانصار کی اتباع کرنے والے تمام افراد کے لئے یہ الفاظ ہیں، اسی لئے مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد نے ترجمہ کیا ''مہاجرین وانصار اور جو اُن کی نیک روش کے تابع ہوئے (آج سے قیامت تک) خدا اُن سب سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی'' (ترجمہ ثنائی، ص ۲۴۳، سورۃ توبہ، آیت نمبر ۱۰۰، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)، لیجئے اب تو قیامت تک کے تمام نیک روش والے لوگ رضی اللہ عنہم قرار پائے ہیں۔ سورۃ البینہ میں ایمان، اعمال صالحہ اور خشیت الٰہی کے جامع افراد کو رضی اللہ عنہم کے الفاظ سے یاد کیا گیا اور سورۃ توبہ میں اتباع صحابہ اور حالت احسان کو اپنانے والوں کو رضی اللہ عنہم کی خبر سے نوازا گیا، (سورۃ فاطر، آیت ۲۸ میں خشیت الٰہیہ والوں کو علماء حق مانا گیا)، ان آیات کی روشنی میں ایمان، اعمال صالحہ، اتباع صحابہ، خشیت الٰہی اور حالت احسان کے ساتھ عبادت کرنے والوں کو رضی اللہ عنہم کے الفاظ کا حق دار ماننا پڑتا ہے۔ اگر مخالفین میں ان صفات کے جامع افراد موجود نہ ہوں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو رضی اللہ عنہم کے الفاظ بطور خبر بولے، کیا اُن الفاظ کو ہم بطور دُعا کسی کے لئے بھی نہیں بول سکتے؟ اور دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہمارے مخالف جب کسی صحابی کا نام لے کر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تو وہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ بطور خبر بولتے ہیں یا بطور دُعا؟ اگر بطور دعا بولتے ہیں تو کس آیت یا حدیث میں آیا ہے کہ جب صحابی کا نام لو تو رضی اللہ عنہ کے لفظوں سے اُسے دعا دیا کرو اور بعد والوں کے لئے کسی کو بھی یوں نہ کہو کہ ''اللہ تجھ سے راضی ہو''۔

۱۱۔ وقعات السنان کی زبان پر اعتراض کا جواب

نبی کریم ﷺ کے مخالفین کی توہین کرنے کے لئے صریح یا پہلودار کلمات کا استعمال ہرگز گناہ نہیں، قرآن وحدیث میں اُن کے لئے ملعون، خبیث، کتا، گدھا، جانور، جانوروں سے بدتر، شرّ البریہ وغیرہ کے کلمات ملتے ہیں، گستاخ رسول کے لئے سورۃ القلم میں زنیم (بد اصل، حرام زادہ) کا لفظ ملتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ بن مسعود کو ایک ایسے ہی موقع پر فرمایا تھا اُمصص بظر اللات، یعنی لات کی بظر کو چوس (suck the clitoris of Laat.) (بخاری، کتاب الشروط، باب الجہاد والمصالحہ...... حدیث نمبر ۲۷۳۱-۳۲)۔ (لغات الحدیث، جلد ۱، ص ۷۵، از نواب وحید الزماں)

(ظلم وظالم کے خلاف) مظلوم کی زبان سے نکلے ہوئے سخت الفاظ (جہر بالسوء من القول) بھی اللہ کو محبوب ہیں۔ (سورۃ نساء، آیت ۱۴۸)

وقعات السنان میں توہین کا پہلو رکھنے والی عبارات اس لئے لائی گئیں کیونکہ مخالف اپنی گستاخانہ عبارات کے بزعم خویش غیر توہینی پہلو پیش کرتے تھے، تو جواب میں ایسی زبان اُن کے اکابر کے بارے میں بولی گئی، جس میں ایک پہلو گستاخی کا بھی تھا، پہلودار گستاخانہ زبان سے اُنہیں یہ جتلانا مقصود تھا کہ درست معنی ملنے کے باوجود بھی گستاخانہ پہلو غالب رہتا ہے، اور آج تک وقعات السنان کی زبان

کے اس پہلو کو دکھا کر وہ چیخ رہے ہیں اور یہی وقعات السنان کا مقصود تھا کہ واضح ہو جائے کہ پہلو دار زبان اور احتمال دار عبارت کے عرف میں گستاخانہ مفہوم کو غالب مانا جائے گا اور دوسرے پہلو مسترد کر دیئے جائیں گے۔

۱۲۔ مولانا احمد رضا خاں کی کتاب ''سبحان السبوح'' کی عبارات پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے، تو عرض ہے کہ سبحان السبوح اور فتاویٰ رضویہ میں وہابیہ کے اُس معروف قاعدے کی حقیقت کھولی گئی ہے کہ جب تم کہتے ہو کہ ''اگر خدا جھوٹ نہ بول سکے تو بندے کی قدرت خدا سے بڑھ جائے گی اور جیسی برائی بندہ کر سکتا ہے ویسی خدا بھی کر سکتا ہے'' (مفہوم رسالہ ''یک روزی'' وغیرہ)۔

وہابیہ کے اس عقیدہ کی رو سے دنیا جہان میں جو بھی بندہ جس قسم کی بھی برائی کر رہا ہے وہ خدا بھی کر سکتا ہے، ان برائیوں کو خدا کے لئے ممکن ومقدور ماننا خدا کی گستاخی ہے، اس موقف کی قباحتوں کو مولانا احمد رضا خان اس قدر کھول کر بیان فرماتے ہیں کہ تمام مخالفین کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ یہ نظریات تو اللہ تعالیٰ کی توھین ہیں، اور یہی کچھ مولانا احمد رضا خان آپ سے منوانا چاہتے تھے، جو آج آپ بھی مان رہے ہیں۔

۱۳۔ آپ کو مزارات پر ہونے والی نظارہ بازی، فحاشی اور اختلاط اور سجدہ ہائے تعظیمی پر اعتراض ہے۔

جواباً عرض ہے کہ وہ لوگ جو مزارات پر سجدے کرتے ہیں یا نظارہ بازی اور فحاشی کا ارتکاب کرتے ہیں وہ علمائے اہل سنت کے فتوے اور مسلکے کے تارک ہیں، اور ان مسائل میں وہ غیر مقلد ہیں، ہاں اگر ہمارا کوئی عالم ان باتوں کے جواز کا فتویٰ دیتا ہے تو وہ آپ پیش کریں اور ہم سے جواب مانگیں، مزارات پر نظارہ بازی اور فحاشی کرنے والے لوگ ہمارے نزدیک گناہ گار اور فاسق ہیں اور ان باتوں میں وہ فقہ حنفی کو نہیں مانتے اور غیر مقلد ہیں، اور یہ محض کہنے کی بات نہیں بلکہ نظارہ بازی کو جائز کرنے کے لئے اہل حدیث حضرات کا فتویٰ موجود ہے، ''بڑے آدمی کو اگر چہ داڑھی والا ہو عورت کا دودھ چوسنا اس لئے جائز ہے کہ نظارہ کرنا جائز ہو سکے'' (عرف الجادی، از نواب صدیق حسن خاں بھوپالی غیر مقلد، مطبوعہ بھوپال ۱۳۰۱ھ، ص ۱۳۰۔ الدررالبھیۃ، از قاضی شوکانی، مطبوعہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس قذافی سٹریٹ ۱۷ اُردو بازار لاہور، ص ۲۶)

جب نظارہ بازی جائز کرنے کے لئے داڑھی والا مرد کسی عورت کا دودھ چوسے گا تو شہوت بھی اجاگر ہوگی، پھر وہ دوسرے غیر مقلد کے مسئلے پر عمل کرے گا، جس کے بارے میں وحید الزماں نے لکھا ہے کہ ہمارے ہی بعض اصحاب متعہ کے نکاح کو جائز کہتے ہیں (نزل الابرار)، یہ نظارہ بازی اور متعہ بازی مزارات پر ہو یا کہیں اور ہو تو ہمارے نزدیک نافرمانوں کا اور غیر مقلدوں کے نزدیک اُن کے ساتھ والے غیر مقلدوں کا فعل ہوگا۔ یہ نظارہ بازی اور فحاشی مزارات پر، بازاروں میں، سکولوں اور کالجوں میں، غیر مقلدوں کی عیدگاہوں میں اور اُن کے جمعہ کے اجتماعات میں بھی تو دیکھی ہی گئی تھی، اُن کے ٹیوشن سنٹروں اور گھروں میں بھی صائمہ روپڑی جیسے مشہور زمانہ واقعات کسی مزار پر حاضری کا شاخسانہ نہیں ہیں۔

۱۴۔ وہابی کا لفظ کبھی تو آپ لوگ گالی سمجھ کر انگریز حکومت کو درخواست دیتے ہو کہ ہمیں وہابی نہ کہا جائے اور ہمیں اہلحدیث کہا جائے، اور جب موڈ بدلتا ہے اور طبیعت ہشاش بشاش ہوتی ہے تو کہتے ہو کہ وہابی کا معنی ہے وہاب والا، اللہ والا اور ساتھ ہی یہ شعر گنگناتے ہو۔

وہابی کا مطلب ہے رحمان والا
کچھ اور ہی سمجھا ہے شیطان والا

(کتاب ''ہم اہلحدیث کیوں ہیں؟'' از عبدالغفور اثری، ص ۹۷)

گویا

ع حضرت شیخ کا قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

۱۵۔ نبی اور وارث نبی کی قبروں پر بناء اجماع صحابہ سے ثابت ہے

اور اس اجماع میں آپ کی پیش کردہ روایات کے راوی صحابہ کرام بھی شامل ہیں، آپ نے ہم اہل سنت کی طرف سے پیش کردہ مدلل مضمون (بناء علی القبر) کو دیکھ کر بوکھلاہٹ میں جو کچھ لکھا، تو اُس کا جواب بھی اُسی مضمون کے اندر موجود ہے، ذرا سا تفکر و تدبر فرمانے کی ضرورت ہے، اسی تحریر میں کہا گیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی قبروں کو بناء کے اندر کیوں نہ بنایا گیا یا اُن پر قبہ کیوں نہ بنا؟

جواباً عرض ہے کہ رسول کریم ﷺ کے کسی کام کے نہ کرنے کی وجہ ممانعت ہی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات دیگر مصروفیات یا عدم توجہ یا عدم ضرورت یا کسر نفسی اور تواضع یا غلط فہمی نو مسلماں، یا خدشہ فرضیت بر اُمت یا عدم عادت وغیرہ کی وجہ سے بھی آپ ایک کام نہیں فرماتے، لہٰذا کسی کام کا نہ کرنا اُس کے ممنوع ہونے کی قطعی دلیل نہیں اور ہمارے نزدیک روضہ بنانا فرض، واجب یا لازمی ہرگز نہیں کہ ہم پر یہ سوال ہو سکے۔

۱۶۔ احمد رضا خاں کے شیعہ ہونے کا ثبوت یہ پیش کیا گیا کہ ان کا نسب نامہ یہ ہے: "احمد رضا ولد نقی علی ولد رضا علی ولد کاظم علی"

جواب

حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ کا خاندانی نسب نامہ اس طرح ہے:

"احمد رضا خاں ابن حضرت مولانا نقی علی خاں بن حضرت مولانا رضا علی خاں بن حضرت مولانا حافظ محمد کاظم علی خاں بن حضرت مولانا شاہ محمد اعظم خاں بن حضرت محمد سعادت یار خاں بن حضرت محمد سعید اللہ خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین"

(حیات اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی، ص ۲)

کیا امام زین العابدین، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا، امام نقی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شیعہ تھے؟، لاحول ولا قوۃ الا باللہ

خود ان وہابیوں کے اکابر علماء کے نام ملاحظہ ہوں، شیخ الکل مولوی نذیر حسین محدث دہلوی (غیر مقلد)، مولوی نواب صدیق حسن بھوپالی (غیر مقلد)، مولوی محمد حسین بٹالوی (غیر مقلد)، مولوی سید شریف حسین، مولوی ڈپٹی سید احمد حسن، مولوی سید امیر حسن سہسوانی، مولوی سبط احمد، مولوی حکیم مظہر علی، مولوی محمد تقی، مولوی سید علی، مولوی سید اولاد حسن، مولوی نواب سید علی حسن بھوپالی، مولوی سید حیدر علی، مولوی خرم علی بلہوری، مولوی مرزا احسن علی لکھنوی۔

(تراجم علمائے حدیث ہند، از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، مطبوعہ مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ، کراچی، ص ۳۳ تا ۱۳)

کیا یہ غیر مقلد مولوی شیعہ تھے؟ اگر نہیں تھے تو کیوں؟

"سنن ابن ماجہ" کے مقدمہ میں حدیث نمبر ۶۵ کے تحت درج ہے: "حدثنا علی بن موسیٰ الرضا عن ابیه عن جعفر ابن محمد عن ابیه عن علی ابن الحسین عن ابیه عن ابی طالب"

ابن ماجہ کے دادا استاد ابوصلت نے کہا: لو قریء ھذا الاسناد علی مجنون لبرأ یعنی اس سند کو اگر کسی مجنون پر پڑھا جائے تو اس کا جنون دور ہو جائے۔ (سبحان اللہ)

لیکن کیا کیجئے، ان جہلائے وہابیت کی بدبختی کا کہ وہ ان بابرکت ناموں کو دیکھیں تو ان کا پاگل پن اور زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ ان اسماء مبارکہ کو یکجا لکھا دیکھ کر شیعہ شیعہ کا نعرہ لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۱۷۔ "علمائے اہل سنت سے روح اعلیٰ حضرت کی فریاد" نامی کتابچہ دیوبندیوں نے تقیہ کے طور پر لکھا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کئی شیعہ ماضی میں بظاہر سنی بن کر کتابیں لکھتے رہے، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "میزان الکتب" از مولانا محمد علی، جامعہ رسولیہ شیرازیہ، بلال گنج لاہور)، اسی طرح وہابیوں نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے نام سے "البلاغ المبین" اور "تحفۃ الموحدین" جیسی کتابیں لکھیں، یہ بدمذہبوں کا ایک پرانا حربہ ہے

اور یہ منافقانہ حرکتیں منافقانہ مذاہب کو ہی زیب دیتی ہیں، ایسی کتابوں پر اُن کو فخر کرنا بھی سجتا ہے اور اس کتابچہ میں تقریباً وہی مواد ہے جو کتاب ''رضا خانی مذہب'' میں مولانا احمد سعید قادری نے لکھا اور یہ سب کچھ اور بہت کچھ لکھنے کے بعد کتاب رضا خانی مذہب کا مصنف اپنی باطل حرکتوں سے توبہ تائب ہوا اور حق قبول کر کے مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے مسلک پر آگیا ہے، یہ چھوٹے موٹے پمفلٹ اُسی کتاب کے بغل بچے ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

۱۸۔ ''تجانب اہل سنت'' ایک غیر معتبر عالم محمد طیب داناپوری کی غیر محققانہ کتاب ہے، ہمارے اکابر علماء اس سے بارہا اظہار برأت کر چکے ہیں، کیونکہ اس کتاب میں مختلف افراد پر جن عبارات یا اقوال کی بنیادوں پر تکفیر کی گئی ہے، تو بعض عبارات یا اقوال تو اخباری تراشوں کی حیثیت رکھتے ہیں، اور بعض کفریہ عبارات واقعی ثابت ہیں، مگر وہاں بے خبریٔ فتویٰ کی وجہ سے صاحب قول کا التزام کفر ثابت نہیں اور بعض لوگوں کا لزوم کفر کا فتویٰ دیکھ کر توبہ کر لینا منقول ہے۔

۱۹۔ معترضین نے رسالہ ''تنویر الحجہ'' سے یہ غلط سمجھ لیا ہے کہ ہمارے نزدیک حج ممنوع یا منسوخ ہو چکا ہے، تنویر الحجہ میں اُس سال (۱۳۴۵ھ) حج کو فقط ملتوی کرنے کی بات کی گئی تھی، جیسا کہ سائل نے بھی فتویٰ کے شروع میں ہی ذکر کیا تھا کہ ''مسلم اہل حل و عقد نے امسال التواءِ حج کو اصلاح حالات حجاز و دفع مظالم اہل نجد و دفاعِ سطیرۃ ظالمین و مفسدین کے لئے ضروری سمجھا ہے'' (تنویر الحجہ، ص ۲)، آگے فتوے کی بنیادی یوں بیان کی ''نجدی بھی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ امن شرطِ فرضیت حج ہے'' (تنویر الحجہ، ص ۲۳)، اُن خطرناک حالات میں بھی اُس سال التواءِ حج کا فتویٰ دیتے ہوئے بھی یہی فرمایا کہ ''حج کو جو مسلمان جائے گا اور حج کرے گا تو حج ہو جائے گا'' (تنویر الحجہ، ص ۲۵)، اُن سالوں میں نجدیوں نے حجازِ مقدس پر چڑھائی کی تھی اور عامۃ المسلمین کا قتل عام کیا تھا اور صحابہ و اہل بیت کے مزارات کا بھی قتل عام کیا تھا اور انہیں مسمار کر کے برابر زمین کیا تھا، متعدد علمائے اہل سنت کو شہید اور قید کیا، ان حالات میں اہل سنت پر خوف و ہراس طاری تھا اور اُس وقت التواءِ حج کا فتویٰ دیا گیا، اور نبی کریم ﷺ نے بھی صلح حدیبیہ کے موقع پر التواءِ حج ہی فرمایا تھا اور یہ سنت ہمارے اکابر کے حصے میں بھی آئی ہے۔

۲۰۔ ایک اعتراض یہ کیا کہ:

''مسلک بریلویت کے ایک قلمکار اور خلیفہ ظفر الدین بہاری نے اپنے اعلیٰ حضرت کا ایک خط اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بریلویت کے بانی جناب احمد رضا خان کا مبلغ علم کتنا تھا؟

جناب احمد رضا خان اپنے ایک معاصر کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں ''تفسیر روح المعانی کون سی کتاب ہے اور یہ آلوسی بغدادی کون ہیں؟ اگر ان کے حالات زندگی آپ کے پاس ہوں تو مجھے ارسال کریں۔ (بحوالہ حیات اعلیٰ حضرت، ۲۶۶)

جو محترم اعلیٰ حضرت ایک معروف مفسر قرآن محمود آلوسی کے نام سے تک ناواقفیت کا اعلان کرتے ہوں، علم رجال پر آپ جناب کی کیسی دسترس ہوگی، کیا یہ بتانے کی کوئی ضرورت بھی ہے؟

جواب

عرض ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس غیر مقلد وہابی نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' کتاب دیکھی ہی نہیں ورنہ یہ نہ لکھتا کہ ''اپنے ایک معاصر کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں'' اور اس کتاب کا صفحہ بھی غلط نہ لکھتا۔

اس مکتوب میں مخاطب مولانا ظفر الدین بہاری ہی ہیں اور اس کا درست صفحہ نمبر ۲۶۲ ہے، ''حیات اعلیٰ حضرت'' حصہ اوّل از مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، آرام باغ کراچی، ص ۲۶۲ پر امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک مکتوب محررہ ۱۷ رذی الحجہ یوم الخمیس ۱۳۳۳ھ بنام مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ شائع ہے، جس کے شروع میں درج ذیل

عبارت ہے:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عبارات تفاسیر آئیں، باقی بھی درکار ہیں، (تفسیر) جمل وجلالین یہاں ہیں، یہ روح المعانی کیا ہے؟ یہ آلوسی بغدادی کون ہے، بظاہر کوئی نیا شخص ہے اور آزادی زمانہ کی ہوا کھائے ہوئے ہے، مصنف کا ترجمہ (یعنی حالات) یا کتاب کا سال تالیف لکھا ہو تو اطلاع دیجئے''۔

۱۳۳۳ھ تک محمود آلوسی بغدادی مفسر کی شہرت برصغیر میں زیادہ نہیں تھی، اس لئے اُس کے نام یا کام تک سب لوگوں کی مفصل رسائی نہ تھی، محمود آلوسی (پ ۱۲۱۷ھ۔ف ۱۲۷۰ھ) نے ۴۳ سال کی عمر میں ۱۲۶۷ھ میں تفسیر روح المعانی مکمل کی، جسے مکمل کرنے کے تین سال بعد وہ فوت ہوگئے، اور اُن کی وفات کے اکتیس سال بعد ۱۳۰۱ھ میں محمود آلوسی کے نجدیت زدہ بیٹے نعمان آلوسی نے کچھ گڑبڑ کرکے تفسیر روح المعانی کو شائع کیا، یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی نے بھی لکھا تھا'' یہ آلوسی بغدادی کون ہے بظاہر کوئی نیا شخص ہے اور آزادی زمانہ کی ہوا کھائے ہوئے ہے'' اگر تمام معاصرین سے اور اُن کے کاموں سے باخبر رہنا اتنا لازمی ہے کہ بے خبر کو علم رجال میں کمزور ماننا لازم آئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جناب کا کیا خیال ہے، جن کے بارے میں آپ ہی کے علماء ملکہ سبا اور اُس کی حکومت سے بے علم رہنے کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، اور دیگر انبیاء کرام کی ماضی یا مستقبل یا اُن کے معاصرین کے بعض واقعات پیش کرکے اُن کی کم علمی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، تو اس سے کیا اُن کے علم رجال پر بھی حرف آتا ہے یا نہیں؟ اور آپ کے اہل حدیث حضرات کا علم رجال ہم سے مخفی نہیں ہے، مثلاً آپ کے محقق عبدالغفور اثری اپنی کتاب ''ندائے یا محمد'' کی تحقیق میں تفسیر حقانی کے مصنف ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی (متوفی ۱۳۳۵ھ) کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) قرار دیتے چلے جاتے ہیں، (ندائے یا محمد، از عبدالغفور اثری، مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۹۵ء، ص ۸۲)، آپ کے زبیر علی زئی کہتے ہیں کہ ابو محمد بخاری حارثی جامع مسند امام اعظم کی توثیق کسی نے نہیں کی (ماہنامہ الحدیث، شمارہ ۲۳، ص ۵۴)، حالانکہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انہیں محدّث امام اور علامہ تسلیم کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ، ج ۳، ص ۴۹)، ماضی یا حال کے علاوہ مستقبل کے علم رجال کے بارے میں بھی آپ کی جماعت کی فتوحات لائق داد و تحسین ہیں، چنانچہ حافظ عبدالقادر روپڑی کی کتاب ''فتوحات اہل حدیث'' ملاحظہ ہو، ایک مناظرہ ۱۹۵۷ء میں کراچی میں کرتے ہیں اور اُس میں کتاب ''وہابیت اور مرزائیت'' کا حوالہ دیتے ہیں جو ۱۹۷۴ء کے بعد لکھی گئی ہے، (فتوحات اہل حدیث، ص ۶۰، ۹۲)، جو کتاب سترہ سال بعد میں معرض وجود میں آئی اُس کا حوالہ سترہ سال پہلے دے دینا علم رجال کا کمال نہیں تو اور کیا ہے؟

مناظرہ ۱۹۵۲ء میں کھنڈا موڑ ضلع شیخوپورہ میں ہوا اور حوالہ مولانا منظور احمد فیضی کی کتاب ''مقام رسول'' کا دیا گیا جو تقریباً ۱۹۶۵ء میں مکمل ہوئی تھی، (فتوحات اہل حدیث، ص ۱۰۴، ۱۲۱)، ۱۳ سال بعد چھپنے والی کتاب کا حوالہ ۱۳ سال پہلے مناظرے میں دینا علم رجال میں کمال نہیں تو اور کیا ہے؟

مناظرہ ۱۹۵۷ء میں کراچی میں ہوا اور اُس میں ۱۹۸۰ء کی ایران عراق جنگ کا تذکرہ بھی کیا گیا (فتوحات اہل حدیث، ص ۶۰، ۸۰)۔

مناظرہ ۱۹۶۲ء میں لاہور میں ہوا اور اُس میں اُن کتابوں سے بھی حوالے پڑھ کر سنائے گئے جو کافی بعد لکھی گئیں، مثلاً انوار رضا، فتاویٰ نعیمیہ وغیرہ۔

مستقبل میں شائع ہونے والی کتابوں کے حوالے دینا یقیناً حافظ عبدالقادر روپڑی کا علم رجال میں کمال ہی ہے اور اس قسم کے کمال ہی مسلک اہل حدیث کا فی زمانہ طرۂ امتیاز ہیں، اور اُس کی فتوحات کا باعث ہیں، ایسے علم رجال کے کمال سے ہماری محرومی پر اعتراض کرنا کسی باذوق غیر مقلد ہی کو زیب دیتا ہے۔

۲۱۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نزدیک ''مرتدین مرد یا عورت کا

تمام جہان میں جس سے نکاح ہوگا مسلم ہو یا کافر اصلی یا مرتد انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خالص ہوگا''۔ کیا بریلوی حضرات کے نزدیک انسان کا نکاح غیر انسان سے ممکن ہے؟

اس سلسلے میں پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں لف ونشر مرتب ہے، مسلم کو انسان اور غیر مسلم کو حیوان سے تشبیہ دی گئی ہے، اور غیر مسلم کو قرآن میں کـالانعام بل هم اضل (حیوانوں کی طرح بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے) قرار دیا گیا ہے، جس طرح قرآن کے اس مقام سے غیر مسلم کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح مولانا احمد رضا خاں کے اس مقام سے کافر اصلی و مرتد کو تکلیف ہوتی ہے۔

اور دوسرا جواب بر سبیل التنزل یہ ہے کہ یہاں مبالغہ بالمحال ہے، اور مختلف کاموں کی ترغیب یا ترھیب کے لئے مبالغہ بالمحال کا استعمال جائز ہے، مثال کے طور پر ایک حدیث پاک میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد بنائی اگر چہ وہ تیتر کے گھونسلے جتنی ہو، تو اللہ تعالیٰ اُس کا گھر جنت میں بنائے گا (۱)، مخالفین امام احمد رضا میں سے کون سا معترض ایسا ہے جو گھونسلے جتنی مسجد میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کر سکے، مبالغہ بالمحال سے جس طرح ترغیب جائز ہے تو ترھیب بھی جائز ہے۔

(۱)۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، ج ۱، ص ۲۴۴، حدیث ۷۳۸

ایضاً مسند امام احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۴۱۔

صحیح ابن حبان، ج ۴، ص ۴۹۰، حدیث ۱۶۱۰

صحیح ابن خزیمہ، ج ۲، ص ۲۶۹، حدیث ۱۲۹۲

المسند الطیالسی، ج ۱، ص ۶۲، حدیث ۴۶۱

المسند ابو یعلیٰ، ج ۷، ص ۸۵، حدیث ۴۰۱۸

المعجم طبرانی اوسط، ج ۲، ص ۲۴۰، حدیث ۱۸۵۷

البیہقی شعب الایمان، ج ۳، ص ۸۱، حدیث ۲۹۴۲

التاریخ الکبیر البخاری، ج ۱، ص ۳۳۱، حدیث ۱۰۴۶

جمع الفوائد، حدیث ۱۱۸۱، ۱۱۸۲

کنز العمال، حدیث ۲۰۷۲۷، ۲۰۷۲۸، ۲۰۷۵۳

جامع المسانید، للامام ابی حنیفہ، خوارزمی، ج ۱، ص ۸۲

التدوین فی اخبار قزوین، الرافعی، ج ۱، ص ۴۳۸

۲۲۔ آپ نے ابدال کے نظریہ کو شیعہ نظریہ بتایا ہے، حالانکہ حدیث ابدال تو مسند احمد، جلد ۵، ص ۳۲۲ پر بھی موجود ہے اور امام سیوطی نے ایک رسالہ میں بھی احادیث ابدال جمع کردی ہیں، ان سب احادیث کے انکار کے لئے لفظِ شیعہ کی آڑ لینا عجیب حرکت ہے، یہ وہ بندے ہیں کہ ارض وسماء ان کی تسخیر اور کنٹرول میں ہے (سورۃ لقمان، آیت ۲۰)، ان کے فوت ہونے پر ارض وسماء روتے ہیں (ترمذی، حدیث ۳۲۵۵، کتاب التفسیر، سورہ الدخان)، ان کی نیکیوں کی برکت سے ارض وسماء کو زندگی ملتی ہے، جب اللہ اللہ کرنے والوں میں سے آخری بھی نہیں رہے گا تو قیامت آجائے گی، لاتقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ (جامع صغیر۔ حم م ت عن انس رضی اللہ عنہ۔ مشکوٰۃ، ص ۴۸۰)، گویا غوث قطب کی وفات کے بعد ارض وسماء میں قیامت آجائے گی، اگر آپ لوگ قرآن فہمی اور حدیث فہمی سے محروم ہیں تو اس میں اہل سنت کا کیا قصور ہے؟

۲۳۔ حدائق بخشش کی ذمہ داری امام احمد رضا پر ہرگز نہیں، کیونکہ اُن کی وفات کے بعد مولانا محبوب علی صاحب نے مختلف جگہوں سے کلام جمع کر کے شائع کیا، اس نامکمل کلام اور ناقص ترتیب کی ذمہ داری امام احمد رضا پر ڈالنا سراسر ظلم ہے، اور محبوب علی صاحب نے بھی اس کی ناقص ترتیب سے پیدا ہونے والے توہینی مفہوم سے اپنا توبہ نامہ شائع کیا اور اُس صفحہ کو صحیح ترتیب سے شائع کیا، عجیب تحکم اور سینہ زوری ہے کہ توبہ نامہ دیکھ کر بھی اعتراض سے بعض نہیں آتے، حالانکہ حدیث میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ (جامع الصغیر، ج ۱، ص ۱۳۳)، اور قرآن میں ہے کہ ان اللہ یحب التوابین (۲:۲۲۲) انا پرستوں کو قرآن وحدیث پر بھی غور کرنا چاہئے۔

۲۴۔ آپ کہتے ہیں کہ مرزا غلام قادر قادیانی ولد مرزا غلام مرتضیٰ قادیانی، اُستاد ہے مولانا احمد رضا خاں کا۔

كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع (مسلم عن ابی ہریرہ صح۔ جامع صغیر، ج ۲، ص ۹۰)، یعنی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کرتا پھرے، مرزا قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر مولوی آدمی نہ تھا، وہ تو (دینا نگر ضلع گورداسپور) کا معزول تھانیدار تھا (رئیس قادیان، از محمد رفیق دلاوری، مطبوعہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، ملتان، ص ۳۱، ۳۵۔ سیرت المہدی، مؤلفہ مرزا بشیر الدین بن غلام احمد قادیانی، حصہ اوّل، مطبوعہ قادیان، ۱۹۳۵ء، ص ۱۳۴، ۱۳۵) اور ۱۸۸۳ء/ ۱۳۰۱ھ میں فوت ہوا، اُس کے ایک سال بعد ۱۸۸۴ء میں مرزا قادیانی کا نکاح آپ کے شیخ الکل فی الکل مولوی نذیر حسین محدث دہلوی نے پڑھایا (مطرقۃ الحدید، از مولوی یحییٰ گوندلوی)، کسی بدمذہب میں ہمت ہے تو ثابت کرے کہ مولانا احمد رضا خاں کا استاد مولانا مرزا غلام قادر بیگ بن حکیم مرزا حسن جان بیگ لکھنوی (پیدائش یکم محرم ۱۲۴۳ھ/ ۲۵ رجولائی ۱۸۲۷ء۔ متوفی یکم محرم ۱۳۳۶ھ/ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۱۷ء، از مرزا عبدالوحید بیگ نبیرہ مولانا غلام قادر بیگ، ماہنامہ سنی دنیا، شمارہ جون ۱۹۸۸ء) ہی مرزا قادیانی کا بھائی ہے، یہ جھوٹ سب سے پہلے خالد محمود دیوبندی نے اپنی کتاب ''دھماکہ'' میں لکھا پھر مکھی پہ مکھی مارتے ہوئے بغیر تحقیق کے احسان الٰہی ظہیر نے اپنی کتاب ''البریلویہ'' میں لکھ دیا، شرم نہیں آتی ان لوگوں کو جھوٹ بولتے ہوئے، نہ خوف خدا نہ آخرت کا خوف۔ اب یہ غیر مقلد اُسی کی اندھی تقلید میں تعصب میں اتنے اندھے ہو چکے ہیں کہ اللہ کریم نے ان سے تحقیق کی توفیق ہی چھین لی ہے، العیاذ باللہ

مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ نے مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ سے ایک مسئلہ پوچھا، جس کے جواب میں مولانا احمد رضا خاں نے تاریخی نام سے ایک رسالہ لکھا ''تجلی الیقین بان سید المرسلین'' (۱۳۰۵ھ)، پھر یہی مولانا مرزا غلام قادر بیگ ۱۳۱۰ھ میں کلکتہ سے استفسار کرتے ہیں، پھر ۱۳۱۱ھ اور ۱۳۱۲ھ میں کلکتہ ہی سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ پھر کلکتہ ہی سے ۱۳۱۴ھ میں مولانا احمد رضا خاں سے سوال کرتے ہیں۔ یہ فتوے، فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۲، طبع جدید (رضا فاؤنڈیشن لاہور)، ص ۱۵۲، فتاویٰ رضویہ جلد ۳، طبع قدیم، ص ۳۲۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۱، ص ۴۵ پر موجود ہیں، یہ وہابیہ کی کرامت ہی ہے کہ جو شخص ۱۳۰۱ھ میں فوت ہو اور پھر دوبارہ ۱۳۰۵ھ میں زندہ ہو جائے اور فتوے طلب کرے؟

۲۵۔ سگِ مدینہ کہنے پر اعتراض کیا ہے کہ مدینہ شریف میں کتوں کو مارنے کا حکم دیا گیا۔ جی ہاں! اور ہمیں یہ معلوم ہے کہ شکار کرنے والے اور مویشیوں وغیرہ کی حفاظت کے لئے پالے گئے کتوں کو مارنا منع ہے اور اُن کے گلے میں قلادہ بھی ڈال دیا جاتا ہے، البتہ آوارہ اور غیر مقلد کتے مارنے کا حکم اور اجازت موجود ہے، انسانوں میں سے کسی کا نام کلب، کلیب، کلاب، معاویہ رکھنا دوسری بات ہے، اس کا تعلق مجاز سے ہے اور سگِ مدینہ اور کلب علی کا تعلق بھی مجاز سے ہے، جس سے وفادار، دلیر محافظ مراد لیا جاتا ہے، اور سگِ مدینہ کی آڑ میں صحابہ و تابعین کے ناموں پر تبرا کیا گیا ہے جس کا حساب قیامت کو ہوگا۔

۲۶۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے وحدت الوجود سمجھانے کے لئے سورج اور چراغ کی مثال دی گئی تھی، آپ نے اسے اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف قرار دیا، حالانکہ اللہ کے نور کو اللہ نے خود ہی مصباح (چراغ) سے تشبیہ دے کر بات سمجھائی ہے (سورۃ نور، آیت ۳۵)، ہم پہ اعتراض کرو، قرآن پر تو زبان نہ کھولو۔

۲۷۔ یا اللہ میں استعانت بطور عبادت ہے اور یا جنید میں استعانت برائے توسل ہے، جو یا اللہ وہ خود کہہ رہا ہے اُس سے مطلب حاصل نہیں ہوا، اور یا جنید کہہ کر حضرت جنید سے جو یا اللہ (جل جلالہ) وہ کہلوا رہا ہے، اس سے مطلب حاصل ہو رہا ہے، معترض وہابی اگر تیرنا نہیں جانتا تو یا اللہ (جل جلالہ) کہتا ہوا دریا میں داخل ہو جائے اور ملاح کی کشتی کو وسیلہ نہ بنائے تو پتہ چل جائے گا کہ یا اللہ (جل جلالہ) کی دعا بھی اس کی قبول نہیں ہوتی اسی لئے کشتی کا وسیلہ تلاش کرتا ہے،

ایک صحابی کا غلام اللہ تعالیٰ کی پناہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہا تو مار کھاتا رہا، جب اُس نے رسول اللہ ﷺ کی پناہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ سے مدد لی تو مار ختم ہوگئی (مسلم، کتاب الایمان، باب صحبۃ الممالیک، حدیث ۴۳۰۹۔ کنز العمال، حدیث ۲۵۶۷۲)، اس لئے مومن کو چاہئے کہ وہ خوف خدا کو دل میں جگہ دیتے ہوئے، وسیلہ سے مدد لیتے ہوئے پھر دعا میں کوشش کرے تو پھر مقاصد میں کامیابی جلد ممکن ہے۔ (سورۃ المائدہ، آیت ۳۵)، حضرت محمد ﷺ اور اُن کی آل پر درود پڑھ کر اُن کی جوابی مدد کو وسیلہ بناتے ہوئے پھر دعا مانگے تو کامیابی ہوگی۔

۲۸۔ فوائد فریدیہ کے صفحہ ۷۸ سے "خدا سے کشتی" اور "دو سال چھوٹا" کے قول تو آپ نے دیکھے اور صفحہ ۸۳ سے "چشتی رسول اللہ" کا قول بھی آپ نے دیکھا، مگر اس بحث کے شروع میں صفحہ ۷۱ پر کی گئی وضاحت آپ نے نہ پڑھی کہ "جتنے صاحب اسرار وہاں تک پہنچے ہیں، انہوں نے ذوق اور مستی کا کلام فرمایا ہے، صوفیائے کرام اُن کو شطح کے نام سے تعبیر کرتے ہیں"، ملفوظات والے موسیٰ سہاگ بھی مجذوب (مست) ہیں، مستوں کی کوئی بات صحیح اور کوئی غلط نظر آتی ہے، حدیث پاک میں ہے کہ رفع القلم عن ثلاثہ عن المجنون المغلوب علیٰ عقلہ حتی یبرأ وعن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم (حم دک، ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی المجنون، حدیث ۴۳۹۸، ۴۴۰۳، عن علی وعمر (جامع صغیر، ج ۲، ص ۲۳)، مغلوب الحال مستوں سے اللہ نے قلم اُٹھالیا ہے مگر وہابی جب بھی جوش میں قلم چلاتا ہے، انہیں پر قلم چلاتا ہے، گویا رفع القلم عن ثلاثہ کی حدیث کا عملی منکر ہے، ورنہ مرفوع القلم تو شجر موسیٰ کی طرح احکام شرع کا مکلف نہیں ہے۔

۲۹۔ مولانا احمد رضا خاں نے جہاد کے حوالے سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں فرمایا کہ "جہاد میں پہل واجب ہے، ان احکام کا تعلق سلاطین اسلام وعساکر اسلام، اصحاب خزائن واسلحہ واستطاعت سے ہے...... ہندستان میں جہاں اگر دس مسلمان ایک مشرک کو قتل کریں تو معاذ اللہ دسوں کو پھانسی ہو، ایسی جگہ مسلمانوں پر جہاد فرض بتانے والا شریعت پر مفتری اور مسلمانوں کا بدخواہ ہے" (المحجۃ المؤتمنہ، ص ۴۰)، کیا اس فتوے میں انگریز کی حمایت کا ایک لفظ بھی ہے؟ غریب مسلمانوں کی جان بچانا مقصود ہے جو نظر آرہا ہے، مگر شاہ اسماعیل (متوفی ۱۸۳۱ء) نے انگریز کے خلاف جہاد سے روکا اور کہا اگر ان (انگریزوں) پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں (حیات طیبہ، ص ۲۹۴)، محمد حسین بٹالوی نے بھی کہا ہے کہ "انگریزوں سے جہاد کرنے کو وہ (اسماعیل) برملا ناجائز کہتے تھے" (اشاعۃ السنۃ، ج ۹، ص ۲۹، س ۲)، وہابیہ کے شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کو ۱۸۸۳ء میں انگریز کمشنر دہلی نے سفارشی رقعہ دیا کہ "انہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے" (الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۴۰)، ۱۸۷۶ء میں محمد حسین بٹالوی نے "الاقتصاد" لکھ کر جہاد کو حرام قرار دیا، اور ٹائٹل کے اندر اشتہار دیا کہ حامی حضرات سامنے آئیں ہم "سلطنت انگلشیہ کی نسبت ان کی وفاداری اور اطاعت شعاری کو خوب شہرت دیں گے" صلہ میں چار مربعہ اراضی بطور جاگیر ملی، نواب صدیق حسن خاں نے ۱۸۵۷ء کے مجاہدین کو گناہ کبیرہ کے مرتکب قرار دیا (عوائد الموائد، ص ۳۴)، ۱۹۲۸ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں قاضی سلیمان منصور پوری نے حکومت برطانیہ کی وفاداری کو مقصد ششم بتایا، (خطبات سلیمانی، ص ۲۴۱)، ۱۹۲۲ء میں اہل حدیث کانفرنس میں سیکرٹری ثناء اللہ امرتسری تھے، انہوں نے کانفرنس کے اغراض ومقاصد دیئے تو پہلی شق "حکومت برطانیہ سے وفاداری"، کاٹنے کا کہا تو سخت غصے میں آگئے (افادات مہر، ص ۲۳۶)، (مزید پڑھنے کے لئے کتاب "شیشے کے گھر" از محمد عبدالحکیم شرف قادری ملاحظہ فرمائیں)، دیکھا مولانا احمد رضا خاں غریب مسلمانوں کی جان بچارہے ہیں اور آپ کے وہابی انگریز کی وفاداری کررہے ہیں، انصاف کو آواز دو انصاف کہاں ہے؟

۳۰۔ محفوظ عن الخطاء کا قول، جہاں تک ضروریات دین اسلام اور

ضروریات مذہب اہل سنت کا تعلق ہے تو ان کی یقیناً نقطہ برابر خطاء بھی ثابت نہیں کی جاسکتی، البتہ سہو ہونا اور خطائے اجتہادی کا ہونا علیحدہ بات ہے، محبت کے غلبہ میں یہ بھی ممکن نہ مانے وہ غلطی پر ہے۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے۔

۳۱۔آپ نے غیر مقلدین علماء کے فحاشی والے حوالوں کے جواب میں یہ کہہ کر کہ ہم اُن کی بات نہیں مانتے، یہ اعتراف کرلیا ہے کہ آپ کے ہم مسلک علماء کے مسئلے فحش اور گمراہ کن ہیں اور ماننے کے لائق نہیں۔

ہم تو عرصہ دراز سے یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ آپ کے علماء اس لائق ہی نہیں کہ اُن کی بات مانی جائے، اور ضلوا فاضلوا کے مصداق ہیں، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرتے، الحمد للہ آپ نے بھی یہ بات کسی حد تک مان لی، ورنہ آپ کے مسلک کے لوگ ان علماء کو خدمات اہل حدیث کے سلسلے میں نمایاں کرکے پیش کرتے ہیں، مگر جب اُن کے گمراہ مسئلوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ان کو نہیں مانتے، اپنے گھر کے چوہے بلی کا یہ کھیل کھیل کر کب تک لوگوں کو بے وقوف بناؤ گے۔

۳۲۔چوتھے پلنگ پر کون تھا، اس ملفوظ سے آپ نے فحاشی اخذ کی ہے، اگر شیخ جسمانی طور پر مرید کے پاس ہو اور پھر میاں بیوی کے باہمی فعل کا مشاہدہ کرے تو یقیناً فحش بات ہے، مگر اس واقعہ میں ہرگز ایسا نہیں ہے، اس میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ مرید کا پلنگ وغیرہ شیخ کامل کی روحانیت کے علم وقدرت کی پہنچ (range) میں ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے ملکہ بلقیس کا پلنگ حضرت آصف برخیا کے علم وقدرت کی پہنچ میں تھا (سورۃ نمل، آیت ۳۸ تا ۴۱)، مخالفین اہل سنت ولی کی روحانیت اور اس کے علم وقدرت کے دائرہ کار سے انکار کے لئے فحاشی کا سہارا لے رہے ہیں، ان بے چاروں کو اتنا پتہ نہیں کہ احکام شرع ظاہری آنکھ پر لاگو ہوتے ہیں، اللہ کے نور سے دیکھنے پر نہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ سے تو کچھ مخفی نہیں۔

۳۳۔ایک ملفوظ پر اعتراض کیا کہ مزار کے حجرے میں کیا ہوا؟

نمبر۱۔اس واقعہ میں چند مسئلے ہیں، پہلا مسئلہ نامحرم عورت پر اچانک نظر پڑنا ہے، اس کے شرعاً جائز ہونے پر ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے۔

نمبر۲۔کنیز ہبہ کرنا، تاجر نے خادم مزار کو اور خادم مزار نے شیخ کے مرید کو کنیز ہبہ کی، اس سلسلے میں بخاری شریف، کتاب الھبہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ اگر تو اپنی لونڈی (کنیز) کو (آزاد کرنے کی بجائے) اپنے ماموں کو ہبہ کردیتی تو اس کا اجر بہت ہی زیادہ ہوتا، لہٰذا اس حدیث کی رو سے یہ مسئلہ بھی ہمارا اور آپ کا اتفاقی ہوا۔

نمبر۳۔لونڈی (کنیز) سے بغیر نکاح کئے مجامعت کرنا قرآن پاک کی رو سے جائز ہے (سورۃ مومنون، آیت ۶۔سورۃ المعارج، آیت ۳۰) "اپنی زوجہ یا لونڈی (کنیز) سے جماع کرنے والے پر کچھ ملامت نہیں"، مگر آپ لوگ ہماری کتابوں میں زوجہ سے شب باشی یا کنیز پر حجرے میں خلاصی پڑھ لیتے ہو تو ہم پر ملامت کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا غیر ملومین یعنی ان پر ملامت نہ کی جائے، جس فعل کے متعلق اللہ فرمائے کہ اُس پر ملامت نہ کرو، وہابی بے چارہ اُسی پر ملامت کرتا ہے، اور ان کا اپنا حال یہ ہے کہ مولوی غلام رسول غیر مقلد (قلعہ میاں سنگھ) کے سوانح حیات میں اُس کی پہلی کرامت بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ آپ کی کرامت سے ایک شخص ایک عورت کے ساتھ تین دن رات زنا کرتا رہا (سوانح حیات مولانا غلام رسول، ص۹۹، ۱۰۰)، حالانکہ کرامت تو تب ہوتی کہ زنا سے روکا جاتا، زنا کرانا کرامت نہیں، یہ تو شیطانیت ہے، مگر آپ کے ہم مسلک مُصر ہیں کہ اسے بھی اہل حدیث کی کرامت تسلیم کیا جائے، زوجہ سے شب باشی اور لونڈی سے بغیر نکاح خلاصی کے سوا جتنے طریقے ہیں وہ لائق ملامت ہیں، مگر آپ کے بعض غیر مقلد متعہ کے جواز کے قائل ہیں اور بعض مشت زنی واجب ہونے کے قائل ہیں اور اُن کے حوالوں پر ہم ملامت کرتے ہیں تو آپ کے مناظر جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں، عجیب اُلٹا مذہب ہے کہ جائز اور کارِ ثواب فعل پر ملامت کرتا ہے، مگر لائق ملامت باتوں کے جواز اور وجوب کا قول کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ''ملفوظات'' پر ایک تنقیدی نظر

مولانا فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی☆

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء مطابق ۱۲۷۲ھ تا ۱۳۴۰ھ) نے پینسٹھ سالہ زندگی میں متعدد علوم عقلیہ و نقلیہ کے جو جواہر آبدار لٹائے تو برصغیر میں علم وفن کی ایک نئی تاریخ بنی۔ دنیا میں بڑے بڑے عقلا اور دانشور آئے، بڑے بڑے زبان آور اور ادیب پیدا ہوئے۔ ارض گیتی نے بڑے بڑے کشور کشایان علم وفن اپنے دامن میں پروان چڑھایا۔ چشم فلک نے حکمت و دانائی اور فہم وفراست کے ان تاجوروں کو بھی دیکھا ہے جو علم وفن کے پہاڑ تھے۔ مگر یہ کون ہے جو بریلی کی سرزمین پر پیدا ہوا، وہیں پلا بڑھا، ۱۳ رسال کی عمر میں جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی۔ تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی کی طرف توجہ کی، علم وفن کے دریا بہائے۔ نادر تحقیقات کے اضافے فرمائے۔ زبان وادب کو نیا رخ دیا۔ اسلامی فکر و فلسفہ کا معیار قائم کیا۔ اور حقانیت کی علامت بن کر پوری علمی دنیا پر پائیدار نقوش ثبت کر گیا۔ اور کیوں نہ ہو، جس کا عالم یہ ہو کہ اکابر اس کی علمی وجاہت پر رشک کریں۔ ہم عصر اور اصاغر محو حیرت و استعجاب رہیں۔ علمی جولانیت، فقہی تدبر، وسعت مطالعہ، بلندیٔ فکر، بے مثال قوت حافظہ، زبردست قوت استدلال یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے فرد واحد میں جمع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب نظر نے انہیں اللہ کی نشانی کہا۔ ہمعصر علماء نے انہیں رسول کونین کا معجزہ قرار دیا۔ کسی نے مجدد اعظم کہا۔ کسی نے اعلیٰ حضرت کہا۔ کسی نے امام اہل سنت کہا۔

ذہن وفکر میں تخیلات نہیں نصوص کے سربستہ اسرار ڈھلتے تھے۔ دل میں عشق رسالت کا سمندر موجزن رہتا تھا۔ نوک قلم سے تحریر نہیں علم وفن کے آبشار پھوٹتے تھے۔ زبان سے الفاظ نہیں، حکمت ودانائی کے پھول جھڑتے تھے۔ تحریر وقلم کے باقیات صالحات تو سیکڑوں ہیں، لیکن ارشادات وفرمودات کا یہی ایک گل دستہ الملفوظ پوری قوم کے لئے ایک تحفہ بھی ہے، ایک دستور العمل بھی۔ ایک پیغام بھی ہے، اور ایک امانت بھی۔

امام احمد رضا کی تصنیفات تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ دقیق مضامین، استدلالی انداز بیان پر مشتمل تمام تصنیفات پوری دنیا کے لیے عموماً اور اہل سنت کے لیے خصوصاً ایک اہم نصاب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مگر کسی کو تنگیٔ وقت کا گلہ ہے تو کسی کو کثرت کار وافکار کا شکوہ۔ کسی پر مضامین کی وقت بھاری، تو کوئی ذوق مطالعہ سے عاری۔ لیکن الملفوظ تو ہر کس وناکس کے لیے تحفہ ہے۔ اس سے ہر شخص بآسانی اعلیٰ حضرت کے علمی وفکری فیوض سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔

ملفوظات کی تاریخی حیثیت:

ہر دور میں کسی برگزیدہ شخصیت کے فرمودات اور پند ونصائح کو ان کے معتقدین نے آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ بزرگوں کے فرمودات بڑے معنی خیز اور مؤثر ہوتے ہیں۔ ان کے جملے دل کی گہرائی میں اترتے ہیں اور دیرپا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ اگر چہ وہ بظاہر ایک سادہ سا جملہ ہو جس کے اندر زیادہ معنویت بھی نہ ہو، مگر وہی جملہ اگر کسی اللہ والے کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہو جائے تو قوم کی تقدیر بدلنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ کیوں کہ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

صوفیا و صالحین، سالکین و واصلین، اور عارفین و مقربین کو باختلاف مراتب، اللہ تعالیٰ نے بلند سے بلند تر مقام ومرتبہ سے نوازا ہے۔ یہ بندگان خدا اپنے مقام ومرتبے پر رہتے ہوئے نچلی سطح کی بات نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی ان کی بات عقل وفہم سے بالاتر معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ان کے ملفوظات وفرمودات ہی ان کے افکار ونظریات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ لہٰذا قدرداں عقیدت مند افراد ان فرمودات سے آگاہی اور ان بلند افکار ونظریات سے آشنائی کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اسی لئے بزرگوں سے قربت رکھنے والوں نے

☆ جامعہ امجدیہ رضویہ، یوپی، انڈیا

اپنے مرشد و مقتدیٰ کی تعلیمات کو آئندہ نسلوں میں منتقل کرنے کے لیے ان کے ملفوظات کو محفوظ رکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔

بزرگوں کے ملفوظات ان کے عہد کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ان سے بزرگوں کی زندگی گزارنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ فکر و خیال کی دینی تربیت ہوتی ہے۔ شریعت کے آداب معلوم ہوتے ہیں۔ طریقت کے رموز و اسرار و اشگاف ہوتے ہیں۔ معرفت و حقیقت کی راہیں کھلتی ہیں۔ ایک جملے میں حقائق کا خزانہ سمودینا عارفین کے لیے آسان سی بات ہے۔ اگر وہی جملے، وہی فرمودات جو بزرگوں کی زبان سے نکلے تھے صحیح طور پر معلوم ہوجائیں تو ان کی روشنی میں تلاش حقیقت کا سفر آسان ہوجاتا ہے۔ زندگی کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائی جاسکتی ہیں۔ حیات و کائنات کے لاینحل مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔ انفس و آفاق کے حقیقی راز معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر مشائخ اور صوفیائے کرام کے ملفوظات کی ترتیب و تدوین کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

رسول اکرم ﷺ کے اقوال کی روایتوں کو ہم اس سلسلے کی اساس مان سکتے ہیں۔ تاہم احادیث کی مرکزی حیثیت تشریعی تھی جس کے لیے حضور اقدس ﷺ کے اقوال کے ساتھ آپ کے افعال و اعمال اور تقریرات کی بھی پورے اہتمام کے ساتھ روایت کی گئی۔ جب کہ ملفوظات کی حیثیت نصیحت و وصیت، پند و موعظت اور تصوف کے اسرار و رموز سے روشناس کرانے کی ہوتی ہے۔

ملفوظات کا جو کچھ سرمایہ اس وقت ہمارے پاس محفوظ ہے اس میں زیادہ تر مشائخ اور صوفیائے کرام کے ملفوظات ہیں۔ ان کے مبارک و گراں قدر ملفوظات کا جو سرمایہ محفوظ ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین کا آغاز چھٹی ساتویں صدی ہجری میں ہوا جب حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کے ارشادات "فیہ مافیہ" کے نام سے مرتب کیے گئے، جو ملفوظات کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ حالانکہ "امالی" کی تدوین کا سلسلہ بہت قدیم ہے جو ملفوظات ہی کی ایک شکل ہے۔

تاریخی حیثیت سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے مرتب کردہ ملفوظات "انیس الارواح" برصغیر میں شائع ہونے والا ملفوظات کا پہلا مجموعہ ہے۔ جس میں حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے پیر و مرشد خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے ملفوظات جمع فرمائے ہیں۔ اس کے بعد ترتیب ملفوظات کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے ملفوظات کو آپ کے خلیفۂ خاص حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہ نے "فوائد السالکین" کے نام سے مرتب فرمایا۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کے ملفوظات کو آپ کے مرید و محبِ خاص شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے "راحت القلوب" کے نام سے مرتب فرمایا۔ اسی طرح خواجہ فرید کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ "اسرار الاولیاء" کے نام سے خواجہ بدر اسحاق قدس سرہ نے مرتب فرمایا۔ حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ کے ملفوظات کو آپ کے مرید و خلیفہ حضرت امیر حسن علاء سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے "فوائد الفوائد" کے نام سے ترتیب دیا۔ اور آپ کے ملفوظات کا ایک دوسرا مجموعہ "راحت المحبین" کے نام سے آپ کے مرید و خادم خاص خواجہ امیر خسرو نے ترتیب دیا۔ خواجہ محبوب الٰہی کے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کے ملفوظات کو "مفتاح العاشقین" کے نام سے آپ کے مرید خواجہ محب اللہ نے ترتیب دیا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز جو گلبرگہ میں آسودۂ خاک ہیں ان کے ملفوظات "جوامع الکلم" کے نام سے مقبول انام ہو چکے ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے ایک اور بزرگ حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی قدس سرہ السامی کے ملفوظات "لطائف اشرفی" کے نام سے کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں، جنہیں ان کے مرید حضرت خواجہ نظام الدین یمنی ملقب نظام حاجی الیمنی نے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ (متوفی ۷۸۲ھ) کے گراں مایہ ملفوظات "معدن المعانی" کے نام سے خواجہ زین بدر عربی نے مرتب فرمایا۔

یہ وہ ملفوظات ہیں جو کافی مقبول و مشہور ہوئے۔

متاخرین میں حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے ملفوظات تمام ملفوظات میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، جو اس وقت ہمارا موضوع ہیں۔ غرض یہ کہ ہمارے پاس ملفوظات کا وہ عظیم سرمایہ ہے جس سے دوسری قومیں محروم ہیں۔ جو ہمارے لیے حقائق کا گنجینہ، شریعت وطریقت کے سربستہ رموز واسرار کا بیش بہا خزانہ اور مذہبی زندگی کے لیے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

الملفوظ کا علمی مقام اور اہمیت:

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کا مجموعہ "الملفوظ" جس کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے شہزادے مفتیِ اعظم ہند حضور مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے مرتب فرمایا ہے[۱] ملفوظات کے سرمائے میں بڑی اہمیت کا حامل اور اہم ترین اضافہ ہے۔ ملفوظات کا جتنا سرمایہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں تصوف اور طریقت ومعرفت سے متعلق مواد زیادہ ہے، مگر اس باب میں الملفوظ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں طریقت ومعرفت کے آداب اور تصوف وسلوک کے رموز واسرار کے ساتھ ساتھ شریعت کی بھرپور تعلیمات موجود ہیں۔ اس میں جابجا اصولی وفروعی مسائل میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں۔ جابجا بزرگوں کے واقعات وحکایات، ذاتی تجربات ومشاہدات اور اہم سفرنامے درج ہیں۔ بہت سارے ان پیچیدہ سوالات کے جوابات ہیں جو علوم وفنون سے اشتغال رکھنے والوں کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ "الملفوظ" علمۃ المسلمین کے لیے بھی نفع بخش اور دلچسپ ہے، علماء وطلباء کے لیے بھی معلومات کا خزینہ ہے اور خواص کے لیے بھی علمی ودینی ذوق وطلب کی تسکین کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ الملفوظ میں علم قرآن وتفسیر بھی ہے اور علم حدیث بھی، فقہ وفتاویٰ بھی ہیں اور عقائد وکلام کے مسائل بھی، اسلامی فلسفہ وسائنس کے نظریات بھی ہیں اور تصوف وطریقت کی تعلیمات بھی، اکابر ملت اور اسلاف امت کے واقعات بھی ہیں اور نئی نسلوں کے لیے پند وموعظت بھی، جابجا طبعیات و الٰہیات کی بھی بحثیں ہیں۔ غرض یہ کہ حضور مفتیِ اعظم ہند نے حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے علم وادب کے گراں قدر موتیوں کو چن چن کر ایک ہار بنایا اور قوم کے گلے میں ڈال دیا، حکمت وتدبر کے رنگارنگ پھولوں کا ایک گلدستہ سجا کر نئی نسل کو پیش کیا ہے۔

الملفوظ کی ثقاہت:

ملفوظات کی ثقاہت کا دار ومدار تمام تر راوی کی ثقاہت پر ہے۔ اگر راوی ثقہ ہے تو اس کی روایت بھی مستند اور معتمد مانی جاتی ہے اور راوی کی ثقاہت مشکوک ہو تو روایت کی اعتباریت اسی حیثیت سے گھٹتی جاتی ہے۔ ظاہر ہے حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ (مرتب الملفوظ) کی ثقاہت میں کس کو شک ہوسکتا ہے۔ ان کا زہد وتقویٰ اور دیانت داری ایک مسلم امر ہے۔ نیز ان کی علمی وجاہت، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، ژرف نگاہی، وسعت مطالعہ اور زبردست قوت حافظہ کی پوری قوم معترف ہے۔ للٰہذا حضور مفتیِ اعظم قدس سرہ کی مرتب الملفوظ میں شک کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ یہ اعتماد و استناد کے بلند درجہ پر فائز ہے۔ لیکن بعد میں حضور مفتیِ اعظم کی مرتبہ الملفوظ کی جن لوگوں نے نقلیں لیں اور پھر ان نقلوں سے بعد والوں نے کتابت کروائی اس میں کتابت کی چند غلطیاں در آئیں۔ جن میں یا تو احتیاط سے کام نہیں لیا گیا یا غلطیوں کی اصلاح پر توجہ نہ ہوئی۔

ایک پرانے نسخے میں بعض مقامات پر حواشی سے ناقل سے سہو اور عبارت چھوٹ جانے کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً، رضوی کتب خانہ بہاری پور بریلی سے شائع ہونے والے نسخے میں ایک جگہ حاشیہ پر ہے۔

یہاں بھی عبارت میں سقط معلوم ہوتا ہے، اصل ندارد ہوگئی۔

(حاشیہ ص ۰۷، چہارم مطبوعہ رضوی کتب خانہ بہاری پور بریلی)

چہارم ص ۶۷ کی اس عبارت پر

"ہر عاقل کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہوگا اور اس کا جواب معاذ اللہ اثبات میں ہوگا کہ ہاں ہزاروں سے زائد خالق خدا کے سوا موجود ہیں جو اپنے افعال کے خود خالق ہیں، معاذ اللہ"۔

یہاں یہ حاشیہ درج ہے۔

"تناقض ہوا اور تناقض عیب اور اللہ عزوجل ہر عیب سے پاک، تو غالباً یہاں یہ اور عبارت ہے جو ناقل سے رہ گئی، اصل باقی نہ رہی"۔ ١

نیز چہارم ص ۶۶ پر اس عبارت پر "تھا اور ہے اور رہے گا" یہ سب زمانے

پر دلالت کرتے ہیں اور وہ زمانے سے پاک'' حاشیہ میں یہ درج ہے۔

''یہاں کچھ اور عبارت معلوم ہوتی ہے، اصل باقی نہیں، ناقل صاحب نے جو نقل کی اس میں کچھ چھوڑ دیا، اصل دیمک نے ختم کردی۔'' (ایضاً ص ۶۶) [۲]

اس سے اندازہ ہوا کہ امام احمد رضا کے ملفوظات کے ساتھ وہ اعتنا نہیں کیا گیا جو ہونا چاہیے تھا۔ اس سے یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ جو غلطیاں درآئیں ان سے صاحبِ ملفوظات کا کوئی تعلق نہیں۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی بارگاہ کے بعض فیض یافتہ علماء سے احقر نے سنا کہ حضور مفتیٔ اعظم ہند بعد والے نسخوں میں نقل و کتابت کی غلطیوں پر ناراضگی ظاہر فرماتے تھے۔ اور فرماتے کہ نہ جانے کیسے چھپوادیا ہے۔ [۳]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعد میں چھپوانے والوں نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ جس کی وجہ سے اب تک چھپنے والے نسخوں میں کتابت کی غلطیاں رہ گئیں۔

متعدد نسخوں سے مقابلے کے بعد راقم کو شدید احساس ہوا کہ بعد والوں نے الملفوظ میں کہیں کہیں تصرف بھی کیا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے:

''ایک بار عبدالرحمٰن قاری کہ کافر تھا اپنے ہمرائیوں کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے اونٹوں پر آپڑا چرانے والے کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا۔ اسے قرأت سے قاری نہ سمجھ لیں بلکہ قبیلہ بنی قارہ سے تھا۔''

(حصہ دوم صفحہ ۴۷ سطر ۸)

خط کشیدہ عبارت نہ اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے نہ حضور مفتیٔ اعظم ہند کی توضیح، بلکہ یہ سراسر کسی کا تصرف ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے جو تفصیلی واقعہ اعلیٰ حضرت نے بیان فرمایا ہے وہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۴۸ پر اجمالاً اور مسلم شریف جلد ثانی ص ۱۱۴ پر تفصیلاً موجود ہے۔ جس میں ''عبدالرحمٰن فزاری'' درج ہے نہ کہ ''عبدالرحمٰن قاری''۔ کتابت یا نقل کی غلطی سے ''فزاری''، ''قاری'' ہوگیا۔ قاری چونکہ قرآن کا علم رکھنے والے کو کہا جاتا ہے اور ایک کافر پر اس کا اطلاق غیر موزوں محسوس ہوا، اس لیے ناقل کو خط کشیدہ عبارت بڑھانی پڑی، صاحب ملفوظ اس سے بری ہیں۔ اس توضیح کے بعد اس کے متعلق مخالفین کا اعتراض بے جا اور بے محل ہوگیا جس کے جواب کی کوئی ضرورت نہیں۔

نیز حصہ اول ص ۶۴ پر اہرام مصر کی تعمیر کے بارے میں ہے:

''حضرت آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے۔''

خط کشیدہ عبارت یا تو اضافہ ہے یا اس مقام پر کچھ عبارت حذف ہوگئی ہے۔ کیونکہ آگے کی تفصیلات، آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چھ ہزار برس پہلے کی تعمیر ثابت کررہی ہیں، نہ کہ چودہ ہزار برس پہلے کی۔ لہٰذا عبارت یوں ہونا چاہئے ''آج سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے''۔ یا صرف ''چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے''۔ تفصیلات اسی مقام پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اس طرح کے تصرف کی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔

مخالفین کے اعتراضات:

جب سے امام احمد رضا فاضل بریلی نے علمائے دیوبند کی تحریروں سے ان کے باطل عقائد کی نقاب کشائی فرمائی اسی وقت سے علمائے دیوبند اور ان کے پیروکاروں نے امام احمد رضا قدس سرہ کی طرف منسوب کتابوں میں نقائص تلاش کرنے شروع کردیے۔ ان کی تصنیفات میں کوئی نقص نکال کر ثابت کرنا آسان نہ تھا لہٰذا انہوں نے مجموعۂ ملفوظات کو اپنی عیب جوئی اور تنقید کا خاص نشانہ بنایا۔ ہر چند کہ اعلیٰ حضرت ہر بات پورے وثوق و اعتماد سے ہی فرماتے تھے اور مفتیٔ اعظم ہند کی روایت و درایت پر بھی کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا، تاہم مختلف جہتوں سے جائزہ لیا جائے تو استناد و اعتماد میں تصنیف و تحریر کے مقابلے میں ملفوظات کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ الملفوظ کا سن تالیف ۱۳۳۸ھ ہے اور سن اشاعت معلوم نہیں ۱۳۴۰ھ میں اعلیٰ حضرت کا وصال ہوگیا، مولانا شہاب الدین نے اپنے مضمون ''الملفوظ کا مقام و مرتبہ'' میں لکھا ہے کہ ''الملفوظ کے بعض حصے اس وقت کے بعض رسائل مثلاً تحفہ حنفیہ اور ''ماہنامہ الرضا'' وغیرہ میں قسط وار شائع ہوتے رہے''۔ پھر بعد میں انہیں مکمل کتابت کرکے شائع کیا گیا، جس میں قلت احتیاط کا شکوہ بے جا نہیں۔ نیز نسخوں سے نسخے نقل اور کتابت کیے جاتے رہے لہٰذا کتابت کی غلطیاں بجائے کم ہونے کے جدید نسخوں میں بڑھتی

رہیں۔ نتیجتاً مخالفین کو زبان درازی کا موقع مل گیا۔

الملفوظ کی عبارتوں پر مخالفین کے بہت سارے اعتراضات سامنے آئے ہیں۔ جن میں کچھ کا جواب ضمیمہ کے طور پر اس میں آخر میں شامل ہے جس کے بارے میں واضح نہ ہوسکا کہ کس کی کوشش ہے۔ کچھ کا جواب شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمۃ نے دیا جو ''التحقیقات'' اور مختلف مضامین میں شائع ہوئے۔ اور بھی لوگوں نے جوابات دیے ہیں۔

دراصل اعلیٰ حضرت کے ملفوظات پر اعتراض کر کے مخالفین کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت کو دفاعی پوزیشن میں رکھا جائے۔ اس کا تحقیقی جواب دینے کے بجائے الزامی جواب کافی ہے، کیونکہ عام طور پر معترض کم علم اور کوتاہ فہم لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ بے جا اعتراض تو کسی کی عبارت پر کیا جاسکتا ہے۔ اعتراض کرنے والے قرآن پر بھی اعتراض کررہے ہیں۔ لیکن ہر مکتب فکر میں سنجیدہ طبقہ ضرور ہوتا ہے جو اس رائے سے اتفاق کرے گا کہ کوئی تبحر عالم کچھ بیان کررہا ہے تو وہ بات بے بنیاد نہیں ہوگی، یہ بات اور ہے کہ اوروں کی رسائی وہاں تک نہ ہوسکی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ عدم وجدان وجدانِ عدم نہیں۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث اگر نہیں مل رہی ہے تو یہ نہ کہے کہ یہ حدیث نہیں، بلکہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے، کیوں کہ حدیث کی تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں ہیں۔ امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں مختلف مقامات پر یہ افادہ فرمایا ہے۔ آج کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ دس بارہ متداول کتب حدیث میں دیکھ لیا، نہیں ملی تو انکار کردیا۔ یہ سخت جرأت ہے، اس سے پرہیز چاہیے۔ علم حدیث میں اعلیٰ حضرت کی وسعت مطالعہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی تصنیفات و فتاویٰ میں درج کی گئی احادیث کا مجموعہ تیار کیا گیا ہے جو مولانا محمد حنیف صاحب کی انتھک کوششوں سے تخریجات کے ساتھ جامع الاحادیث کے نام سے چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔

اس مقام پر پروفیسر مسعود احمد کی کتاب ''محدث بریلوی'' کا یہ اقتباس بالکل برمحل ہے۔

امام احمد رضا سے جب دریافت کیا گیا:

''آپ نے حدیث شریف کی کون کون سے کتابیں درس کی ہیں؟

تو آپ نے جواباً مندرجہ ذیل کتب حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

'مسند امام اعظم، وموطا امام محمد وکتاب الآثار امام محمد وکتاب الخراج امام ابو یوسف وکتاب الحج امام محمد وشرح معانی الآثار امام طحاوی، مؤطا امام مالک ومسند امام شافعی ومسند امام محمد وسنن دارمی و بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وخصائص ونسائی ومنتقی الجارود وعلل متناہیہ ومشکوٰۃ وجامع کبیر وجامع صغیر وذیل جامع صغیر و منتقی ابن تیمیہ و بلوغ المرام وعمل الیوم واللیلۃ ابن السنی وکتاب الترغیب خصائص کبریٰ وکتاب الفرج بعد الشدت وکتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس و مطالعہ میں رہیں۔'' (اظہار الحق الجلی ص ۲۴، ۲۵ بحوالہ محدث بریلوی ص ۶،۷)

امام احمد رضا کی تحریروں پر مخالفین کا ایک گروہ شبانہ روز تحقیق اور ریسرچ کرنے کے بعد اپنی کوئی انوکھی دریافت منظر عام پر لاتا ہے اور بڑے اعتماد کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ بات کہیں نہیں۔ جب علمائے اہل سنت کی طرف سے اس کا صحیح حوالہ پیش کردیا جاتا ہے تو مخالفین پھر اس سلسلے کا دوسرا شوشہ چھوڑتے ہیں، اور علمائے اہل سنت اس کے حوالہ کی تلاش میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ بالآخر دوسرے کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے تو مخالفین خاموشی کے ساتھ کسی تیسرے فتنے کی تیاری میں مصروف ہوجاتے ہیں[۴] ظاہر ہے یہ سلسلہ رکنے والا نہیں۔ ہاں! مخالفین کے سنجیدہ افراد سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ: مولوی محمد تقی عثمانی نے ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی طہارت ونجاست کے بیان میں درس ترمذی میں بیان کیا ہے کہ

''حضرت گنگوہی نے 'الکوکب الدری' میں اس مقام پر فرمایا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا وہ مویشی چرایا کرتے تھے اور ان کے ابوال سے تحرز

نہیں کرتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ کی وفات کے واقعہ میں اہلیہ سے پوچھنے کا یہ قصہ احقر کو حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا، لیکن حضرت گنگوہی نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ نقل کیا ہے۔'' (درس ترمذی ج ۱/ ۲۹۰)

حضرت سعد بن معاذ کے بارے میں گنگوہی صاحب نے جو کچھ تحریر کیا اسے علم حدیث میں درک وشغف رکھنے والا تلاش بسیار کے باوجود نہیں پاسکا تو گنگوہی صاحب کی اس تحریر کے بارے میں کیا کہا جائے؟

اعتراف حقیقت:

امام احمد رضا کا محقق ہونا جانب دار اور غیر جانب دار ارباب فکر و دانش کے نزدیک مسلم امر ہے۔ چنانچہ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

''ہندوستان کے دور آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا'' (امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں ص ۹۴)

دیوبندی مکتب فکر کے مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں کو تکفیر کے جرم میں برا کہنا بہت ہی برا ہے، کیونکہ وہ بہت بڑے عالم دین اور بلند پایہ محقق تھے۔'' (رسالہ ہادی دیوبند ص ۰ ۲ ذوالحجہ ۱۳۶۹ھ بحوالہ معارف رضا شمارہ یازدہم ۱۹۹۱ء ص ۲۵۲)

مولانا محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خان صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں، جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا صاحب ایک زبردست عالم دین اور فقیہ ہیں''۔ (رسالہ دیوبند ص ۲۱، جمادی الاول ۱۳۳۰ھ بحوالہ معارف رضا ۱۹۹۱ء ص ۲۵۳)

مولانا محمد شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

''مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجرہ اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سامنے کی بھی حیثیت نہیں رکھتے''۔ (رسالہ الندوہ ص ۱۷، اکتوبر ۱۹۱۴ء بحوالہ معارف رضا ۱۹۹۱ء ص ۱۵۴)

مولوی ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''وہ نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے، رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ فقہ میں ان کی نظیر مشکل سے ملے گی۔'' (ملخصاً، نزہۃ الخواطر ۸/ ۴۰، ۴۱)

جس کی محققانہ شخصیت اس قدر مسلم ہو اس کی عبارتوں پر کیے گئے اعتراضات پر مولوی اشرف علی تھانوی کا یہ بیان حد درجہ موزوں اور برمحل ہے۔

''ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کرنا کون سا مشکل کام ہے، زبان ہی تو ہلانی پڑتی ہے، تحقیق کا درجہ مشکل ہے، اسی لیے محقق پر سیکڑوں اعتراض ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی نظر تمام جوانب پر ہوتی ہے اور غیر محقق کی صرف ایک بات پر ہوتی ہے، سو مختلف جوانب کو جمع کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔''
(الافاضات الیومیہ فی الافادات القومیہ ج ۷ ص ۱۹۷، ملفوظ نمبر ۲۹۶)

اعتراضات کے کچھ نمونے:

صرف الملفوظ پر کیے گئے اعتراضات کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے بھونڈے اعتراضات خود اپنی حالت زار واضح کررہے ہیں، انہیں پڑھتے وقت ایک عام آدمی کو بھی حیرت ہوگی کہ اعلیٰ حضرت کی عبارتوں پر اعتراض کرتے وقت علمائے دیوبند کا انداز بیان اور طرز استدلال کہاں چلا جاتا ہے؟ ان کا جواب تو ایک اوسط درجے کا مقرر بھی بخوبی دے سکتا ہے۔ ذیل میں ہم قدرے تجزیہ کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت ایک مقام پر انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ کے متعلق سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ارشاد: انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے، ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسی ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے، اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں، ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا، ان کی ازواج کو نکاح حرام، نیز ازواج مطہرت پر عدت نہیں، وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں، بلکہ سیدی محمد بن عبد الباقی زرقانی

فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی قبورِ مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ (الملفوظ حصہ سوم ص ۳۰)

اس پر ایک دیوبندی کا تبصرہ ملاحظہ کریں۔

"اس میں کس قدر انبیاء کی تذلیل کی ہے، اور ان کو خواہش پرست قرار دیا ہے"۔ (بریلوی مسلک کی حقیقت ص ۶۰)

آگے حاشیہ درج ہے۔

"واضح رہے کہ احمد رضا خاں صاحب نے بغیر کسی دلیل کے اس قول کو نقل فرما کر اس کی تقریر و توثیق فرمائی ہے کہ نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام قبور میں ازواج سے شب باشی کرتے ہیں"۔ کس قدر حیا سوز اور شرم ناک بات ہے کہ امہات المومنین اور انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسی بات بلا دلیل کہہ دی جائے، کسی بیٹے کے لیے تو اپنی ماں کے بارے میں اس قسم کی کھلی بات گوارہ نہیں کی جاتی چہ جائے کہ امہات المومنین اور سید الانبیاء کی بابت ایسی بے باکی سے لب کشائی کی جائے۔ (ایضاً)

حالانکہ یہی بات زرقانی میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

نقل السبکی فی طبقاته من ابن فورك انه علیه السلام حی فی قبره علی الحقیقة لا المجاز یصلی فیه باذان واقامة. قال ابن عقیل ویضاجع ازواجه ویتمتع بهن اکمل من الدنیا وحنف علی ذلك وهو ظاهر ولا مانع عنه.

(بحوالہ تحقیقات اول ص ۱۳۴)

یعنی علامہ سبکی نے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر میں حقیقتاً زندہ ہیں نہ کہ مجازاً۔ اس میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا کہ حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ اور انہوں نے اس پر قسم بھی کھائی اور یہ ظاہر ہے، جس سے کوئی مانع نہیں۔

اس قسم کے ارشادات جو اکابر کی تحریروں سے ماخوذ ہیں ان پر اعتراض امام احمد رضا پر اعتراض نہیں بلکہ اسلاف اور اکابر پر اعتراض ہے۔ نیز اس سے معترضین کی عجلت پسندی اور کم علمی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر انہیں پہلے سے علم ہوتا کہ یہ بات کہاں سے ماخوذ ہے، اور کس کا فرمان ہے تو اعتراض کی جرأت نہ کرتے۔

دراصل انبیائے کرام کی حیات بعد وفات کے حسی حقیقی دنیوی ہونے پر علمائے اہل سنت کا اجماع ہے۔ (ملاحظہ ہو حیاۃ الانبیاء للبیہقی) لہٰذا ان کی وفات کے بعد بھی ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہتی ہیں، اسی لیے ازواج مطہرات سے پوری زندگی کسی کا نکاح نہ ہوگا۔ لہٰذا جب صورت حال یہ ہے کہ وفات کے بعد بھی انبیاء کی حیات حسی حقیقی ہو اور ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہیں تو قبر میں انہیں معیت حاصل ہو تو کیا حرج ہے......؟ کیا "شب باشی" (یضاجع ازواجه) "اولامستم النساء" کے مثل وطی سے کنایہ ہے؟...... اور اگر ہو، تو کیا قباحت ہے؟ کیا حضور نے نکاح نہ کیا......؟ کیا حضور کی اولاد نہ ہوئی......؟ اگر یہ شبہہ ہو کہ بعد وفات یہ امر درست نہ ہو، تو سوال یہ ہے کہ بقائے نکاح کی تقدیر پر قبل وفات جو چیز حلال تھی بعد وفات وہ حرام ہوگی؟ یا اس کا زوجیت کے باوجود ان کی طرف انتساب حرام ہوگا......؟

معترضین کی عجلت پسندی:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مخالفین نے جذبۂ عداوت میں اعتراض کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے۔ امام احمد رضا کی کسی عبارت کے خلاف کہیں کوئی عبارت کسی ہیئت میں ملی اس کے سہارے فوراً اعتراض جڑ دیا، اور یہ بھی غور نہ کیا جو اعتراض کیا جا رہا ہے وہ واقعۃً اس پر وارد ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ جو معنی بتائے جا رہے ہیں، اس کا اس میں احتمال بھی ہے یا نہیں......؟

پہلی مثال:

گزشتہ صفحات میں گزرا کہ الملفوظ میں جس عبدالرحمٰن فزاری کا واقعہ بیان کیا ہے وہ کتابت کی غلطی سے عبدالرحمٰن فزاری کے بجائے عبدالرحمٰن قاری ہوگیا، تو اس پر "مقدس صحابی رسول کی تکفیر" ہیڈنگ لگا کر لکھا کہ "احمد رضا نے ایک صحابی رسول جن کا نام عبدالرحمٰن قاری ہے ان کی تکفیر کی ہے"۔ اور دلیل کے طور پر اسد الغابہ، تقریب، اور تہذیب کے حوالہ سے عبدالرحمٰن قاری کے بجائے عبدالرحمٰن ابن عبد

القادری کا نام پیش کیا ہے۔ (بریلوی مسلک کی حقیقت ص ۵۹)

دوسری مثال:

قبر میں منکر نکیر کے سوال کے تعلق سے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

اس کے بعد سوال کرتے ہیں ماتقول فی ھذا الرجل؟ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اب نہ معلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھایا جاتا ہے، شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی اور چونکہ امتحان کا وقت ہے اس لیے ھذا النبی نہ کہیں گے، ھذا الرجل کہیں گے۔ (چہارم ص)

اس پر ایک دیوبندی مولوی کا یہ ریمارک پڑھیے۔

''ھذا النبی نہ کہیں گے'' یہ بات بھی خاں صاحب کے غیر محقق ہونے کی دلیل ہے ورنہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ قبر میں ''من نبیک'' کہہ کر بھی سوال کرتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

''لفظ مصابیح ایں چنیں است اذا قیل لہ من ربک وما دینک ومن نبیک چوں گفتہ می شود مرا اورا کیست پروردگار تو، چیست دین تو، وکیست پیغمبر تو'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۲۴)

(رضاخانیت کے علامتی مسائل ص ۱۹)

دراصل مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس کی روایت میں ہے کہ قبر میں منکر نکیر ''ما کنت تقول فی ھذا الرجل'' کہہ کر سوال کریں گے، اور یہی الفاظ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں بھی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴، ۲۵ و بخاری شریف اول ص ۱۸۴) اور حضرت براء ابن عازب کی روایت میں ہے کہ سوال یوں ہوگا: ماھذا الرجل الذی بعث فیکم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵)

غرض کہ کسی روایت میں ''ما تقول فی ھذا النبی'' وارد نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر امام احمد رضا نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ چونکہ یہ امتحان کا وقت ہے اس لیے ھذا النبی نہ کہیں گے، ھذا الرجل کہیں گے تو یہ توجیہ روایتوں کے خلاف نہیں بلکہ ان کے مطابق ہے۔ ہاں شیخ محقق نے جو فرمایا کہ مصابیح کے الفاظ اس قسم کے ہیں ''اذا قیل لہ من ربک وما دینک ومن نبیک''۔ تو عرض ہے کہ اولاً شیخ محقق نے مصابیح کے الفاظ کا جو حوالہ دیا ہے اس کے لیے ''ایں است'' کے بجائے ''ایں چنیں است'' فرمایا، جس سے بعینہ الفاظ کے عدم ثبوت کا اشارہ ملتا ہے۔ ثانیاً اگر ثابت بھی ہو تو اتنا ہوگا کہ فرشتے ومن نبیک کہہ کر سوال کریں گے۔ اور اعلیٰ حضرت نے اس کی نفی نہیں کی، آپ نے ھذا النبی کی نفی کی ہے۔ ھذا النبی اور من نبیک میں فرق آگے آتا ہے۔ ثالثاً اعلیٰ حضرت نے جو وجہ بیان فرمائی ہے وہ آزمائش وامتحان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ آزمائش مقصود ہے اس لیے اگر یوں سوال کیا جائے گا کہ یہ نبی ہیں اور یہ جواب دینا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر ''ماتقول فی ھذا الرجل'' کہا جائے تو مخاطب نفس سوال سے یہ نہ سمجھ پائے گا کہ جس آدمی کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے وہ نبی ہے یا نہیں؟ اس لیے جواب اسی وقت دے سکے گا جب کہ پہلے سے وہ صاحب ایمان ہو۔

اس سے ظاہر ہوگیا کہ اگر کسی روایت سے یہ ثابت ہوجائے کہ ''من نبیک'' کہہ کر سوال کیا جائے گا تو اس سوال سے بھی مقصود امتحان فوت نہ ہوگا۔ معمولی عربی داں بھی جانتا ہے کہ ''من نبیک'' (تمہارا نبی کون ہے؟) کے سوال سے نبی کی تعیین نہیں ہوسکے گی، کہ مخاطب سوال سے ہی جواب اخذ کرلے، برخلاف ''ماتقول فی ھذا النبی'' کے، کہ اس سوال سے ہی جواب مستفاد ہوسکتا ہے۔ تو ''ماتقول فی ھذان النبی'' کی نفی اور ''من نبیک'' کے ثبوت میں تنافی کہاں ہے؟

تیسری مثال:

اس قسم کے اعتراض کی تیسری مثال یہ ہے۔

زندگی میں ہی اپنی قبر تیار کرنے کے تعلق سے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَدْرِی نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ''کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا''، قبر تیار رکھنے کا شرعاً

حکم نہیں، البتہ کفن سلوا کر رکھ سکتا ہے کہ جہاں کہیں جائے اپنے ساتھ لے جائے اور قبر ہمراہ نہیں رہ سکتی۔ (الملفوظ حصہ اول ص ۸۷)

اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عالمگیری میں مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ من حفر قبراً لنفسه فلایأس به ویؤجر علیه کذا فی التتارخانیة (عالمگیری اول ص ۱۶۶) اور تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلے میں جو مسئلہ محققہ ہے وہی امام احمد رضا نے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے۔

ویحفر قبراً لنفسه وقیل یکره والذی ینبغی ان لا یکره تهیئة نحو الکفن بخلاف القبر.

یعنی اپنے لیے قبر تیار کی جاسکتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے، اور مناسب یہ ہے کہ کفن جیسی چیزوں کا تیار کرانے میں کوئی کراہت نہیں، برخلاف قبر کے۔

اس کے تحت شامی میں والذی ینبغی پر ہے۔

کذا قاله فی شرح المنیة، وقال: لأن الحاجة الیه متحققة غالباً، بخلاف القبر، لقوله تعالیٰ وما تدری نفس بأی أرض تموت. (شامی جلد ثالث ص ۱۵۴ مطبع زکریا بکڈپو، دیوبند)

"یوہیں (یعنی قبر کے بجائے کفن وغیرہ اپنے لیے تیار رکھنا) شرح منیۃ المصلی میں ہے۔ اور فرمایا کہ بسا اوقات کفن جیسی چیزوں کی ضرورت کا پایا جانا متحقق ہے، برخلاف قبر کے۔"

نحو الکفن بخلاف القبر کہہ کر دونوں میں جس فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ کفن ایسی چیز ہے جو قابل انتقال ہے اور اسے ساتھ رکھا جاسکتا ہے، لیکن قبر کو ساتھ ساتھ نہیں رکھا جاسکتا، ظاہر ہے کوئی کفن تیار کر کے ساتھ رکھے تو جہاں کہیں موت آجائے وہ اس کے کام آسکتا ہے، لیکن قبر تیار کرلے تو دوسری جگہ موت کی صورت میں قبر کی تیاری عبث اور لغو ہوگی، اور قرآن فرماتا ہے کہ کسی کو اپنی موت کا مقام نہیں معلوم۔ اسی لیے فقہ حنفی کے مسائل محققہ مرجحہ پر مشتمل کتاب "بہارشریعت" میں ہے۔

مسئلہ: اپنے لیے کفن تیار رکھے تو کوئی حرج نہیں اور قبر کھدوا رکھنا بے معنی ہے، کیا معلوم کہاں مرے گا۔ (درمختار) بہارشریعت ۴/۱۶۰)

رہا تتارخانیہ کے حوالے سے عالمگیری کا مسئلہ اور اس کی تائید میں شامی کا تتارخانیہ سے یہ نقل کرنا "هکذا عمل عمر بن عبدالعزیز والربیع بن خیثم وغیرهما" تو بیان مسئلہ میں امام احمد رضا قدس سرہ کے کلمات سے اس کے احتیاط کی عکاسی ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس پہلو کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ "قبر تیار رکھنے کا شرعاً حکم نہیں"۔ ان الفاظ میں اور عالمگیری کے لاباس بہ میں کوئی تعارض نہیں۔

چوتھی مثال:

امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں:

"جب میرے پیر بھائی برکات احمد کا انتقال ہوا اور دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی مرتبہ روضۂ انور کے قریب آئی تھی۔" (الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۲۵)

اس پر یہ اعتراض کہ احمد رضا صاحب نے اپنے پیر بھائی کی قبر کو روضۂ اقدس کے برابر کر دیا۔ اس میں حضور ﷺ کی اور حضور کے روضۂ اقدس کی کھلی توہین ہے۔ (بریلوی مسلک کی حقیقت ص ۵۴)

وہابیہ اور دیابنہ کے پاس فضائل کو ناپنے کے بہت ہی حساس پیمانے ہیں۔ کسی کی تعریف کو دوسرے کی تعریف سے ذرا سی مناسبت ہوئی کہ برابری ہوگئی۔ رسول کے لیے علم ما کان وما یکون مانا تو اللہ کے علم سے برابری ہوگئی۔ کسی نیک امتی کی قبر میں وہ خوشبو ملی جو روضۂ اقدس کے قریب بھی ملی ہو تو گویا اس قبر کو روضۂ اقدس کے برابر کر دیا۔ یہی منطق اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کی گئی تعریف وتوصیف پر کیوں نہیں چلتی۔ وہاں فضائل ناپنے والے بے حس کیوں ہو جاتے ہیں؟

احادیث وسیرت کی متعدد کتب میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے مستفیض ہونے والے متعدد صحابہ میں مشک وعنبر وغیرہ کی خوشبو آتی تھی۔ مثلاً ایک صحابی کا بیان کہ رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کر لیتا تو سارا دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو محسوس کرتا تھا، جب وہ نورِ مجسم اپنے دستِ شفقت کسی بچے کے سر پر پھیرتے تو وہ خوشبو کے باعث دوسروں سے پہچانا جاتا تھا۔ (کتاب الشفا للقاضی عیاض مترجم

ص ۱۲۵) ایک عورت کو تھوڑا پسینہ عنایت ہوا، جب کپڑوں میں ملتیں تمام گھر مہک جاتا، یہاں تک کہ لوگ اس کے گھر کو بیت المطیبہ کہنے لگے اور کئی پشتوں تک اس کی اولاد میں خوشبو باقی رہی۔ محمد بن سعید بن مطرب نے خواب میں دیکھا کہ سرور عالم ﷺ نے میرے رخسار پر بوسہ دیا، بیدار ہوئے تو تمام گھر مہک رہا تھا اور اس رخسار سے آٹھ دن تک مشک کی خوشبو آتی رہی۔ اور سید قمر الدین اورنگ آبادی خواب میں مصافحہ شریف سے مشرف ہوئے مدت تک خوشبو ان کے ہاتھوں سے محسوس ہوتی تھی۔ (الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح ص ۱۱۴)

حضور سرور کونین ﷺ اپنے جس امتی پر جس طرح چاہیں کرم فرمائیں۔ امام احمد رضا کے پیر بھائی حضرت برکات احمد پر یہ کرم فرمایا کہ ان کی قبر میں اپنے روضۂ انور سے خوشبوؤں کی نوازشات فرمائی، خصوصاً ایسے موقع پر جب ماتقول فی ھذا الرجل کے طفیل جلوہ نمائی ہونے والی ہے۔ اس سے امام احمد رضا کے پیر بھائی پر سرور کائنات ﷺ کی عنایت اور ان کی بارگاہِ رسول میں مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

رہی حضور کی توہین کی بات، تو جن کی ساری زندگی شان الوہیت ورسالت میں توہین کرتے ہی گزر رہی ہے ایسے لوگ اگر اعلیٰ حضرت پر توہین رسالت کا الزام دھریں تو ان کے لیے ابوالکلام آزاد کا یہ جملہ برمحل ہوگا۔

"مولانا احمد رضا خاں ایک سچے عاشق رسول ہیں، میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان سے توہین نبوت ہو"۔ (امام احمد رضا، ارباب علم و دانش کی نظر میں۔ ص ۹۶)

روایت باللفظ یا روایت بالمعنیٰ:

الملفوظ میں کچھ مقامات وہ ہیں جہاں احادیث کریمہ کی عبارتیں درج ہیں جو بلفظہ حدیث میں نہیں ملتیں بلکہ کچھ تبدیلی کے ساتھ۔ مثلاً خضاب سیاہ کی حرمت پر چھ حدیثیں پیش کی گئی ہیں جن میں پہلی حدیث بحوالہ مسلم شریف یوں درج ہے۔ "غیروا ھذا الشیب ولا تقربوا السواد" اور مسلم شریف میں یہ حدیث یوں ہے "غیروا ھذا بشئی واجتنبوا السواد"۔ دوسری حدیث سنن نسائی کے حوالے سے یوں پیش کی گئی ہے "یاتی ناس یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لایریحون رائحة الجنة" (الملفوظ دوم ص ۱۰۳) جب کہ سنن نسائی میں اس کا متن یہ ہے۔ "قوم یخضبون بھذا السواد اٰخر الزمان کحواصل الحمام لایریحون رائحة الجنة"۔

اس قسم کے لفظی اختلاف کو پیش کر کے تحریف جیسے سنگین الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔ [۵]

دراصل ملفوظات کی تدوین املی کی شکل میں نہیں ہوئی تھی کہ حضور اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہوں اور ساتھ ہی ساتھ املا کیا جاتا ہو، بلکہ یہ مختلف نشستوں کے افادات، یا استفسار کے جوابی ارشادات ہوتے جنہیں ان لوگوں نے جن کو حضور مفتی اعظم ہند نے نقل کرنے پر مامور کیا تھا اپنی یادداشت کے مطابق نقل کیا۔ صحتِ نقل کی تقدیر پر اس قسم کے فرق کو زیادہ سے زیادہ روایت بالمعنیٰ کا فرق قرار دیا جاسکتا ہے۔ روایت باللفظ کی اہمیت وافضلیت سے انکار نہیں، لیکن روایت بالمعنیٰ ایک متبحر عالم جو نصوص کے معانی کو اچھی طرح سمجھتا ہوا، کرسکتا ہے۔ چنانچہ اصولِ حدیث کی کتاب نخبة الفکر شرح نزھة النظر میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

لا یجوز تعمد تغییر المتن ولا الاختصار منه بالنقص ولا ابدال اللفظ باللفظ المرادف له الا العالم بمدلولات الالفاظ وبما یحیل المعانی علی الصحیح۔ (ص ٦٦)

ترجمہ: حدیث کے متن کو جان بوجھ کر بدلنا اور کلمات حدیث میں کمی کر کے اس میں اختصار کرنا اور کسی کلمے کو کسی مرادف کلمے سے بدلنا جائز نہیں مگر اس شخص کے لیے جو الفاظ کے معانی، اور ان تغیرات کو جانتا ہو جن سے معانی بدل جاتے ہیں۔

آگے مزید فرماتے ہیں:

واما الروایة بالمعنی فالخلاف فیه شهیر، والأكثر علی الجواز ایضاً ومن اقوی حججهم الاجماع علی جواز شرح الشریعة للعجم بلسانهم للعارف به فاذا جاز الابدال بلغة أخری فجوازه باللغة العربیة أولی وقیل

انما یجوز فی المفردات دون المرکبات وقیل انما یجوز لمن یستحضر اللفظ لیتمکن التصرف فیه وقیل انما یجوز لمن کان یحفظ الحدیث فنسی لفظه وبقی معناه مرتسماً فی ذهنه فله ان یرویه بالمعنی لمصلحة تحصیل الحکم منه بخلاف من کان مستحضراً للفظه۔ (ص ٦٧)

ترجمہ: روایت بالمعنی کے سلسلے میں اختلاف مشہور ہے۔ اکثر علما اس کے جواز پر ہیں، ان کے مضبوط دلائل میں یہ ہے کہ شریعت کی توضیح و تشریح اہل عجم کے لیے ان کی زبان میں جانکار آدمی کے لیے جواز پر اجماع ہے۔ تو جب دوسری زبان سے بدلنا جائز ہے تو عربی زبان سے بدلنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ متن حدیث کے مفردات میں تبدیلی جائز ہے مرکبات میں نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس کے لیے جائز ہے جسے لفظ اس طرح متحضر ہو کہ اس میں تصرف کر سکے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا اس شخص کے لیے جائز ہے جسے حدیث یاد تھی، پھر الفاظ بھول گیا، اور اس کا معنی اس کے ذہن میں باقی ہے تو وہ روایت بالمعنی کر سکتا ہے تا کہ اس سے حکم لے سکے، برخلاف اس کے جسے الفاظ حدیث متحضر ہوں۔''

اس مقام پر محشی مولوی عبداللہ ٹونکی لکھتے ہیں۔

قیل ویدل علیه ایضاً روایة الصحابة ومن بعدهم القصة بالفاظ مختلفة ویدل علیه ایضاً ما روی من حدیث عبد الله ابن سلیمان اللیثی قال قلت یارسول الله انی اسمع منك الحدیث لا استطیع ان أودیه کما أسمع منك ازید حرفاً أو أنقص فقال اذا لم تحلوا حراماً ولا تحرموا حلالاً واصبتم المعنی فلا بأس۔ (ایضاً)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ صحابہ اور تابعین کا ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ سے روایت کرنا اس پر دلیل ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن سلیمان لیثی کی حدیث بھی اس پر دلیل ہے، فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور جیسی سنتا ہوں ویسی ہی ادا نہیں کر پاتا، کچھ کمی بیشی ہو جاتی ہے، تو حضور نے ارشاد فرمایا: اگر تم حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کر دو اور مفہوم کی صحیح ادائیگی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ان اقتباسات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ بیان حدیث میں اگر مفہوم نہ بدلا ہو تو روایت بالمعنی پر اعتراض لایعنی اور ذخیرۂ حدیث کے ایک بڑے حصہ کو لغو قرار دینے کے مرادف ہے۔

الملفوظ کے مختلف نسخے:

اس جدید ایڈیشن کو متعدد ایڈیشن کے سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے اور ان سے بہت احتیاط کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔ کافی کوششوں کے بعد جو نسخے ہمیں دستیاب ہوئے جن سے مدد لی گئی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) باہتمام اقبال رضوی صاحب رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی نے اقبال پریس بریلی سے شائع کیا جو چھوٹی تختی میں ہے۔ دوم پر تاریخ کتابت ۲۲ را پریل ۱۹۷۱ء درج ہے جب کہ سوم پر ۵ رنومبر ۱۹۷۵ء۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۷۵ء کے بعد کا ایڈیشن ہے۔

(۲) باہتمام مولانا محمد حسنین رضا خاں حسنی پریس محلہ سوداگران بریلی سے شائع ہوا۔ بڑی تختی میں ہے اور سن اشاعت درج نہیں۔

(۳) مکتبہ رضا گھیر شیخ مٹھو بریلی۔ اندازہ ہے کہ دوسرا حصہ حسنی پریس کا عکس ہے۔ بقیہ حصے نئی کتابت ہیں۔ سن اشاعت درج نہیں۔

(۴) مکتبۃ الجیلانی محلہ کوٹ غربی سنبھل ضلع مراد آباد سے شائع ہوئی۔ جلد سوم پر بتاریخ ۱۳۸۲ھ اور چہارم پر ۱۳۸۳ھ درج ہے۔ بڑی تختی میں ہے۔

(۵) قادری کتاب گھر اسلامیہ مارکیٹ بریلی نے نمبر ۳ والے نسخہ کا عکس لے کر شائع کیا۔ سن اشاعت جولائی ۱۹۹۵ء ہے۔

(۶) رضوی کتاب گھر جامع مسجد دہلی سے حافظ قمر الدین صاحب رضوی کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ سال اشاعت جولائی ۲۰۰۲ء ہے۔ نمبر ۳ والے نسخے سے نئی کمپوزنگ کرائی گئی ہے۔ مگر اس میں عربی عبارتوں پر اعراب بعض ہی جگہ دیے گئے ہیں۔ نیز حواشی کو بجائے نیچے رکھنے کے قوسین میں رکھ کر عبارت سے ملا دیا گیا ہے۔

کچھ دیگر نسخوں کا بھی علم ہوا لیکن وہ دستیاب نہ ہوسکے۔ مثلاً

(۱) ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب نے "اکرام امام احمد رضا" کے حاشیے پر الملفوظ کا جو حوالہ دیا ہے اس میں مطبوعہ کان پور کی صراحت کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ کان پور سے بھی ایک ایڈیشن شائع ہوا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نئی کتابت ہے یا کسی نسخہ کا عکس۔

(۲) پروفیسر موصوف نے "امام اہل سنت" نامی کتابچہ میں الملفوظ سوم مطبوعہ علی گڑھ کا حوالہ دیا ہے۔ (امام اہل سنت ص ۳۱ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور۔ صفحہ ۳۹ اور صفحہ ۴۵ پر الملفوظ دوم مطبوعہ کراچی کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں شعر درج ہے۔

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

لکھتے ہیں کہ اس کی تشریح ص ۳۸ تا ص ۴۱ پھیلی ہوئی ہے۔ جب کہ دیگر نسخوں میں ان صفحات پر نہیں تو اندازہ ہوا کہ یہ ان نسخوں کا عکس نہیں۔

"اکرام امام احمد رضا" مصنفہ برہان ملت جبلپوری علیہ الرحمہ مطبوعہ ۱۹۷۸ء کے صفحہ ۹۵ پر برہان ملت نے اعلیٰ حضرت کے جبل پور کے دورے کی تفصیل ذکر کی ہے جس میں حاشیہ پر الملفوظ حصہ دوم ص ۲۱۶ مطبوعہ کان پور کا بھی حوالہ دیا ہے۔ موجودہ نسخوں سے صفحہ نمبر کے انطباق نہ ہونے کی وجہ سے اندازہ ہے کہ یہ کوئی اور نسخہ ہے۔

سن تالیف وترتیب:

الملفوظ کے نام سے واضح ہے کہ اس کی ترتیب ۱۳۳۸ھ میں ہوئی۔ اور یہ مختصری مدت کے ملفوظات ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ملفوظات دو سال کے کچھ مہینوں کے ہی قلمبند کیے گئے ہیں۔ [۶] اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں۔ اعلیٰ حضرت نے خود اس کا نام "الملفوظ" رکھا۔ جو اس کی تاریخ تالیف پر مشتمل ہے۔ اور یہ شعر عنایت فرمایا۔

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ — مصطفیٰ مصطفیٰ کا ہو ملحوظ
نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں — زبر و بینہ میں الملفوظ
۱۳۳۸ھ

اس کا تاریخی نام بھی دلچسپ نوعیت کا ہے، جس کی طرف مذکورہ شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ جس طرح تاریخی نام ہوتے ہیں اگر "الملفوظ" کے اعداد نکالے جائیں تو (۱۳۳۸) کے بجائے (۱۰۸۷) آتے ہیں۔ لیکن کلمہ "الملفوظ" جو سات حروف پر مشتمل ہے اس کے ہر حرف کو الگ الگ پورا پورا لکھا جائے تو اس کے اعداد ابجدی جوڑنے سے ۱۳۳۸ھ آجاتے ہیں۔ مثلاً

الف لام میم لام فا واو ظا
۱۱۱ + ۷۱ + ۹۰ + ۷۱ + ۸۱ + ۱۳ + ۹۰۱ = ۱۳۳۸

لیکن راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ اس میں مختلف عہد کے ملفوظات ہیں۔ جن کی ترتیب کا کام حضور مفتی اعظم ہند نے ۱۳۳۸ھ میں کیا۔

پہلا عریضہ حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کا ہے۔ اندازہ ہے کہ حضرت موصوف ۱۹۱۰ء کے بعد اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ندوہ کے صدر دوم مولوی سید محمد شاہ صاحب سے ایک مکالمہ بھی حصہ اول میں درج ہے جو ۱۳۱۶ء میں ہوا۔ دوسرے سفر حج ۱۳۲۳ھ کی تفصیلی روداد بھی حصہ دوم میں ہے۔

اس نسخے کی خصوصیات:

اس نسخے کی کتابت و پروف ریڈنگ میں بھرپور احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اور کتابت کی غلطیوں کی اصلاح کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ اس نسخے کی درج ذیل خصوصیات ہیں۔

(۱) قدیم وجدید چھ نسخوں سے مقابلہ کیا گیا ہے۔
(۲) مذکورہ نسخوں میں موجود کتابت کی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے۔
(۳) مشکل الفاظ کے معانی حاشیہ میں دیے گئے ہیں۔
(۴) املا کے جدید اصول کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
(۵) عربی کی تمام عبارتوں پر اعراب دیا گیا ہے۔
(۶) بعد کے نسخوں میں بعض مقامات پر حضور مفتی اعظم ہند کے مفید حواشی کاتب سے رہ گئے تھے، انہیں پرانے نسخوں کی مدد سے اس میں شامل کیا گیا ہے۔

(۷) حسبِ ضرورت کاما اور ڈیش وغیرہ نشانات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

بہت سارے مقامات ایسے ہیں جہاں حسبِ ضرورت نشانات نہ ہونے کی وجہ سے عبارت فہمی میں دشواری ہوتی ہے۔لیکن اس کے اضافے سے عبارت آسان ہوگئی ہے۔اس کی ایک مثال یہ ہے:

الملفوظ حصہ چہارم ص ۶ پر ہے۔

عرض: نابالغی میں زید عالم ہوگیا، وہ مکلف ہے یا نہیں؟

ارشاد: ابھی سے مکلف ہوجائے گا۔علم سبب تکلیف نہیں، جاہل محض ہے اور بالغ ہے مکلف ہے اور علامہ ہے بالغ نہیں تو مکلف نہ ہوگا۔

نابالغ کے لیے جملہ'' ابھی سے مکلف ہوجائے گا''۔الجھن پیدا کرتا ہے جب کہ آگے اس کے مکلف نہ ہونے کی صراحت بھی ہے۔ تمام نسخوں میں یہ جملہ اسی ہیئت میں موجود ہے۔ دراصل یہ جملہ استفہام انکاری ہے جس کا مطلب ہے کہ ابھی سے مکلف نہ ہوگا۔لہٰذا اس کو اگر یوں لکھا جائے۔'' ابھی سے مکلف ہوجائے گا؟ علم سبب تکلیف نہیں'' تو مطلب بالکل واضح ہوجاتا ہے۔

توضیح:

مذکورہ نسخوں میں جن جن مقامات پر کتابت کی غلطی کا احساس ہوا وہاں اگر معنی میں فساد یا اضطراب نہیں، تو اسے احتیاطاً بحالہ باقی رکھا گیا ہے۔لیکن اگر وہ غلطی ایسی ہے کہ اس سے معنی فاسد یا مضطرب ہورہا ہے تو دیگر نسخوں کی مدد سے اس کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ جن مقامات پر دوسرے نسخوں سے اصلاح ممکن نہ ہوئی تو اولاً یہ ارادہ تھا کہ اپنے طور پر اصل ماخذ سے اس کی تصحیح کر کے اس کا حوالہ دیا جائے، مگر بعد میں یہ سمجھ میں آیا کہ عبارتوں کو حسبِ حال رکھا جائے اور جہاں تصحیح کی ضرورت ہو وہاں حاشیہ لگا دیا جائے۔ اور ایسا ہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس نسخے کی تیاری میں بھرپور احتیاط سے کام لیا گیا ہے، اور قدیم وجدید چھ مختلف نسخوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔تاہم کہیں کچھ غلطی کا احساس ہو تو قارئین حضرات مطلع فرما کر احسان فرمائیں گے۔احقر امام احمد رضا کے ملفوظات پر مزید کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔واللہ المستعان۔دراصل امام احمد رضا کی تصنیفات پر کام کرنے کا میدان جس قدر وسیع ہے اتنا ہی خالی بھی ہے۔اگرچہ گزشتہ دو دہائیوں سے پیش رفت ہوئی ہے مگر ضرورت ہے کہ علماء اس رخ پر مزید توجہ فرمائیں۔امام احمد رضا کے علمی فیوض کو عام کرنا اس دور میں سب سے بڑی دینی و علمی خدمت ہے۔امام احمد رضا کی علمی وفنی بحثوں کا جتنا ذخیرہ موجود ہے ان کی تسہیل، تلخیص اور جدید ترتیب کی صورت میں ان کے علمی فیضان کو عام کیا جاسکتا ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا بہاء المصطفیٰ قبلہ قادری استاد دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف نے اکابر اہل سنت کی تصانیف کی صحیح طباعت کے تعلق سے بڑی توجہ فرمائی ہے۔اور ان کی نگرانی میں قادری کتاب گھر بریلی شریف نے اس سلسلے میں خاصی پیش قدمی کی ہے، خصوصاً بہار شریعت کو کتابت کی غلطیوں سے پاک کر کے صحیح طبع کرانا ایک اہم کارنامہ ہے۔انہیں کی توجہ اور عنایت سے الملفوظ کا سب سے صحیح، سب سے مفید، اور دیدہ زیب ایڈیشن پیش کیا جارہا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملفوظات امام احمد رضا کی برکتوں سے ہمیں بہرہ ور فرمائے۔نیز کسی صاحب علم کو اصل ماٰخذ، عبارتوں اور حوالوں کے ساتھ ان کی جدید ترتیب کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین۔

حوالہ جات

[۱] اکرام امام احمد رضا ص ۱۰ پر مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کے بارے میں ہے۔شوال ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں بریلی حاضر ہوئے، دار الافتاء میں امام احمد رضا کے ارشادات قلمبند کیے۔(اکرام امام احمد رضا ص ۱۰) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم کے علاوہ اور لوگ بھی اعلیٰ حضرت کے ارشادات قلبند کرتے تھے۔ہاں اکثر حصہ حضور مفتی اعظم ہند نے ہی زیب قلم کیا ہے۔جیسا کہ خود اعلیٰ حضرت

فرماتے ہیں۔

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ
مصطفیٰ مصطفیٰ کا ہو ملحوظ

[۲] واضح رہے کہ یہ تینوں حواشی بھی بعد کے نسخوں میں (جو اس وقت چھپ رہے ہیں) کتابت میں چھوٹ گئے ہیں۔ منہ

[۳] ۲۵ راکتوبر ۲۰۰۲ء کو راقم الحروف بریلی شریف حاضر ہوا، جانشین مفتی اعظم ہند تاج شریعت حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ عرض کیا کہ وہ کون سا نسخہ ہے جسے حضور مفتی اعظم ہند نے خود شائع کروایا تھا اس پر حضرت موصوف نے لاعلمی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ بعد والے نسخوں پر حضور مفتی اعظم ہند ناراضگی ظاہر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ "نہ جانے کیسے چھپوا دیا ہے"۔

حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قبلہ مدظلہ نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ اور اس سلسلہ میں حضور مفتی اعظم ہند سے اپنے ایک استفسار اور ان کے ارشاد کا بھی حوالہ دیا۔ منہ ۱۲

[۴] دلہن کے پاؤں دھو کر مکان میں چھڑکنے پر، یونہی ایک پیر کا اپنے مرید کے ساتھ ہمہ وقت رہنے سے متعلق امام احمد رضا کے افادات پر اعتراض و جواب کی تفصیلات التحقیقات وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

[۵] حالانکہ اس کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہے۔

"الافاضات الیومیہ من الافادات القومیۃ" (ملفوظات حکیم الامت) میں استخارہ کے سلسلے میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی تقریباً چھ حدیثیں پیش کی ہیں جو ملفوظات حکیم الامت جلد دہم ص ۲۵۶ تا ص ۲۵۸ پر درج ہیں۔ ان میں پہلی حدیث بخاری کے حوالہ سے یوں درج ہے۔

اذدعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت ارحمنی ان شئت ارزقنی ان شئت، ولیعزم المسئلۃ انہ یفعل مایشاء لا مکرہ لہ رواہ البخاری۔

(ملفوظات حکیم الامت جلد دہم ص ۲۵۶)

حالانکہ بخاری شریف میں وہ حدیث حضرت انس کی روایت سے یوں ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم اذا دعا احدکم فلیعزم المسئلۃ ولا یقولن اللھم ان شئت فاعطنی فانہ لا مستکرہ لہ۔ (بخاری شریف ثانی ص ۹۳۸)

اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے یوں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم المسئلۃ فانہ لا مکرہ لہ۔ (ایضاً)

دوسری حدیث مسلم شریف کے حوالے سے یوں درج ہے۔

اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفر ان شئت ولکن لیعزم المسئلۃ ولیعزم الرغبۃ فان اللہ تعالیٰ لا یتعاظمہ شئ اعطاہ رواہ مسلم (ایضاً ص ۲۵۷)

جب کہ مسلم شریف جلد دوم ص ۳۴۲ پر وہ حدیث حضرت انس کی روایت میں یوں ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا احدکم فلیعزم الدعاء ولا یقل اللھم ان شئت فاعطنی فان اللہ لا مستکرہ لہ۔

اور حضرت ابوہریرہ کی روایت میں یوں ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم فی الدعاء فان اللہ صانع ماشاء ولا مکرہ لہ۔ ۱۲

[۶] ماہنامہ جہانِ رضا لاہور ص ۳۹، اگست، ستمبر ۱۹۹۴ء

بحوالہ مولانا شہاب الدین رضوی، مضمون: الملفوظ اور اس کا مقام و مرتبہ۔

(بشکریہ ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور، جنوری۔ فروری ۲۰۰۸)

☆☆☆

ملفوظات رضا اور مابعد الطبیعاتی نظریات

از: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی☆

الفاظ۔ امام احمد رضا کی زبان سے ادا ہوئے ہوں یا ان کے قلم سے نکلے ہوں، ان کا ہر لفظ معتبر ہے اور ایسا معتبر و مستند ہے کہ عطر بیز بھی ہے اور نور بار بھی! ان ہر ہر لفظ سے حق و صداقت کی روشنی بھی منعکس ہوتی ہے اور عقیدہ و ایمان کی خوشبو بھی مچلتی ہے۔ امام احمد رضا کے ہر ہر لفظ میں علم و حکمت اور معنی کا ایک جہان آباد ہے۔

درجنوں نقلی اور عقلی علوم وفنون پر رقم کردہ ان کی تصانیف کا تو جواب ہی نہیں۔ ہر ہر تصنیف کے لفظ لفظ اور سطر سطر سے ان کے علمی تبحر، ان کی عقبریت، تحقیقی آن بان، تجدیدی شان اور مصطفوی عشق و عقیدت کے ان گنت جلوے بہار دکھاتے نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا کا کمال تو یہ ہے کہ ان کے ملفوظات بھی علم و تحقیق، شان ادبیت اور جمال ایمانیات کے آئینہ دار اور شاہکار ہیں۔ امام احمد رضا کے ملفوظات، فقہی و علمی نکات، ادبی، فنی، ریاضیاتی اور سائنسی نظریات، امور تصوف، رسول کونین ﷺ کے فضائل و مناقب، صحابہ و اولیاء اور علماء کے تذکرے، سلاطین اور ممالک کے واقعات اور حالات، بھانت بھانت کے مضامین و موضوعات۔ بس یوں سمجھئے کہ معلومات کا خزانہ و گنجینہ ہیں۔ اور لاریب! یہ "مسلمانان عالم کے لئے ایک اعلیٰ ترین دستور العمل" ہے جبکہ عالم یہ ہے کہ یہ ملفوظات محض دو سال چند ماہ ہی کے ہیں۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب مدظلہ العالی سابق صدر شعبۂ عربی، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ "اگر ۸، ۱۰ سال کے بھی ملفوظات مرتب کئے جاتے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی جلد میں علوم وفنون کی مختصر سی دائرۃ المعارف پہنچ جاتیں"۔ (ماہنامہ جہان رضا، لاہور۔ اگست، ستمبر ۱۹۹۴ء)

امام احمد رضا کے یہ ملفوظات بنام "الملفوظ" ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء مرتب ہو کر منظر عام پر آئے۔ اسکا تاریخی نام زبر و بینہ میں خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے "الملفوظ" رکھا۔ زبر و بینہ کے حساب سے "الملفوظ" کے اعداد ۱۳۳۸ بنتے ہیں۔ امام احمد رضا کے ملفوظات کے جائزے پر لکھا تو گیا ہے مگر بہت ہی کم۔ زیادہ تر تاثرات اور اظہار خیالات ہی کے طور پر لکھا گیا ہے۔ راقم نے ملفوظات رضا کے نثری حسن پر بھی لکھا ہے جو کئی سال قبل "جہانِ رضا" لاہور میں شائع ہو چکا ہے اور اس مضمون کی پسندیدگی پر عزت مآب پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے راقم کو خط بھی لکھا تھا۔

راقم نے اپنے مقالہ "امام احمد رضا اور علم طبیعیات" (جو کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے) میں بھی ملفوظات میں پیش فرمودہ طبیعیاتی نظریات کے حوالے دئے ہیں۔

راقم کا زیرِ نظر مضمون ملفوظات میں شامل مابعد الطبیعیاتی نظریات سے متعلق ہے۔ "علم مابعد الطبیعیات" سے مراد ہے "الٰہیات" یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم۔ اللہ رب العزت واجب الوجود ہے، وحدہٗ لاشریک ہے، جسم و جسمانیت، جہت، زمان و مکان اور ہر نقص و خطا سے منزہ و مبرا ہے، اس کی صفات بھی قدیم ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ علم اسلامی عقائد کا اصل الاصول ہے اور ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے قرآن و حدیث سے ثابت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے علم سے واقفیت اور ان پر اٹل عقیدہ لازم و واجب ہے۔

ملفوظات میں امام احمد رضا نے مسئلہ "وحدۃ الوجود"، "اللہ تعالیٰ کے لئے ظلم یا کسی بھی طرح کا نقص محال ہیں"۔ لفظ اللہ مرکب ہے یا مفرد"۔ تنزیہہ مع تشبیہ بلا تشبیہ" نیز انہیں سب کے تعلق سے "وقت و زمانہ" اور "جزو لایتجزیٰ" وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

(۱) وحدۃ الوجود کی تعریف:

امام احمد رضا فرماتے ہیں: "وجود ایک اور موجود ایک ہے باقی سب اس کے ظل ہیں"۔ (حصہ اول ص ۱۲۹)

مزید ارشاد فرماتے ہیں: "وجود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کے سوا جتنی موجودات ہیں سب اس کی ظل پر تو ہیں تو

☆ بریلی شریف

حقیقۃً وجود ایک ہی ٹھہرا''۔(حصہ اول ص ۸۰)

اس مسئلہ کی وضاحت میں امام احمد رضا نے کئی مثالیں بیان فرمائیں جن میں سے ایک مثال اس طرح ہے:

''روشنی بالذات آفتاب وچراغ میں ہے، زمین ومکان اپنی ذات میں بے نور ہیں، مگر بالفرض آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور چراغ سے سارا گھر روشن ہوتا ہے۔ ان کی روشنی انہیں کی روشنی ہے۔ ان کی روشنی ان سے اٹھا لیجائے وہ ابھی تاریک محض رہ جائیں''۔(ایضاً ص ۸۰)

امام احمد رضا نے اس سخت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کو آفتاب اور چراغ کی روشنی کی مثال دے کر جس طرح مختصر مگر جامع انداز میں سمجھایا ہے وہ آپ کے نورِ بصیرت پر دال ہے۔

(۲) جزو لایتجزیٰ کا مسئلہ:

امام احمد رضا نے جزو لایتجزیٰ پر تفصیلی بحث ''الکلمۃ الملہمہ'' میں کی ہے نیز ''فوز مبین در رد حرکت زمین'' میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے۔

امام احمد رضا سے اس کی بابت سوال کیا گیا کہ: ''فلاسفر کہتے ہیں کہ جزو لایتجزیٰ باطل ہے۔ اگر باطل مانا جائے اور ہیولیٰ اور صورت کی قدامت باطل کردی جائے تو اسلام کے نزدیک اس میں کیا برائی ہے؟''

جواب میں ارشاد فرمایا: ''اگر جزو لایتجزیٰ نہ مانا جائے تو ہیولیٰ اور صورت کے قدم کا راستہ کھلے گا۔ ان دلائل فلاسفہ کا اٹھانا پھر طویل وعریض مباحث چاہے گا اس لئے ہمارے علماء نے اسے سرے ہی سے رد فرمایا۔ گربہ کشتن روز اول باید۔ دین اسلام میں ذات وصفات الٰہی کے سوا کوئی شے قدیم نہیں۔ رب العزت فرماتا ہے: بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ نیا پیدا فرمانے والا زمین اور آسمان کا۔ اور حدیث میں ہے کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْئٌ۔ ''ازل میں اللہ تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا''۔ غیر خدا کسی شے کو قدیم ماننا بالاجماع کفر ہے۔''(حصہ دوم ص ۱۸۹)

''جزو لایتجزیٰ'' سے مراد نہ تقسیم ہونے والا جز (Indivisible Part) لیا گیا ہے۔ اسے جوہر یا ایٹم (atom) کا بھی نام دیا جاتا ہے۔ اگر ''فوز مبین'' اور ''الکلمۃ الملہمہ'' میں جزو لایتجزیٰ کی بحث کا تفصیلی جائزہ موجودہ ایٹمی تھیوری (Atomic Theory) کی روشنی میں لیا جائے تو امام احمد رضا کے اس نظریہ کو موجودہ جوہری نظریے کے ماہرین پر فوقیت و اولیت دی جاسکتی ہے۔ ضرورت ہے کہ جماعت کے اہل علم وقلم اس مسئلہ پر بھی لکھیں۔

(۳) زمانہ اور وقت کی بحث:

بلاشبہ اللہ رب تبارک وتعالیٰ اور اس کی تمام صفات قدیم ہیں اور زمانہ حادث۔ امام احمد رضا ''زمانہ اور وقت'' کے متعلق کیسا مدلل اور ایمان افروز جواب عطا فرماتے ہیں، ملاحظہ کیجئے:

ارشاد ہوتا ہے: ''وقت کس چیز کا نام ہے۔ وقت ہے ہی نہیں۔ اہل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو زمانے اور جہت میں گھیر دیا۔ کسی چیز کو بغیر زمانے کے نہیں سمجھ سکتے۔ رب العزۃ زمانے سے پاک ہے مگر بولتے ہیں وہ ازل میں بھی ایسا ہی تھا جیسا اب ہے اور ابد تک ایسا ہی رہے گا، تھا اور ہے اور رہے گا۔ یہ سب زمانے پر دلالت کرتے ہیں اور وہ زمانے سے پاک اور حوادث جو ہیں فی الحقیقت وہ بھی زمانے سے جدا ہیں مگر ان کا زمانے سے جدا ہونا عقل بتائے گی اور کس ذریعہ سے معلوم نہ ہوگا''۔(حصہ چہارم ۳۷۶)

لفظ ''اللہ'' مرکب ہے یا مفرد:

لفظ ''اللہ مرکب ہے یا مفرد'' کی بحث میں امام احمد رضا کی صرف ونحو میں مہارت کا بھی اظہار ہوتا ہے نیز اسی بحث میں حضور ﷺ کو بارگاہ الٰہیہ کا وسیلۂ عظمیٰ بھی ثابت کردیا ہے اور واضح کردیا ہے کہ حضور ﷺ ہی ''نور اِلٰہ'' اور ''تکوین عالم کی اصل'' ہیں۔

اس سوال ''اللہ کا لفظ مرکب ہے یا مفرد'' کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''مشہور یہ ہے کہ ال تعریف اور الٰہ سے مرکب ہے، ہمزہ کی حرکت لام کو دیکر اس کو حذف کردیا اور لام کو لام میں ادغام کردیا لفظ اللہ ہوگیا مگر مجھے دوسرا قول پسند ہے کہ لفظ اللہ مرکب نہیں بلکہ بہیئت کذائیہ علم ہے ذات باری کا کہ جس طرح اس کی ذات غیر مرکب ہے اسی طرح اس کا نام بھی غیر مرکب ہونا چاہئے اور ان کا مؤید اس کا طرز استعمال بھی ہے کہ وقت ندا اسکا الف نہیں گرتا یا اللہ میں ایسا نہیں ہوتا کہ ہمزہ اور الف گر کر یا لام میں مل جائے۔ اگر لام تعریف ہوتا تو ضرور ایسا ہوتا۔ کہ اس کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے اور منادیٰ بیا معرف باللام کے پہلے ایہا زیادہ کرتے ہیں، یہاں حرام ہے اور اگر

معنی کا تصور کر کے ہو تو کفر ہے۔ ایہا کے معنی ہوتے ہیں ایک مبہم ذات جس کا بیان آگے ہے۔ وہاں ابہام کیسا، وہ تو اعرف المعارف ہے ہر شے کو تعیین تو وہیں سے عطا ہوتی ہے۔" (حصہ چہارم ص ۳۸۰)

آگے پھر فرماتے ہیں: "وہ تو اس قدر ظاہر ہے کہ اس کا بے غایت ظہور ہی سبب ہو گیا اس کے بے نہایت بطون کا قاعدہ ہے کہ شے جب تک ایک حد معتاد تک ظاہر رہتی ہے مرئی ہے اور جب اس حد سے گزرتی ہے نظر نہیں آتی۔ آفتاب طلوع کے بعد کچھ بخارات سحابات وغیرہ میں ہوتا ہے پوری طرح نظر آتا ہے، خوب اچھی طرح اس پر نگاہ جم سکتی ہے اور جتنا بلند ہوجاتا ہے نگاہ میں خیرگی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ جب بالکل نصف النہار پر آجاتا ہے نگاہ کی مجال نہیں کہ اس پر جم سکے مگر پھر بھی اس کا ظہور ایک حد ہی تک ہے اس لئے اگرچہ ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے پھر بھی اس کی روشنی سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ چودھویں شب کو جب آفتاب ہم سے بالکل پوشیدہ ہوجاتا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ آفتاب سے روشنی لے سکے۔ اس وقت ماہتاب، آفتاب اور اہل زمین کے درمیان متوسط ہو کر آفتاب ہی سے نور لیتا ہے اور اہل زمین کو نور پہنچاتا ہے جو چاہے کہ اس ماہتاب سے نور نہ لوں گا بلکہ آفتاب ہی سے لوں گا ہرگز نہیں لے سکتا۔"

تبصرہ:

سبحان اللہ، الحمدللہ۔ کس طرح دلیلِ عقل اور منطقیانہ بحث کی روشنی میں حضرت امام احمد رضا آقا حضور ﷺ کو بارگاہ ایزدی کا وسیلہ اور نور رسالہ ثابت کرتے ہیں اور اس طرح اصل تکوین عالم!

آگے دیکھیے، اسی بحث میں امام احمد رضا سرکار ابد قرار ﷺ کو رب عظیم کی نعمتوں کا قاسم بھی ثابت کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں:

"بلا تشبیہ ذات باری تعالیٰ بے حد ظاہر تھی اور اسی سبب سے بے حد باطن تھی۔ تمام موجودات میں اس سے مستفید ہونے کی استعداد بھی نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ماہتاب نبوت بنایا کہ آفتاب الوہیت سے منور ہو کر تمام مخلوقات کو منور کردے۔

عرش تک پھیلی ہے تابِ عارض
یوں چمکتے ہیں چمکنے والے

جو چاہے کہ بغیر وسیلے اس ماہتاب رسالت ﷺ کے کچھ حاصل کرلوں وہ خدا کے گھر میں نقب لگانا چاہتا ہے۔ بغیر اس توسل کے کوئی نعمت، کوئی دولت کسی کو بھی نہیں مل سکتی ہے جس سے تمام عالم منور و موجود ہے۔ وہ نہ ہو تو تمام عالم پر تاریکیٔ عدم چھا جائے۔ وہ قمر برج رسالت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں ہو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خزانة السر وموضع نفوذ الامر جعل خزائن كرمه وموائد نعمه طوع يديه يعطي من يشاء ويمنع من يشاء لا ينقد امر الامنه ولا ينقد خير الاعنه۔ حضور اقدس ﷺ خزانہ سر الٰہی اور جائے نفاذ حکم خدا ہیں۔ رب العزة جل جلالہ نے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان حضور کے قبضے میں کردئے۔ جس کو چاہیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے، کوئی نعمت، کوئی دولت کسی کو کبھی نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے ﷺ۔ یہی معنی ہیں انما انا قاسم واللہ یعطی۔ جز ایں نیست کہ میں ہی بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔

وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا، وہ نہ ہو تو باغ ہو سب فنا
وہ ہے جان، جان سے بقا، وہی بُن ہے، بُن سے ہی بار ہے

(حصہ چہارم ص ۳۸۰۔۳۸۱)

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور متشابہہ کی بحث:

قرآن کریم میں اور حدیث پاک میں اللہ جل جلالہ کے لئے "استواء، ید، نزول" وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں لیکن ان سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ اللہ بیٹھا ہوتا ہے، یا اترتا ہے یا اس کے ہاتھ ہیں جیسے کہ انسانوں کے۔ اللہ دیکھتا سنتا ہے لیکن بغیر کان اور آنکھ کے۔ وہ جسم سے، جہت و مکان و زمان وغیرہ سے پاک ہے۔ اب ملاحظہ کیجئے کہ ان سب کے تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کیسی نفیس و جلیل بحث فرماتے ہیں اور ایسے نازک و پیچیدہ مسائل کی کیسی شاندار اور ایمان افروز تشریح و توضیح کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں: "جس آیت کو اس کے ظاہری معنی پر حمل کرنے سے کوئی عقلی استحالہ لازم آتا ہو وہ متشابہ ہے۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ کے معنی ظاہر اگر لیں تو اس کا ہاتھ مانا اور جب ہاتھ ہو تو جسم بھی ہوا اور ہر جسم مرکب اور مرکب اپنے وجود میں اپنے ان اجزا کا محتاج ہے جن

سے وہ مرکب ہے جب تک وہ موجود نہ ہولیں یہ موجود نہیں ہوسکتا تو خدا کا محتاج ہونا لازم آیا اور ہر محتاج حادث اور کوئی حادث قدیم نہیں اور جو قدیم نہو وہ خدا نہیں ہوسکتا تو سرے سے الوہیت کا ہی انکار ہوگیا اسلئے ثابت ہوا کہ ید اللہ فوق ایدیھم محکم نہیں متشابہ ہے اور لیس کمثلہ محکم ہے۔" (حصۂ چہارم ص ۳۷۶۔۳۷۷)

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"تشبیہ محض کفر ہے اور تنزیہ محض گمراہی اور تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ عقیدۂ حقہ اہلسنت ہے۔" (ایضاً ص ۳۷۸)

"لیس کمثلہ شئی" کی بابت فرماتے ہیں: "لَیس کَمِثلِہ شئی انہ ھو السمیع البصیر، یہ تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ ہے۔ تشبیہ محض تو یہ ہوتی کہ وہ ہماری ہی طرح ایک جسم من الاجسام۔ اس کے کان، آنکھ، ہماری ہی طرح گوشت پوست سے مرکب ہیں وہ انہیں سے دیکھتا سنتا ہے اور یہ کفر ہے اور تنزیہ محض ہے کہ دیکھنے سننے میں اس کو بندوں سے مشابہت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے بھی انکار کر دیا جائے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ خدا دیکھتا سنتا ہے یہ کچھ اور صفات ہیں جن کو دیکھنے سننے سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ گمراہی ہے۔ اصل عقیدہ یہ ہے کہ لیس کمثلہ شئی۔ یہ تنزیہ ہوئی کہ اس کی مثل کوئی شئی نہیں اور انہ ھو السمیع البصیر۔ تشبیہ ہوئی اور جب دیکھتے سننے کو بیان کیا کہ اسکا دیکھنا آنکھ کا، سننا کان کا محتاج نہیں وہ بے آلات کے دیکھتا سنتا ہے یہ نفی تشبیہ ہے کہ بندوں سے جو وہم مشابہت ہوتا اس کو مٹا دیتا تو ماحصل وہی نکلا تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ"۔ (حصۂ چہارم ص ۳۷۸)

تبصرہ:

"المعتقد المنتقد" سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہ کی تصنیف لطیف (بزبان عربی) پر حضرت امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ نے جو عربی میں حاشیہ لکھا ہے اس کا نام ہے "المعتمد المستند"۔ "المعتقد المنتقد" اور "المعتمد المستند" دونوں کا ترجمہ حضرت تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری بریلوی نے اردو میں کیا ہے۔ کتاب "المعتقد المنتقد" میں جہاں حضرت علامہ فضل رسول علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

"اور یونہی کتاب وسنت کے متشابہات کا اس کے ظاہری معنی پر جاری ہونا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق میں محال ہے جیسے کہ استواء، انگلی، ہاتھ، پیر، داہنا ہاتھ اور نزول وغیرہا اور سلف وخلف اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے ظاہری معنی سے منزہ ہے۔" (ص ۱۱۳۔۱۱۴)

وہاں حاشیہ میں امام احمد رضا فرماتے ہیں: "(اقول) اور تمہارے اوپر یہاں ایک باریکی کی طرف متوجہ ہونا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ ظاہر پر جاری کرنا کبھی بولا جاتا ہے اور مراد اس سے وہ ظاہر ہوتا ہے جو ہمیں مفہوم ہوتا ہے، ہمارے ذہنوں کا تضاد اسی کے موافق ہوتا ہے جو ہم اپنے آپ میں اور اپنے جیسوں میں پاتے ہیں یعنی گوشت اور ہڈی کا ہاتھ اور انگلی، لمبائی، چوڑائی اور موٹائی والی اور تجزی اور ترکیب والی۔ ہم یہ ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جو اس کے لائق ہے جیسا کہ نص یہ معنی دیتی ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ید بمعنی قدرت ہے جیسے کہ قول اھل تاویل نے اختیار کیا ہے، لیکن ہم یہ ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ید جسمیت اور ترکیب سے اور خلق کی مشابہت سے منزہ ہے اور اس سے وراء ہے کہ عقل یا وہم اس کا احاطہ کرے بلکہ وہ اس کی صفات قدیمہ قائمہ بذات کریمہ سے ایک صفت ہے جس کے معنی کا ہم کو علم نہیں اور یہی ائمہ معتقدین کا مسلک ہے اور یہی مختار معتمد واضح حق ہے اور یہی معنی ہے تشبیہ اور تنزیہ کو اکٹھا کرنے کا جس کا قول کیا جاتا ہے تو تنزیہ حقیقت اور تشبیہ لفظ میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول: لیس کمثلہ شئی (کوئی شے اس کے مثل نہیں۔ کنز الایمان) تو بے شک اس فرمان نے حقیقت کی تنزیہ فرمائی پھر" وھو السمیع البصیر "اور (وہی ہے سنتا دیکھتا) فرما کر لفظ میں تشبیہ کا فائدہ دیا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت میں اور مخلوق کی صفات میں نام کی شرکت کے سوا کوئی شرکت نہیں اور اللہ ہی کے لئے بلند عبادت ہے۔" (المعتقد المنتقد مع المعتمد المستند ص ۱۱۴)۔

ملفوظاتِ رضا (الملفوظ) واقعی ایک دائرۃ المعارف ہے۔ ضرورت ہے کہ اسپر بھی تحقیق وجائزہ کے امور انجام دیے جائیں۔

امام احمد رضا کا نظریۂ مدو جزر

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

القرآن:

اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ ط ظُلُمٰتٌ م بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ ط (النور: ٤٠)

یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے [گہرائی] کے درمیاں میں اس کے اوپر موج، موج کے اوپر موج، اس کے اوپر بادل (تہہ بہ تہہ) اندھیریں ہیں ایک پر ایک۔

Or like darkness on the unfathomed sea: one wave covers up another wave, over which there [hang] clouds; layers of darkness, one above the other.
[The Qur'an, Chapter: 24, The Light, Verses: 40]

قرآن کریم میں سورۂ نور کے علاوہ بھی کئی سورتوں اور آیات میں سمندروں میں اٹھنے والی موجوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ بغیر حکمِ الٰہی کوئی شے اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی چہ جائیکہ سمندروں میں لہر پر لہر کا اٹھنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کے حکم سے پوری کائنات کے سسٹم کو انجام دے رہے ہیں۔ حضرتِ انسان کو کائنات کے اسی سسٹم کو سمجھنے کی دعوت دی گئی ہے اور ان لوگوں کو عقلمند قرار دیا ہے جو اس کائنات کے معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ کائنات کے مختلف سسٹم کا ذکر کرنے کے بعد خداوند کریم سوچ بچار کرنے والوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

القرآن:

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○

(البقرۃ: ۱۶۴)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے چند بندے اس کی بنائی ہوئی کائنات اور اس کے سسٹم پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کوئی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز اور کوئی سسٹم بغیر وجہ کے نہیں بنایا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

(اٰل عمران: ۱۹۱)

جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔ اے رب ہمارے! تو نے یہ بیکار نہ بنایا، پاکی ہے تجھے، تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدثِ بریلوی (المتوفی

۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) علیہ الرحمہ اللہ تعالیٰ کے ان ہی بندوں میں سے ایک بندۂ بشر ہیں جنھوں نے شریعتِ محمدی ﷺ پر مکمل چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں پر بھی خوب غور و فکر کیا جس کی قرآن کریم میں دعوتِ فکر دی گئی ہے۔ امام احمد رضا نے ہمیشہ کائنات کے کسی بھی سسٹم کو سمجھنے کے لیے قرآن و حدیث کے اصولوں سے روشنی حاصل کی ہے اور سائنس کے ان اصولوں کا ہمیشہ ردّ کیا ہے جو آیاتِ ربانی یا احادیثِ نبوی کے منفی ہوتے ہیں۔ امام احمد رضا ایک مسلم سائنسدان کی نمائندگی کرتے ہیں جس طرح ان سے پچھلے مسلم سائنسدانوں نے قرآن و حدیث کے اصولوں کی روشنی میں کائنات کے مختلف پہلوؤں پر اپنی سوچ اور فکر کا اظہار کیا مگر افسوس دورِ حاضر کے مسلمان اور بالخصوص مسلمان سائنسدان اپنی ان بنیادی علمی کتب (یعنی قرآن و حدیث) سے افادہ نہیں کرتے۔ صرف اور صرف مغربی سائنسی اصولوں کو ہی اہمیت دیتے ہیں اور ان کے ہی اصولوں کے مطابق اپنے تحقیقی کاموں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ کاش ان دونوں بنیادی کتابوں سے بھی استفادہ کرتے تو شاید آج ساری کی ساری سائنس قرآن و حدیث کے اصولوں سے منور ہوتی اور یوں اللہ اور اس کے رسول کے ناموں کی اور بلندی ہوتی۔

مقالہ ہٰذا کا تعلق سمندروں میں اٹھنے والی ان موجوں سے ہے جن کو علم البحر (Oceanography) کی اصطلاح میں ''مدّ و جزر'' [high tides/ low tides] کہتے ہیں۔ اس کو ہندی زبان میں ''جوار بھاٹا'' بھی کہا جاتا ہے۔ سمندروں میں ''مدّ و جزر'' کئی وجوہات کے باعث وجود میں آتا ہے یعنی ''مدّ و جزر'' کئی وجوہات کے باعث سمندروں میں پیدا ہوتا ہے اور ہر وجہ کی باعث اس کو الگ نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً جب ہواؤں کا شدید طوفان سمندر سے گزرتا ہے تو یہ طوفان بھی بہت بلند موجیں پیدا کرتا ہے اور یہ موجیں بلند ہونے کے ساتھ ساتھ بہت تیز رفتار بھی ہوتی ہیں۔ ان کو طوفانی لہروں کا نام دیا جاتا ہے۔

اسی طرح جب سمندر کی چٹانوں میں زلزلہ آتا ہے تو اس زلزلے سے پیدا ہونے والی آواز کی لہریں (Sound Waves) پانی کے اندر پہنچ کر سمندر کے پانی میں لہروں کو جنم دیتی ہیں اور یہ لہریں اپنے مقامِ زلزلہ سے لے کر چاروں طرف سمندر کے اندر پھیل جاتی ہیں اور تیز رفتاری کے ساتھ ساحلوں تک پہنچتی ہیں جن کی تیز رفتاری کے باعث ساحلوں پر زبردست طوفانی موجیں نقصان پہنچاتی ہیں۔ یہ لہریں سونامی (Tsunami) کہلاتی ہیں۔ یہ دونوں اقسام کی موجیں یا لہریں وقتی ہوتی ہیں اور کچھ دیر کے بعد سمندر پھر اپنی حالت میں آجاتا ہے۔ سمندر کے ساحلوں پر لہریں جو ہمہ وقت پیدا ہوتی ہیں اور ساحل پر آکر ختم ہو جاتی ہیں اور یہ سمندروں کے سطح پر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہیں جب کہ باعث سمندر کا پانی آگے پیچھے ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ سمندری موجیں یہ لہریں یا Tidal waves کہلاتی ہیں۔

سمندروں میں پیدا ہونے والی لہریں جو ۲۴ گھنٹوں میں دو دفعہ بلند اور دو دفعہ نیچے ہو جاتی ہیں اور بظاہر چاند کے بڑھنے اور گھٹنے سے ان کی بلندی کم، زیادہ دکھائی دیتی ہے، ان لہروں کو ''مدّ و جزر'' کہا جاتا ہے۔ شکل نمبر ۱ ملاحظہ کیجئے:

تصویر: ۱

سائنس کی دنیا میں لہروں کا یہ خاص چڑھاؤ کا تعلق چاند اور سورج کی کششِ ثقل (Gravitational Force) سے جوڑا جاتا ہے۔ اس نسبت سے صرف چاند اور سورج کی کشش کے باعث بیچ

سمندروں کے پانی کا اتار چڑھاؤ ''مد'' کہلاتا ہے۔ شکل نمبر ۲ ملاحظہ کیجئے۔ اس کی لغت میں تعریف ملاحظہ کریں:

مدّ: عربی اسم مؤنث ہے اور چاند کی کشش سے سمندر کے پانی کا چڑھاؤ کہلاتا ہے۔ (فیروز اللغات۔ اردو)

تصویر: ۲

انسائیکلو پیڈیا میں اس کی تعریف مندرجہ ذیل کی گئی ہے:

"Term commonly applied to the rise and fall of the Ocean level twice at any place in about 24 hours and 50 minuts."
[The Webster Family Encyclopedia, V.18, P.115]

مندرجہ بالا دونوں تعریفوں سے جو کلیہ بظاہر سمجھ آرہا ہے وہ یہ کہ ''مد و جزر'' کا تعلق چاند اور سورج کی کششِ ثقل کے باعث ہے اور یہ ساحلوں سے دور سمندروں میں اٹھتی ہیں۔ سمندر کے علاوہ جھیلوں، دریاؤں اور کسی بھی کھڑے پانی میں نہیں اٹھتی ہیں اور دن میں دو دفعہ ان کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے۔ یہ تمام باتیں سائنسی اصول کے بنیاد پر بتائی گئی ہیں۔ یہ بات بھی درست ہے کہ سائنسی اصول بھی طویل جدوجہد اور تحقیق کے بعد کسی قانون کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ تمام سائنسی اصول قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہیں۔ جہاں جہاں مطابقت ہے وہاں ہم سائنس کی سوچ کو یا قانون کو درست مانتے ہیں اور جہاں سائنس کے اصول قرآن وحدیث کے مخالف ہوں، ایک مسلمان کے لیے ان کو ماننا مناسب نہیں۔ یہ ہی اصول امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی نے اپنایا۔ چنانچہ ایک مقام پر اس بات کا تعین کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل [اصول وقوانین] سے اسے خلاف ہے، سب میں مسئلہ اسلامی [قرآن وحدیث کے اصولوں کے مطابق] کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس [جو قرآن وحدیث کے خلاف ہیں] کو مردود و پامال [یعنی ان کا رد کیا جائے] کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اصول کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات کیا جائے۔ سائنس کا ابطال [رد] و اسکات ہو۔'' (فتاویٰ رضویہ، رسالہ ''نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین وآسمان''۔ جلد: ۹، ص: ۱۹۰، مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا شریعتِ محمدی ﷺ کے انتہائی مستند عالم وفقیہہ ہیں اور ملتِ اسلامیہ نے آپ کو چودھویں صدی ہجری کا ''عظیم مجدد'' بھی قرار دیا ہے۔ آپ دنیاوی علوم کے بھی عظیم اسکالر ہیں کہ دنیاوی علوم کے ماہرین نے آپ کو نوبل پرائز کا اول حقدار قرار دیا۔ [ڈاکٹر سر ضیاء الدین، وائس چانسلر، علی گڑھ یونیورسٹی] اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ امام احمد رضا بلاشبہ ہر دنیاوی علم کے ماہر تھے۔ چنانچہ آج راقم ان کو علم البحر کے ماہر کی حیثیت سے روشناس کروا رہا ہے اور یہ مقالہ امام احمد رضا کو نہ صرف ایک ماہر Oceanographer ثابت کرے گا بلکہ ساتھ ہی ساتھ ان کو ایک ''عظیم سائنسدان'' بھی ثابت کرے گا۔

امام احمد رضا نے ایک رسالہ بعنوان ''فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین'' (۱۳۳۸ھ) تحریر کیا تھا جس میں ۱۱۵ دلائل سے یہ ثابت کیا کہ زمین ساکن ہے اور سورج سمیت تمام سیارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔

اگر چہ یہ دورِ حاضر کے مسلمان سائنسدانوں کے لیے اچنبھا ہے لیکن اگر امام احمد رضا کے دلائل کو بغور سمجھ کر زمین کی سکونت یا سورج کی گردش کو بغور مطالعہ کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ امام احمد رضا کا مؤقف صحیح ثابت ہو۔ اسی رسالے میں ایک ذیلی بحث ''مدّ و جزر'' کی بھی ہے جو صفحہ ۴۹ تا ۵۸ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس بحث میں امام احمد رضا نہ صرف ایک ماہر ''علم البحر'' نظر آتے ہیں بلکہ ساتھ ہی ماہر علم ہیئت بھی کہ آج سے ۹۰ برس قبل امام احمد رضا علم البحر کے حوالہ سے مندرجہ ذیل باتیں جانتے تھے۔ اگر چہ آپ بنیادی طور پر ایک عالم دین تھے مگر دنیاوی علوم و فنون پر بھی بھرپور دسترس رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ

۱۔ سمندروں کے نیچے آگ سلگ رہی ہے
۲۔ سمندروں کی گہرائی ۵۔۶ میل ہے
۳۔ چند سوفٹ کی گہرائی کے بعد سمندر کا پانی ٹھہرا ہوا ہے
۴۔ مدّ و جزر کا اثر صرف اوپری سطح پر موجود پانی پر ہوتا ہے
۵۔ چاند کا زمین سے یا سورج کا چاند سے فاصلہ کتنا ہے
۶۔ چاند، سورج اور زمین کا ایک دوسرے کی نسبت حجم کی مناسبت کیا ہے
۷۔ سمندروں میں کب اور کہاں آتشی مادہ ابلتے ہیں
۸۔ تین بڑے سمندروں کے علاوہ بقیہ سمندروں اور دیگر پانیوں میں مدّ و جزر کیوں نہیں پیدا ہوتا
۹۔ مدّ و جزر کی زیادہ سے زیادہ بلند موج کن سمندروں میں ہوتی ہے
۱۰۔ مدّ و جزر کا تعلق قطعاً چاند اور سورج کی کشش کے باعث نہیں ہے
۱۱۔ اول مدّ و جزر اللہ کے حکم کے پابند ہیں
۱۲۔ دوم مدّ و جزر سمندر کی گہرائی میں موجود آتشی مادہ کی حرارت کی منتقلی کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔

اس سے قبل کہ امام احمد رضا کے دلائل کو پیش کروں، ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے قارئین کرام کو دورِ حاضر کے سائنسی اصولوں سے آگاہ کروں کہ مدّ و جزر کو سائنس کس تناظر میں دیکھتی ہے۔ اس کے بعد ان سائنسی اصولوں کی خامیوں کی نشاندہی امام احمد رضا کے دلائل کی

روشنی میں پیش کروں گا۔ ملاحظہ کیجئے ایک بھرپور نظریہ مدّ و جزر انسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے

"The part of the ocean that is nearer the moon is attracted more strongly then is the solid earth and the solid earth is attracted more than the part of the ocean that is turned away from the moon. Therefore, bulges in two high tides on opposite side of the earth."
[The Webster Family Encyclopedia, Vol.18, P. 114]

مفہوم یہ ہے کہ جو سمندر کا حصہ چاند کی طرف رخ کرتا ہے اس کو چاند زیادہ قوت سے اپنی طرف کھینچتا ہے بہ نسبت زمین کے اور دوسری جانب سمندر کے نیچے کی زمین کو چاند زیادہ کھینچتا ہے بہ نسبت اس کے پانی کے اس لیے دو ابھار پانی کے [مدّ] ہوتے ہیں۔

علم طبیعیات (Physics) کے اعتبار سے مدّ (Lunar Tide) کی تعریف ملاحظہ کریں:

The word "Tides" is a generic term used to define the alternating rise and fall in sea level with respect to the land [of the earth], produced by the gravitational attraction of the moon and the sun.

The "tide generating" force is the difference between these two forces. On the surface of the Earth nearest the moon, gravity is greater than the rotational force, and so there is a net force towards the moon causing a bulge towards the moon. On the opposite side of the earth, gravity is less as it is farther from the moon, so the rotational force is dominant. Hence, there is a net force away from the moon. It is this that creates the second bulg away from the moon. (Fig. 3)

[Reference: moontide.com]

Earth
Moon
Tidal bulge due to attraction of Moon

تصویر: ۳

مفہوم:

سمندروں میں پانی کا اتار چڑھاؤ چاند اور سورج کی قوت کشش ثقل کے باعث ہوتا ہے اور مدّ (Tides) ان دونوں قوتوں کے اختلاف کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ تصویر میں دائیں جانب حصہ (a) کی طرف اس عمل کو دکھایا گیا ہے کہ چاند زمین کے پانی کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور زمین کی قوتِ کشش پانی کو اپنی طرف نہیں کھینچ پاتی یا زمین کی قوتِ کشش پانی کو اپنی طرف کھینچنے سے قاصر رہتی ہے اس لیے پانی میں ابھار مدّ پیدا ہوتا ہے۔ اسی وقت میں دوسری طرف (b) چاند کی کشش پانی کو نہیں کھینچ پاتی ہے اور چونکہ زمین گھوم رہی ہے اس لیے دوسری طرف کا پانی (centrifugal force) کے باعث زمین سے باہر بھاگتا ہے جس کے باعث اسی وقت میں دوسری طرف بھی ابھار (مدّ) پیدا ہو رہا ہے۔

ایک اور تعریف ملاحظہ کیجئے:

Tide is the verticle movement of water and only goes up and down. Current is horizontal and sideways flow of water. A tide is the rise and fall of water caused by gravitational forces of the moon and sun on the ocean of the earth.

پانی کا مدّ دراصل پانی کا بلند ہونا ہے چنانچہ مدّ کے وقت پانی بلندی پر جاتا ہے، پھر گرتا ہے جبکہ (Current Waves) موجیں پانی سطح سمندر پر دوڑتا ہے۔ مدّ کا تعلق چاند اور سورج کی قوتِ کشش سے ہوتا ہے جس کے باعث وہ پانی اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔

ملاحظہ کیجئے نیچے دی گئی تصویر میں کہ کس طرح مدّ (Tide) پیدا ہوتا ہے۔

تصویر: ۴

The gravity pull of the moon tugs on the surface of the ocean until its surface mounds up and outward in the direction of moon. When the mound of water has reached its highest point, it is called "High Tide". On the opposite side of the earth from the moon, the centrifugal force caused by the Earth's rotation produces another mound of water and "High tide". Between these two high tides are two flat areas on the surface of the ocean (at pole sides) which are the "Low Tides".
[Reference: http://csep10.phys.utk.edu/]

چاند کی قوتِ کشش سمندر کی سطح پر اثر ڈالتی ہے جس کے باعث سمندر کا پانی اوپر اٹھتا ہے یا چاند کی طرف بڑھتا ہے جیسا کہ تصویر نمبر ۴ میں چاند کے رخ کی طرف کا حصہ نظر آرہا ہے اور جب یہ پانی کا ابھار اپنے انتہا کو پہنچتا ہے تو اس کو High tide کہا جاتا ہے۔
تصویر نمبر ۴ کے دائیں طرف کے رُخ کو دیکھیں جس طرف چاند نہیں ہے اور چاند کی قوتِ کشش اس طرف سمندر کے پانی کو کھینچنے سے قاصر رہتی ہے [کیونکہ بیچ میں زمین کی قوتِ کشش ہے] اور دوسری طرف کیونکہ زمین گھوم رہی ہے جس کے باعث ایک قوت (Centrifugal force) مرکز سے باہر کی طرف پھینکنے کی پیدا ہوتی ہے اس لیے زمین اس طرف پانی کو باہر کی طرف پھینکتی ہے اور اس طرف کا پانی بھی اسی وقت اٹھتا ہے جس وقت چاند کی کشش کے باعث بائیں طرف کا اٹھ رہا تھا، لہٰذا اس طرف بھی اتنی بڑی یا اونچی Tide پیدا ہوتی ہے۔

تصویر: ۵

تصویر نمبر ۵ میں دائیں بائیں تو High tides دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسی وقت دونوں قطبین کی طرف پانی کی سطح گرتی ہے جس کے باعث وہاں Low tides پیدا ہوتی ہیں۔

Due to the cyclic rotation of the earth and moon, the tidal cycle is 24 hourse & 52 minutes long. During this time, any point on the earth's surface experiences two high tides and two low tides.

چاند اور زمین اور سورج کی گردش کے دورانیہ کیونکہ برابر نہیں اس لیے یہ مدّ ہر ۲۵ گھنٹے کے بعد دو High tides اور دو Low tides بناتے ہیں یا پھر ۱۲ گھنٹے اور ۲۵ منٹ کے بعد سمندر پر High اور Low tides بنتی ہیں۔

چاند کی قوتِ کشش زمین کے پانی پر کیونکر اپنا اثر زیادہ ہوتی ہے باوجود کہ سورج کی قوتِ کششِ ثقل چاند کی قوتِ کششِ ثقل سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کا جواب علمِ طبیعیات کی زبان میں ملاحظہ کیجیے:

The moon, which is approximately 240,000 miles [386,240 km] from the earth, exert a greater influence on the tides then does the sun, which sits 93 million miles [150 million km.] from the earth. The strength of the sun's gravity is 179 times that of the moon's but the moon is responsible for 56% of the

Earth's tidal energy which the sun claims responsibility for a more 44% [due to the moon's proximity but the sun's much longer size].

چاند زمین سے 240,000 میل دور ہے جب کہ سورج زمین سے ۹۳ ملین میل دور۔ اسی طرح سورج کی قوتِ کششِ ثقل چاند کی قوتِ کشش ثقل سے ۱۷۹ گنا زیادہ ہے مگر علمِ طبیعات کے اعتبار سے چاند کی قوتِ کشش زمین کے پانی پر زیادہ اثر ڈالتی ہے۔

When the sun, moon and the earth are lines up, the sun and moon are exerting their strongest force together and tidal ranges are at their mass maximum. This is known as spring tides. This occur twice each month, when the moon is full and new. At the first quater and third quarter moon, the moon and sun are at 45 angle to each other and their gravitational energy is diminished. The low tide called neap tides are formed.

[Referemce: home.hiwaay.net/~krcool/]

تصویر: ۶

دورانِ گردش ایسا بھی ہوتا ہے کہ چاند، سورج اور زمین ایک لائن میں ہوتے ہیں یا سورج زمین کے ایک طرف اور چاند دوسری طرف۔ اس دوران سب سے بلند Tide پیدا ہوتی ہیں جن کو Spring Tide کہا جاتا ہے اور جب چاند اور سورج ۴۵ کا زاویہ

بنائیں جس طرح تصویر نمبر ۶ میں دیکھا جاسکتا ہے تو اس وقت زمین کی قوت کم ہوتی ہے اور چاند کی قوت زیادہ۔ اس لیے چاند کی طرف سمندر زیادہ بلند مدّ بناتا ہے اور سورج کی طرف یہ مدّ کم ہوتا ہے۔ اس صورتحال کو Neap tide کہا جاتا ہے۔

علمِ طبیعیات کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

☆ چاند اور سورج کی قوتِ کششِ ثقل زمین پر موجود صرف پانی پر اپنا اثر ڈالتی ہیں اور اس اثر کے باعث (Bulge) پانی میں بلندی پیدا ہوتی ہے جس کو Tide یا مدّ کہا جاتا ہے۔

☆ چاند کی کششِ ثقل کا اثر سورج کی کششِ ثقل سے زیادہ ہے اگرچہ سورج کا حجم بھی زیادہ ہے اور اس کی gravity بھی بہت زیادہ ہے مگر چاند چونکہ قریب ہے اس لیے اس کی کشش زیادہ پائی جاتی ہے۔

☆ اصولی طور پر جب زمین مستقل گردش کررہی ہے تو اس کی spin کے باعث Centrifugal force چاروں طرف از خود برابر ہونا چاہیے اور اس قوت کے باعث سمندر کا پانی چاروں طرف یکساں اٹھنا چاہیے یعنی پوری زمین پر اس کے چاروں طرف ہمہ وقت ایک مستقل ابھار مدّ ہونا چاہیے جس طرح کوئی بالٹی میں پانی بھر کر گھماتا ہے تو پانی باہر کی طرف اٹھتا ہے اس لیے سائنسی قانون کے تحت یہ Bulging مستقل ہونا چاہیے اور چاروں طرف برابر بھی اور اگر چاند پانی کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے تو چاند کے رخ پر Bulge یا مدّ زیادہ ہوسکتا ہے مگر سائنسی اعتبار سے دونوں جانب مدّ برابر ہوتا ہے اور ہر ۱۲ گھنٹے کے بعد۔

اسی طرح جب سورج اور چاند ایک طرف ہوجائیں تو اب اس طرف سمندر کے پانی کو تین قوتیں ملیں گی جب کہ دوسری جانب صرف ایک قوت ہوگی۔ اس لحاظ سے اب ان دونوں میں Bulge (ابھار) کا فرق ۳ گنا ہونا چاہیے مگر ایسا نہیں ہوتا۔

☆ چاند کی گردش ۲۴ گھنٹے جاری ہے اور سائنس کے اعتبار سے زمین کی گردش بھی۔ اس لحاظ سے زمین کی Centrifugal force چاروں طرف برابر ہونا چاہیے اور قطبین پر بھی اسی Centrifugal

force کے باعث برابر کا bulge یا مدّ بننا چاہئے مگر تعجب کہ قطبین پر کم اور قطر کے دونوں طرف بڑا مدّ پیدا ہوتا ہے اس کے برعکس تین طرف کا مدّ ایک جیسا اور چاند کے رُخ کا مد ان تینوں سے زیادہ ہونا چاہئے۔

قارئین کرام! اب امام احمد رضا کے نظریہ کو ملاحظہ کریں اور حقیقت سے آگاہی حاصل کریں کہ قدرت کیا کررہی ہے اور انسان یا سائنسی مفروضہ کیا سبق دے رہا ہے۔ امام احمد رضا کے نظریۂ مدّ سے قبل جن سائنسی اصولوں کے تحت بحث کی گئی ہے، امام احمد رضا نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے جو دلائل دیئے ہیں وہ بھی ملاحظہ کریں۔

سائنسی قانون میں بتایا گیا کہ زمین کے پانی کو چاند کھینچتا ہے اور دوسری طرف کا پانی Centrifugal force کے باعث باہر کی طرف بھاگتا ہے یا اُٹھتا ہے اور اس لحاظ سے دونوں طرف مدّ برابر ہوتا ہے۔

امام احمد رضا لکھتے ہیں:

> چاند زمین کے ایک طرف ہوگا۔ دوسری طرف پانی کس نے کھینچا؟ یہ تو جذب [attraction] نہ ہوا بلکہ دفع [repulsion] ہوا۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

> اصول الهیات [Principles of Physics] وغیرہ میں اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بعید پر جذب کم ہوتا ہے [یعنی دوسری طرف کا پانی چاند سے کیونکہ دور ہے اس لیے اس پر چاند کے جذب attraction یا چاند کی gravitational pull کا اثر کم ہوتا ہے لہٰذا وہاں زمین کی Centrifugal force کے باعث Bulge پیدا ہوجاتا ہے]

امام احمد رضا اصول ہیئت کو مزید وضاحت کرکے تعاقب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> سمت مواجہہ قمر [چاند کی طرف منہ کیے ہوئے پانی] میں پانی قمر سے قریب اور زمین [چاند کی زمین یا سطح] سے بعید لہٰذا پانی پر زمین سے زیادہ جذب ہوا اور بہ نسبت زمین کے چاند سے قریب تر ہوگیا [فاصلہ a] یوں ارتفاع [Bulge] ہوا [ابھار ہوا یا مدّ Lunar tide پیدا ہوئی]۔ جیسا کہ تصویر نمبر ۷ میں دکھایا گیا ہے۔

تصویر: ۷

اس تصویر میں فاصلہ (a) چاند کی زمین سے لے کر پانی کی اوپری سطح کا فاصلہ ہے جبکہ فاصلہ (b) چاند کی زمین سے لے کر سمندر کے نیچے زمین کی تہہ تک کا فاصلہ ہے جو زیادہ سے زیادہ ۵-۶ میل اضافی ہے

> [دوسری طرف] اُدھر کا پانی قمر سے بعید اور زمین قریب ہے [تصویر نمبر ۸ میں فاصلہ (a) چاند اور پانی کی سطح کے درمیان کا فاصلہ ہے جبکہ فاصلہ (b) چاند اور پانی کے نیچے کی زمین کا فاصلہ ہے جو پہلے والے فاصلہ (a) سے ۵-۶ میل کم ہے] لہٰذا زمین پر پانی سے زیادہ جذب ہوا [یعنی تصویر نمبر ۸ میں چاند زمین کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے بہ نسبت کہ وہ پانی کو جذب کرے اور پانی کو صرف اس لیے نہیں کھینچ رہا کہ وہ صرف ۵-۶ میل دور ہے اور ۵-۶ میل کے فاصلہ ہونے کے باعث یہاں قانون الٹا ہوگیا کہ اس نے پانی کو جذب کرنے کے بجائے زمین کو جذب کرنا شروع کردیا۔]
> اور اُدھر کا حصہ زمین چاند سے بہ

نسبت آب[پانی] قریب تر ہو گیا [فاصلہ(a) شکل۸]

تصویر: ۸

تو وہ پانی مرکزِ زمین سے دور ہو گیا [شکل نمبر ۸ میں زمین کے بائیں جانب کا پانی مرکز سے دور بتایا جارہا ہے جبکہ شکل نمبر ۷ میں دائیں جانب کا پانی بھی اسی حالت میں جس حالت میں پانی کی شکل ۸ میں ہے] اور مرکزِ زمین سے دوری بلندی [Bulge] ہے۔ ادھر یوں ارتفع ہوا [شکل ۸ میں دائیں طرف کا پانی جو بلند ہوا، اس کی وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ یہ پانی مرکز سے دور ہے اور زمین کو چاند جذب کررہا ہے اس لیے دائیں طرف کا پانی بلند ہوکر ارتفع (مدّ) پیدا کررہا ہے]

امام احمد رضا اصول ہیئت کو مزید تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے بعد ان اصولوں کا رد کرتے ہوئے چند سولات اٹھارہے ہیں:

جس طرح قُرب و بُعد سے اثر جذب میں اختلاف ہوتا ہے [یعنی جو چیز قریب ہے اس کو آسانی سے اور جلدی کھینچا جاسکتا ہے اور جوں جوں وہ شے دور ہوتی جائے گی اثر جذب (Force of attraction) کم سے کم ہوتا جائے گا تو جس طرح فاصلہ کی کمی بیشی سے اثر جذب میں اختلاف پیدا ہوتا ہے] یوں ہی مجذوب [جو شے کھینچ رہی ہے] کے ثقل و خفت [ہلکے، بھاری ہونے کی وجہ] سے بھاری جسم کم کھینچے گی [بھاری چیز کو کھینچنے کے لیے بہت زیادہ قوت درکار ہوگی اس لیے وہ کم قوت سے کم کھینچے گی] اور ہلکی زیادہ [یعنی ہلکی چیز کو کھینچنا آسان ہے اور وہ زیادہ جلدی کھینچی جاسکتی ہے]۔

امام احمد رضا یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ

سمت مقابل کا پانی [جیسا کہ شکل نمبر ۸ میں زمین کے دائیں طرف کا پانی] بہ نسبت زمین کیا ایسا بعید ہے [یعنی کیا بہت دور ہو گیا جس کے باعث چاند اپنا اثر پانی پر نہیں ڈال سکا یا چاند کا اثر جذب کمزور ہو گیا کہ وہ پانی کو جذب نہیں کررہا ہے جبکہ چاند اتنی بڑی زمین کو جذب کررہا ہے جس کی وجہ سے پانی باہر کی طرف اٹھتا ہے] کہ سمندر کی گہرائی [جو] زیادہ سے زیادہ ۵ میل بتائی گئی اور قمر کے بعد [زمین سے دوری] اوسطاً [average] میل 238,833 ہے اور زمین کا قطر معدل میل 7913 تو اس جانب [شکل نمبر ۸ کے دائیں جانب کے پانی کے نیچے کی زمین] کے اجزائے ارضیہ کا قمر سے بعد 246,746 [7313+238,833=246,746] میل ہوا۔ اس کثیر بُعد [اتنے بڑے فاصلے] پر ۶-۵ میل کا اضافہ ایسا کیا فرق دے گا۔ [یعنی 246,746 کے بجائے 246,752 میل ہونے سے اتنا بڑا فرق پیدا ہو گیا کہ چاند پانی کو کھینچنے کی صلاحیت کھو بیٹھا اور پانی جو کہ ہلکا ہے اس کے بجائے اتنی بھاری زمین کو کھینچنے لگا۔]

امام احمد رضا مزید ایک سوال اٹھاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

پانی بہ نسبت زمین بہت ہلکا ہے۔ زمین کی کثافت پانی سے ۶ گنا قریب ہے [یعنی

۵٫۶۷ کے قریب] تو اگر تفاوت کے بعد اس کے جذب میں کمی کرے [یعنی قمر جو شکل (۸) میں پانی سے دور دکھایا گیا ہے، صرف ۵۔۶ میل کی دوری سے جذب میں یا اس کو اپنی طرف کھینچنے میں کمزور پڑ رہا ہے] تو تفاوت ثقل [Differnece of gravity pull] اس کمی [جو شکل نمبر ۸ میں پانی قمر کی طرف نہیں کھینچ رہا ہے محض چند میل کی دوری کی وجہ سے تو زمین تو پانی کے بالکل متصل ہے۔ یہ زمین کی کشش اس پانی کو کیونکر نہیں جذب کر رہی کہ وہ زمین کی کشش ثقل چاند کی ثقل سے کہیں زیادہ ہے اور کثافت زمین بھی پانی سے زیادہ ہے] پر غالب آئے گا یا نہ سہی [اگر ثقل زمین زیادہ نہ بھی ہے تو اتنا تو ہوگا کہ وہ چاند کے مقابلے میں پانی کو زیادہ جذب کرے] پوری تو کردے گا اور زمین و آب پر جذب یکساں رہ کر پانی زمین سے ملا ہی رہے گا [یعنی اگر زمین کی قوت جذب پانی پر غالب نہ بھی آئے تو قمر کے جذب کی کمی کو وہ پورا کردے اور یوں پانی زمین سے متصل رہے کسی قسم کی کوئی مد tide پیدا نہ ہو] تو مد نہ ہوگا بخلاف مواجہ قمر [facing moon toward Earth] کہ ادھر کا پانی قرب و لطافت دونوں کا تابع ہے [جیسا کہ شکل نمبر ۷ میں بتایا گیا ہے کہ چاند کے دائیں طرف زمین ہے اور زمین کے بائیں طرف کا پانی چاند کی طرف رخ کیے ہوئے ہے، یہ پانی اپنی لطافت یعنی کم کثافت کی بنا اور چاند سے اس پانی کا زمین کی سطح کے مقابلہ میں فاصلہ بھی کم ہے] تو اُسی طرف مد ہونا چاہئے [دوسری طرف مد کیونکر ہوتا ہے]

امام احمد رضا اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ سائنسی اصول کے تحت جو بتایا جاتا ہے کہ ایک ہی وقت میں زمین کی دونوں جانب سمندروں کے اندر ابھار پیدا ہوتا ہے اور دونوں طرف برابر کی مدّ پیدا ہوتی ہیں جبکہ صورتحال یکساں نہیں ہوتی یا رہتی کیونکہ کبھی چاند اور سورج دونوں ایک لائن میں زمین کے بائیں یا دائیں جانب ہوتے ہیں کبھی چاند اور سورج زمین کے دائیں بائیں ہوتے ہیں۔ کبھی چاند اور سورج زمین سے ۴۵ درجہ بناتے ہیں دوسری طرف زمین گھوم رہی ہے۔ اس کے باعث Centrifugal force پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے پانی باہر کی طرف اٹھتا ہے۔ پھر چاند اور سورج کی قوتِ کشش بھی زمین پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان سب مختلف صورتحال میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں دونوں جانب برابر کی High tide پیدا ہوں یا Low tide بنیں۔ پھر عجیب تر صورتحال یہاں تک بتائی جاتی ہے کہ زمین کے ایک طرف چاند کی کششِ ثقل کام کرتی ہے اور دوسری طرف خود زمین کی Centrifugal force کا اثر اتنا زیادہ اور برابر کا ہوتا ہے کہ دونوں جانب برابر کی (Same heigh tide) مدّ پیدا ہوتی ہیں۔

امام احمد رضا نے کششِ ماہ سے مدّ ہونے کے عمل کو گرفت کرتے ہوئے سوال کیا کہ

> اگر کشش ماہ [gravity pull of moon] سے مد [lunar tide] ہوتا ہے تو چھوٹے پانیوں [other than three great oceans] میں [مد] کیوں نہیں ہوتا۔ چاند جس پانی کے سامنے آئے گا اسے کھینچے گا [اس اصول کے تحت کہ چاند پانی کو اپنی طرف کھینچتا ہے جس کے باعث مد ہوتا ہے تو چاند کو ہر پانی اپنی طرف کھینچنا چاہئے چاہے وہ کیسپین سمندر (Caspian Sea) ہو یا بالٹک سمندر (Baltic Sea)، وہ میڈیٹیرین سمندر (Mediterian Sea) ہو یا بحر احمر (Red Sea)]
> اس کے جواب میں [کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ چاند

صرف ۳ سمندروں (Pacific, Atlantic & Indiana ocean) کے پانی کو کھینچتا ہے] اصول هیات نے تو هتھیار ڈال دیئے اور کہا یہ کسی مقامی سبب سے ہے۔

امام احمد رضا اس گرفت کے بعد اس اصول کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

یہ هی کہنا تھا[کہ چاند مقامی سبب سے کسی کسی پانی کو جذب کرتا ہے] تو وهاں کہنا چاهئے تھا کہ مدّ و جزر کا کوئی مقامی سبب هے[نہ کہ جو کچھ سائنس نے اوپر بیان کیا]جس کے باعث یہ قاهر ایراد [blunder mistakes] نہ هوتے۔

امام احمد رضا سائنس کے ایک اور اصول کی گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سورج کی قوت کشش چاند کی قوت کشش سے کہیں زیادہ ہے تو چاند کیونکر پانی کو جذب کرتا ہے سورج کیوں نہیں کرتا؟ اس کا جواب سائنس نے یہ دیا کہ پانی چاند سے قریب ہے اور سورج سے دور اس لئے چاند سے مد زیادہ ہوتا ہے اور سورج سے کم، امام احمد رضا خاں اس قانون کی گرفت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''کیا آفتاب پانی کو جذب نهیں کرتا حالانکہ وہ[سورج] حرارت اور یہ[پانی] رطوبت (Liquid) هے اور حرارت (Heat Energy) جاذب رطوبت هے [یعنی حرارت رطوبت کو جذب کرنے کی بھرپور قوت رکھتی ہے]شمس اگر بہ نسبت قمر[زمین کے پانی کے اعتبار سے] بعید تر[بہت دور ہی]هے تو دونوں کے مادے (masses) کی نسبت تو دیکھو بُعد شمس[سورج کی دوری] بُعد قمر کا 373.33 هی مثل هے[یعنی چاند کے مقابلے میں سورج زمین سے 373.33 گنا دور ہے] اور مادہ شمسی (mass of sun) تو مادہ قمر کا تقریباً ڈھائی کروڑ گنا یا اس سے بھی زیادہ هے تو اس حساب سے جذب شمس (Gravitational pull of sun) زائد هونا تھا اور رات دن میں چار مد (4,high tides) هوتے هیں دو قمر سے اور دو شمس سے [سائنسی اصول کے مطابق] حالانکہ دو هی هوتے هیں تو معلوم هوا [ثابت ہوتا ہے کہ جب] جذب شمس [شمس میں جذب کرنے کی قوت نہیں] تو جذب قمر بالاولیٰ نهیں[تو پھر جذب قمر ہونا ہی نہیں چاہئے یا اس کا جذب بہت کم اور کم زور ہو]۔

سائنسی اصول کے اعتبار سے سورج چاند کے مقابلے میں بہت دور ہے اس لئے وہ چاند کے مقابلے میں کمزور جذب رکھتا ہے اور چاند زیادہ طاقتور مد پیدا کرتا ہے۔

امام احمد رضا کا بہت واضح جواب یہ ہے کہ دوری اپنی جگہ درست بات ہے مگر مادوں کا فرق تو دیکھو کہ چاند سے ڈھائی کروڑ گنا زیادہ جم تو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ سورج اپنے سے زیادہ حجم کے باعث کم حجم والے کو اپنی طرف جذب کرے۔

امام احمد رضا نے اس کے علاوہ کئی اور پہلو پر گفتگو فرمائی ہے اور سائنس کے ایک ایک اصول کا رد کرتے ہوئے ان کو آگاہ کیا کہ آپ اصولوں کو بغور دیکھو یہاں تمام پہلوؤں پر گفتگو نہیں کی جاسکتی البتہ ایسے چند نکات پیش کئے ہیں کہ قارئین کرام بھی ان باتوں کو سمجھ سکیں اگر موقعہ ملا تو ایک مقالہ تفصیل سے لکھنے کی کوشش کروں گا آخر میں امام احمد رضا کا نظریہ مدوجزر ملاحظہ کیجئے جو عین قرآن وحدیث کے مطابق بھی ہے اور ان سائنسی اصولوں کے تحت جن پر سائنسدانوں نے ابھی توجہ نہیں کی ہے، بالکل درست نظر آتا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

موج مد (Tidal wave)[جس کو سائنس میں Lunar tide بھی کہا جاتا ہے] کو تفاوت جذب

جانبین ارضی موقوف ماننا [یعنی جس طرح سورج چاند کے مقابلے میں زمین سے دور ہے اور اسی دور کو بنیاد بنایا جاتا ہے کہ قمر قریب ہے اس لئے جذب کرتا ہے اور سورج دور ہے اس لئے کمزور جذب کرتا ہے] کیسا جہل شدید ہے [کیونکہ مد کو ایک اصول سے نہیں بتایا جاتا ایک طرف کی مد زمین کی قوت کشش کے باعث اور دوسری طرف مد چاند کی کشش کے باعث جب کہ سورج اس منظر کو کھڑے ہوئے صرف دیکھ رہا ہے اور کوئی اثر نہیں ڈال رہا]۔

امام احمد رضا ان تمام معاملات میں سب سے پہلے خداوند کریم کی قدرت کا اظہار فرماتے ہیں پھر اپنا نظریہ بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ رقمطراز ہیں:

ہمارے نزدیک ہر حادث کی علت [کہ کوئی عمل کس طرح ہوا] محض ارادۃ اللہ جلّ و علا ہے مسببات (Events that happens) کو جو اسباب (Causes) سے مربوط [تعلق] فرمایا ہے سب کا جان لینا ہمیں کیا ضرور بلکہ قطعاً نا مقدور، کون بتا سکتا ہے کہ سوزن مقناطیس (Magnetic needle) کا جدی الفرقد [جدی ستارہ کی طرف کیوں اپنا رخ کیے رہتی ہے] سے کیا ارتباط ہے [یعنی میگنٹ کی سوئی کیونکر ایک خاص سمت کی نشاندہی کرتی ہے اور اس کو کنٹرول کرتی ہے] ابھی گزرا [اوپر بیان ہوا] کہ اصول هنیات میں بحیرات و انھار [کسی سمندروں اور مختلف پانیوں میں] مد (tide) نہ ہونا [مد کا وہاں ظہور نہ ہونا] سبب مجہول کی طرف نسبت کیا [کہ مقامی سبب کی بنا پر چاند کچھ پانیوں کو جذب کرتا ہے کچھ کو نہیں اور کچھ کو کیوں کرتا ہے اور کچھ کو کیوں نہیں کس کو معلوم کہ یوں کیا ہوتا ہے]۔

ہمارے یہاں [دین اسلام کی تعلیمات میں] تو ثابت ہی تھا [پہلے سے ثابت تھا یعنی ۱۴۰۰ سال قبل سے] کہ سمندر کے نیچے آگ ہے [جیسا کہ] قرآن عظیم نے فرمایا:

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ (الطور: ٤)

اور (قسم ہے) سلگائے ہوئے سمندروں کی

اور حدیث میں ہے:

ان تحت البحر ناراً

بے شک سمندر کے نیچے آگ ہے (المستدرک حاکم)

ہیئت جدیدہ بھی اسے مانتی ہے۔

The oceanic trenches are hemispheric-scale long but narrow topographic depressions of the sea floor. They are also the deepest parts of the ocean floor.

Trenches define one of the most important natural boundaries on the Earth's solid surface, that between two lithospheric plates. There are three types of lithospheric plate boundaries: divergent (where lithosphere and oceanic crust is created at mid-ocean ridges), convergent (where one lithospheric plate sinks beneath another and returns to the mantle), and transform (where two lithospheric plates slide past each other). Trenches are the spectacular and distinctive morphological features of

convergent plate boundaries. Plates move together along convergent plate boundaries at convergence rates that vary from a few millimeters to ten or more centimeters per year. A trench marks the position at which the flexed, subducting slab begins to descend beneath another lithospheric slab. Trenches are generally parallel to a volcanic island arc, and trenches about 200 km from a volcanic arc. Oceanic trenches typically extend 3 to 4 km (1.9 to 2.5 mi) below the level of the surrounding oceanic floor. The deepest ocean depth to be sounded is in the Challenger Deep of the Mariana Trench at a depth of 10,911 m (35,798 ft) below sea level. Oceanic lithosphere disappears into trenches at a global rate of about a tenth of a square meter per second.

Sea floor spreading at the mid-oceanic ridge

تصویر: ۹

امام احمد رضا بحرالکاہل میں ۱۰۵۶ء کے سال ایک سمندری آتش فشاں کے پھٹنے کا حوالہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"۱۰۵۶ء میں بحر الکاہل (Pacific Ocean) سے دھواں (smoke, ash) نکلنا شروع ہوا اور مادۂ آتشی (Volcanic molten Material) کہ قعر دریا (Oceanic trench) سے نکلا تھا مجتمع و منجمد (Solidify) ہو کر سطح آب پر ایک ٹھوس جزیرہ (Island) ہو گیا۔ اس میں (Solid lava) میں سوراخ (pores) تھے جن سے ایسے شعلے نکلتے تھے کہ دس میل تک روشن کرتے۔ طوفان آب کے اسباب سے ایک سبب دریا (سمندر) کہ اندر بخار و دخان کا پیدا ہونا ہے [یعنی سطح آب پر جو دھواں اٹھ رہا تھا اور پھر بخارات اور دھواں زمین کے اوپر ظاہر ہوا تو اس کا اصل سبب سمندر کے نیچے سے لاوا اٹھنے کا عمل تھا۔]

امام احمد رضا اس عمل کو کہ لاوا Ocean trenches سے باہر آتا ہے اس کی حدت پانی کو پہنچتی ہے اور وہ پانی کو اوپر اٹھاتا ہے یہاں تک کہ بلند کر دیتا ہے جو کہ مد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ عمل مسلسل سمندروں کے اندر جاری ہے اور صرف اور صرف تین بڑے سمندروں میں یہ Oceanic trenches قطب شمالی سے لے کر قطب جنوب تک تسلسل کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔

[There is contineous chain of oceanic trenches in all there ocean almost in the center of oceans at depth of 5-7 miles.]

ان (trenches) سے مسلسل لاوا اوپر آرہا ہے اور یہ

Molten material آگ کی صورت میں ان قعر دریا (trenches) سے باہر آتا رہتا ہے اور اس کی حدت مسلسل بیچ و بیچ سمندروں میں اوپر تک پہنچتی ہے جس کے باعث یہ ابھار یا پانی کا اٹھاؤ (مد) بنانے کا سبب بنتا ہے اس لئے بحرالکاہل کے اندر اور پھر اس کے مخالف بحر اوقیانوس میں مسلسل عمل جاری رہتا ہے اور دو دفعہ یہ مد دیکھا جاسکتا ہے اس کا تعلق چاند کی کشش سے نہیں اس حدت کے باعث ہے جو پانی کو مسلسل نیچے آگ سے مل رہی ہے۔ چنانچہ امام احمد رضا نظریہ قلمبند کرتے ہیں:

ایسے میں بخارات اندر سے آتے اور پانی کو اٹھاتے ہوں یہ مد ہوا (High Tide) جیسے جوش کرنے میں پانی اونچا ہوتا ہے [یعنی جب پانی کو کسی برتن میں جوش دیا جاتا ہے تو حرارت کی وجہ سے وہ حرارت پانی کو اوپر اٹھاتی ہے اور پانی میں ابال (مد) پیدا ہوتا ہے] ان کے منتشر ہونے پر [یعنی جب حدت میں کمی آتی ہے] پانی بیٹھتا ہو یہ جزر ہوا (low tide)۔

امام احمد رضا خان مزید سردی اور سرگرمیوں میں مد وجزر کی کمی بیشی پر بھی اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

جاڑوں میں صبح کا مد زیادہ ہونا بھی اس کا موئد ہے [کہ] سرما [سردیوں کے موسم میں] صبح کو تالابوں سے بکثرت بخارات [Vapours] نکلتے ہیں کنویں کا پانی گرم ہوتا ہے [کیونکہ] سطح ارضی پر استیلائے برد [Cold Surface] کے سبب حرارت [heat] باطن کی طرف [Under neath] متوجہ ہوتی [واپس نیچے جاتی] ہے اور رات بڑی، اس طویل عمل حرارت سے ادھر بخارات زیادہ اٹھے ادھر پانی میں زیادہ بلند ہونے کی استعداد آگئی۔

[یعنی سردیوں میں یہ کہ اوپر کی فضا ٹھنڈی ہوتی ہے لہٰذا یہ ٹھنڈ کی تہ زمین کی حرارت کو اوپر نہیں جانے دیتے اور یہ حرارت واپس نیچے کی جانب دوڑتی ہے اور جب وہ نیچے کی جانب جاتی ہے تو حرارت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے سردیوں میں مد زیادہ بلند ہوتی ہے اور کنویں کا پانی بھی اسی وجہ سے گرم ہوتا ہے کہ اوپر ٹھنڈ کی تہ نے نیچے کی حرارت کو اوپر نہیں جانے دیا اور نیچے کی حرارت طویل دور کے اس عمل کے باعث پانی کو گرم کرنے میں کامیاب ہوئی۔

امام احمد رضا کا نظریہ مد دو لائنوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ہر بڑے سمندروں میں جو مد آتی ہے ان کا سبب نیچے سے آنی والی لاوا کی حرارت ہے جو پانی کو اوپر بلند کرتی ہے اور اس مد کا چاند یا سورج کی کشش سبب نہیں ہے۔

☆☆☆

امام احمد رضا کا نظریہ مدّ وجزر آپ کی تصنیف "فوز مبین" میں صفحہ ۴۹ تا ۵۸ تفصیل سے پڑھا جاسکتا ہے۔ احقر نے امام احمد رضا کے نظریہ مدّ وجزر کو سمجھانے کی ایک حقیری کوشش کی ہے۔ قوسین میں جو بھی عبارت ہے وہ احقر کے الفاظ ہیں۔ امام احمد رضا کی تحریر کو واضح کرنے کے لیے ایک الگ خطِ تحریر استعمال کیا ہے۔

☆☆☆

تحقیقی مقالہ نویسی کا فن اور امام احمد رضا محدث حنفی علیہ الرحمہ

پروفیسر دلاور خان☆

اللہ تعالی نے انسان کی فطرت میں تلاشِ حق کا مادّہ رکھا ہے اور جستجو کی بنیادی صلاحیت سے نوازا۔ چنانچہ وہ عمر کے کسی بھی حصے میں ہو اپنی عقل کے استعمال سے اشیاء کی حقیقت و ماہیت کی دریافت میں کوشاں رہتا ہے۔ اسی وصف کے تحت ابتدائے آفرینش سے انسان نے اپنے ماحول کو سمجھنے اور اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے تحقیق کی طرف توجہ دی۔ ابتداء میں اس کا طریقہ کار اتنا ہی خام اور غیر واضح تھا جتنا اس کا اندازِ حیات لیکن پھر ''علم الانسان مالم تعلم'' کہنے والے علیم وخبیر نے اسے اپنے طرز حیات کو سنوارنا سکھایا اور انسان نے اللہ تعالی کے ودیعت کردہ جذبۂ جستجو اور شوق سے اپنے ماحول کی تفہیم شروع کی۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے روزمرہ زندگی کے مسائل حل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کا معیار زندگی اس منزل پر پہنچا جہاں ایسی لاتعداد قوتیں اس کے زیر تصرف ہیں جن سے وہ ابتداء میں خوف زدہ رہتا تھا۔

انسان کے ماحول میں یہ تبدیلی، اس کی جستجو اور مسلسل تحقیق کا بیش بہا ثمر ہے۔ خالق کائنات نے اسے قرآن حکیم میں غور وفکر کی دعوت دی ہے اس غور وفکر سے انسان نے مسائل کے لاتعداد مہیب پہاڑ سر کیے۔ مولانا احمد رضا خان نے قرآن حکیم کے اسی فلسفۂ جستجو وتحقیق کو اپنا مقصدِ اولین قرار دیا۔ اور شب وروز عالمِ اسلام کے معاشرتی، سماجی، سیاسی، سائنسی، معاشی، ادبی، فکری مسائل پر تحقیق کرکے آپ نے تحقیقی انداز میں بیش بہا مقالہ جات تحریر فرما کر امت مسلمہ کو مسائل کی دلدل سے نکال کر ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش فرمائی۔ آپ محقق علی الاطلاق کے منصب پر فائز تھے۔ آپ نے تحقیق کے مقاصد، محقق کے اوصاف، تحقیق کی تعریف، مفروضہ، طریقۂ تحقیق، اقسام تحقیق، آلات تحقیق، تعلیقات، حوالہ جات، متن کا داخلی تجزیہ، متن کا خارجی تجزیہ، حوالہ جات کا اسلوب تحریر، اصطلاحات تحقیق جیسے لوازماتِ تحقیق پر گراں قدر نگارشات چھوڑیں ہیں جس کا ہر پہلو ایک وسیع مقالے کا متقاضی ہے۔

تحقیقی مقالے کے لئے اس کے اسلوب تحریر کا معیاری ہونا لازمی ہے مقالہ نگاری ایک تحقیقی، علمی، معروضی اور سائنٹفک عمل ہے جس میں ادیبانہ شوخی اور نہ خطیبانہ جوش وخروش پایا جاتا ہے بلکہ سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے علمی حقائق کی وضاحت کی جاتی ہے۔ الشیخ احمد رضا خان محدث حنفی کو تحقیقی فنِ مقالہ نگاری پر کامل دسترس حاصل تھی۔ وہ موضوع کی نوعیت کے اعتبار سے اسے مختلف انداز میں خوب برتنا جانتے ہیں، جس کا منہ بولتا ثبوت آپ کے سیکڑوں علمی وتحقیقی مقالہ جات (رسائل) ہیں۔ آپ کے تحقیقی مقالہ نویسی کے اسلوب کی چند خصوصیات ملاحظہ ہوں۔

فکری عنوان:

آپ مقالے کا عنوان نہایت ہی فکری انداز کے ساتھ مرقوم فرماتے ہیں عنوان پڑھ کر ہی قاری کو موضوع تحقیق کا نہ صرف اندازہ ہوتا ہے بلکہ عنوان اس انداز سے تحریر فرماتے ہیں جس میں مقالہ کی تاریخ تحریر بھی رقم ہوتی ہے جس سے قاری کو اس کے مقام، حالات اور تاریخ کا پس منظر واضح ہوجاتا ہے کہ کن حالات کے تناظر میں یہ مقالہ تحریر کیا گیا ہے مثلاً اظہار الحق الجلی ۱۳۲۰ھ، انوار البشارۃ فی المسائل الحج وزیارۃ ۱۳۳۹ھ، انوار المنان فی توحید القرآن ۱۳۳۰ھ

موثر آغاز:

جب آپ کسی مقالہ کو قلم بند کرتے ہیں تو اس سے مستفید ہونے والے قاری کی ذہنی سطح، دلچسپی، ضرورت اور نفسیاتی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر آغاز واختتام موثر اور علمی انداز سے مذکور موضوع اور مخصوص علم

☆ پرنسپل جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کراچی

وفن کے ماہرین کے استفادہ کے لئے کرتے ہیں۔ آغاز ہی میں آپ حمد وثناء اور درود وسلام کے صیغوں میں متعلقہ علوم کی کتب اور فنی اصطلاحات کا استعمال جس خوبصورت انداز میں نظم وضبط کے ساتھ کرتے ہیں، قاری اور علم کے متلاشیوں پر زیرِ تحقیق مسئلہ پر آپ کی مہارت اور فوقیت کا تاثر واضح ہو کر سامنے آتا ہے اس خاصیت کے بنا پر وہ بالا استعجاب آپ کی ثقہ تحقیقات سے استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، ملاحظہ ہو فتویٰ رضویہ کی پہلی جلد کا خطبہ و دیگر مقالات کے خطبات۔

طویل تمہید سے گریز:

آپ مقالے کی تحریر کا آغاز براہ راست اپنے موضوع سے کرتے ہیں اور طویل تمہید اور تبصروں سے گریز کرتے ہیں کیوں اس سے فضول میں مقالے کی ضخامت بڑھ جاتی ہے جو ایک معیاری مقالہ کو گہنا دیتی ہے۔ اس لئے براہ راست موضوع سے مقالہ نگاری شروع کرنا آپ کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

ثقیل زبان:

معیاری مقالہ نگاری میں کسی قسم کے مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ سے زبان کی سادگی میں سپاٹ پن آجاتا ہے اور وہ ثقیل بن جاتی ہے یہ اسلوب کسی مخصوص علم وفن کے تمام حقائق و وسائل بیان کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ بطور مثال شیخ الاسلام احمد رضا حنفی محدثِ بریلوی کا ایک اقتباس آپ کے مقالہ الصمصام سے ملاحظہ ہو۔

"اور عجائب صنع الٰہی جلّ حکمہ سے بھی متحمل کہ کچھ ایسی تدابیر القا فرمائی ہوں لہ جن سے جنین مشاہدہ ہی ہو جاتا ہو مثلاً بذریعہ قواسر پانچوں حجابوں میں بقدر حاجت کچھ توسیع و تفریج دے کر روشنی پہنچا کر شیشے ایسی اوضاع پر لگائیں کہ باہم قادیہ عکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب پر عکس لے آئیں زجاجات متخالفہ الملا میں ایسی وضعیں پائیں کہ اشعہ بصریہ کو حسب قاعدہ معروضہ وعلم مناظر، انعطاف دیتے جنین تک جائیں۔

(الف) مذکورہ اقتباس میں الٹرا ساؤنڈ سے متعلق حقائق مبالغہ اور رنگ آمیز کے بغیر بیان کئے گئے۔

(ب) اس سادگی میں ایک سپاٹ پن ہے۔

(ج) الٹرا ساؤنڈ کے ماہرین کے لئے سمجھنا دلچسپ اور آسان ہے۔

(د) جبکہ عام قاری اس ثقیل زبان کو تسلسل سے پڑھ نہیں سکتا اور اکتا جاتا ہے۔ حالآنکہ یہی خصوصیت آپ کے معیاری مقالہ نگاری کا حسن ہے۔

ایہام سے پاک:

آپ نے الٹرا ساونڈ سے متعلق علمی نتائج ٹھوس دلائل اور حقائق سے اُخذ کئے ہیں اور ان کی تفصیل کے لئے ایسی اصطلاحات استعمال کی گئیں ہیں جو الٹرا ساؤنڈ اور علم المناظر کے لئے غیر مبہم اور ایہام سے پاک ہے۔

جامعیت:

آپ مقالہ نگاری میں جامعیت اور اختصار سے کام لیتے ہیں لیکن اس اختصار میں جملے مختصر، پُرمغز اور زائد الفاظ سے گریز کرتے ہوئے اپنا مافی الضمیر احسن طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ آپ کی اس خصوصیت کا ایک اقتباس آپ کے رسالہ منیر العین سے ملاحظہ ہو:

"سب سے اعلیٰ، صحیح اور سب سے بدتر موضوع اور اوسط میں بہت اقسام حدیث ہیں اور درجہ بدرجہ مرتبہ صحیح کے بعد حسن لذاتہ بلکہ حسنِ لغیرہ پھر حسن لذاتہ حسن لغیرہ پھر ضعیف بضعیف قریب اس حد تک کہ صلاحیت اعتبار باقی رکھے۔ جسے اختلاط راوی یا سوئے حفظ یا تدلیس وغیرہ اول تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسم ثبوت متناول ہے اور وہ سب صحیح بہا ہیں اور آخری کی قسم صالح بہ متابعت وشواہد میں کام آتی ہے اور بابر قوت پا کر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اس وقت صلاحیت مقبول تنہا کافی ہے۔"

(۱) کم سے کم الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

(۲) زیادہ وسیع مفہوم کا احاطہ کیا گیا ہے۔

(۳) جملے پُرمغز اور مربوط ہیں۔

(۴) غیر ضروری الفاظ سے حجم بڑھانے سے گریز کیا گیا ہے۔
(۵) دلائل و براہان کا تاثر ابھرتا ہے۔

تحقیقی مقالہ نگاری کی یہ خصوصیت آپ کے رسائل اور کتب میں نمایاں نظر آتی ہے جہاں حجم بڑھانے کوشش کی بجائے معیاری تحقیق کے فن کو ترجیح دی گئی ہے اس لئے آپ کا ایک مختصر رسالہ بھی کئی ضخیم کتابوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ جوکیت کی بجائے خاصیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے برعکس بعض خود ساختہ محققین بڑی خوبصورتی سے غیر متعلقہ اقتباسات، غیر ضروری معلومات، بڑے بڑے حروف اور کمپوزنگ کے ذریعے مقالے کے حجم میں مصنوعی ہوا بھر کر اس کی ضخامت کو بڑھانے کی منفی سوچ کا شکار ہوتے ہیں بلکہ افکار رضا کی روشنی میں سچی بات یہ ہے کہ مقالہ کی خوبی کا تعلق زیادہ حجم سے نہیں ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا مقالہ بالکل ناکام اور چند سو صفحات پر مشتمل مقالہ نہایت وقیع ہوسکتا ہے

ولیم سٹرنک (william strunk) لکھتا ہے:

"جاندار تحریر میں جامعیت ہوتی ہے۔ ایک جملے میں غیر ضروری الفاظ نہیں ہونے چاہئیں۔ کسی پیراگراف میں فالتو جملہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح ایک مشین میں فالتو پرزہ نہیں چل سکتا اور کسی تصویر میں فالتو لکیریں بھدی لگتی ہیں، تحریر میں فالتو الفاظ یا فقرے تحریر کو خراب کرتے ہیں۔

حقائق کا بیان:

آپ حقائق بیان کرتے وقت صرف مقصد اور حقیقت نگاری پر زور دیتے ہیں اس حقیقت نگاری کی وجہ عام اور کم علم قاری کو زبان بوجھل اور ثقیل معلوم ہوتی جبکہ حقائق کی جان کاری کرنے والے اہلِ علم وفن کے لئے حقائق کا ایک سمندر ہے آپ کی مقالہ نگاری کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

وہ پانی جس سے وضو جائز ہے اس کی ایک سو ساٹھ اقسام، وہ پانی جس سے وضو جائز نہیں اس کی ایک سو چھیالیس اقسام، پانی کے استعمال سے عجز کی ایک سو پچھتر صورتیں۔ تیمم کس طرح اور کس چیز سے جائز ہے اس کی ایک سو بیاسی اقسام، منصوصات چوہتر، مزیدات ایک سو سات، وہ جس سے تیمم جائز نہیں اس کی ایک سو تین اقسام ہیں۔ ستاون (۵۷) منصوصات اور بہتر (۷۲) زیادات

(معارف رضا ۱۹۹۳ ص ۹۸)

فنی اصطلاحات:

اصطلاح کے لغوی معنی باہم متفق ہونا ہے یہ ایک ایسا لفظ یا مجموعہ الفاظ ہے جس میں کسی تصور، شے، کیفیت کی صحیح نوعیت اور ماہیت کو جامع اور مختصر الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ ہر علمی وفنی اصطلاح سے ہر شخص کا واسطہ نہیں ہوتا۔ کسی بھی علم وفن کی اصطلاح کسی بھی زبان میں آسان نہیں ہوتی ان کو یاد کرنا اور بر موقع استعمال کے لئے نہایت علمی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ اعلیٰ علمی سطح پر تحقیقی مضامین کی زبان سے متعلق ہوتی ہیں۔

مفکر اسلام جس مخصوص علم سے متعلق مقالہ لکھتے ہیں اس علم وفن کی مشکل، دقیق اور غیر مانوس اصطلاحات کو اس روانی اور کثرت سے استعمال کرتے ہیں کہ ایسا گمان ہوتا کہ گویا وہ آپ کی مادری زبان ہے جس سے اس علم وفن پر آپ کی علمی وتحقیقی گرفت کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ اس لئے آپ کی مقالہ نگاری میں خصوصیت کے ساتھ اصطلاحات علمی کا کثرت سے استعمال جابجا نظر آتا ہے۔ اس خصوصیت سے متعلق آپ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"جب دو چیزوں میں عقل ونقل ملازمت ثابت کرے تو بحکم قضیہ لزوم بعد ثبوت ملزوم، تحقق لازم خود محقق ومعلوم، تجسم دلیل کی حاجت معدوم اسی طرح بعد انتفائے لازم العدام ملزوم آپ ہی مفہوم کما ھو غیر خاف ولا مکتوم ادراکی ملازمت واقع کے باعث مرتبہ ادراک میں بعد علم باللزوم، تحقق ملزوم وعدم لازم کا شک ووہم وظن وتکذیب میں تابع رہتا ہے جیسے وجود ملزوم پر تیقن کامل ہوگا اور اس کے نزدیک ثبوت لازم لازمی بھی قطعی یقینی ہوگا ظان وشاک وواہم کے نزدیک مظنون ومشکوک وموسوم ہوگا اور یہ معنی بدیہات باہرہ ہیں۔"

(فتاوی رضویہ ص نمبر ۷۳۹ ج ۳۰)

آپ مقالہ نگاری میں فنی اصطلاحات کے استعمال پر خوب توجہ دیتے جس سے تحقیق میں قوت اور جان پیدا ہوتی ہے مذکورہ بالا مختصر سے اقتباس میں آپ نے بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ ۳۲ اصطلاحات رقم کی ہیں جس سے آپ کی اصطلاحات شناسی کی حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔

جدّت:

آپ کی مقالہ نگاری کی ایک یہ بھی خصوصیت نمایاں ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی جدت اور نیا پن نمایاں دیکھائی دیتا ہے مثلاً جہاں محققین نے کسی کام کو چھوڑا تو آپ نے جدت تحقیق سے اس میں اضافہ فرمایا، آپ رقمطراز ہیں۔

''بحمدہ تعالی بطلان حرکت زمین پر ایک سو پانچ دلیلیں ہوئیں جن میں پندرہ اگلی کتابوں کی ہیں جن کی ہم نے اصلاح بھی کی اور پورے نوے دلائل نہایت روشن و کامل بفضلہ تعالی خاص ہماری ایجاد ہے''

چنانچہ اس جدت طرازی کی خصوصیت کے تحت آپ ''اقول'' کہہ کر ایک قول کو ترجیح دے کر قول فیصل صادر فرماتے ہیں چنانچہ فتاویٰ رضویہ (جلد اول قدیم) میں ۱۴۴ فتاویٰ اور ۲۸ رسائل ہیں ان میں امام احمد رضا کی تحقیق اور قول فیصل کی تعداد لفظ ''اقول'' سے تین ہزار چار سو چھتیس ہے (معارف رضا ۲۰۰۴ء بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد اول) اس طرح آپ کے خطبہ حدیث میں نیا پن اور امتیاز یہ ہے کہ اس خطبہ میں آپ نے علم حدیث کی ۱۸۰ اصطلاحات اس خوبصورتی کے ساتھ بیان کی ہیں کہ علم حدیث کا اسکالر عش عش کہہ اٹھتا ہے۔

حوالہ جات:

تحقیقی مقالہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صحیح صحیح انداز میں حوالہ جات کا اہتمام کیا جائے اس کی صورت میں مصنف، کتاب اور صفحہ کا اندراج کثرت سے کرتے ہیں۔ مثلاً غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر چھیاسی معتبر و مستند کتب فقہ کے متون و شروح کی ۲۳۰ عبارتوں سے آراستہ فرمایا (معارف رضا ص ۱۰۰، ۲۰۰۵ء) حیات الاموات فی بیان سماع الاموات میں ساٹھ احادیث، صحابہ کرام تابعین اور علماء سلف کے دوسو اقوال پیش کئے اور اس رسالے میں کل چار سو حوالہ جات پیش کئے۔

آپ ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس میں مذکور دوسری کتابوں کے حوالہ جات سے بھی اپنی تحریر میں استفادہ کرتے ہیں لیکن اس طرح کہ پہلے اوّل مطالعہ شدہ کتاب کا حوالہ دیتے ہیں، پھر اس میں مذکورہ دوسری کتب کے حوالہ جات لکھتے ہیں لیکن براہِ راست دوسری کتاب کا حوالہ درج کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

''ردالمحتار' میں ہے حموی نے کنز کی شرح میں علامہ مقدسی سے نقل کیا ہے''

''غمز العیون میں بحوالہ ذخیرہ شرح المجمع سے منقول ہے''

''فی الھندیہ عن الخانیہ عن الجامع۔ ہندیہ میں بحوالہ خانیہ اور جامع سے منقول ہے''

اس کے برعکس کچھ محققین دوسروں کے حوالہ جات کو براہ راست تحریر کرتے ہیں مذکورہ حوالے کی غلطی کی نشان دہی کی جاتی ہے تو دامن چھڑانے کے لئے کہا جاتا ہے فلاں کتاب میں اسی طرح درج ہے جس کی وجہ سے محقق کی شخصیت اور علمی ثقاہت داغدار ہو جاتی ہے۔

غلبہ شوق سے گریز:

آپ کے تحقیقی مقالہ نگاری کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ اس میں دلائل اور ثبوت سے اپنے موقف کو مدلل فرماتے ہیں کیوں کہ تحقیقی مقالہ نگاری میں غلبہ شوق کی جولانیاں دکھانے کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی جبکہ اس غلبہ شوق کی تسکین کے لئے ادبی مقالہ نگاری کا میدان کھلا ہے۔ اس حد فاصل کو مدنظر رکھ کر آپ خود فرماتے ہیں کہ ''غلبہ شوق اور چیز ہے اور ثبوت دلائل اور'' (فتاوی رضویہ ص ۶۳، ج ۲۸)

متعلقہ مواد کا وسیع مطالعہ:

الشیخ احمد رضا حنفی محدث بریلوی کے مقالہ نگاری کی نمایاں

خصوصیت یہ بھی ہے معلومات کی فراوانی نکتہ آفرینی، ژرف نگاہی تجزیہ نگاری علم وحکمت کے تمام موجود وسائل کا استعمال اور ان کے برموقعہ برتنے کا سلیقہ، نفسِ مضمون سے متعلق وسیع علوم وفنون سے آگاہی بلکہ ان کی جزئیات وفروعات کی نہایت ہی تحقیق وتدقیق کے ساتھ تمام پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ دلائل و براہین کا نظم وضبط، اصل مآخذ سے قابلِ اعتماد نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت مطالعہ کا بین ثبوت ہے۔ اس تحقیقی عمل میں دِقّت ذہنی اور بدنی تکالیف کو حائل نہیں ہونے دیتے اسی وسیع مطالعہ کی بنیاد پر اہلِ علم آپ کے اضافات وافادات اور تعلیقات سے متاثر ومتحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

صحتِ ترجمہ:

مفکر اسلام مقالہ نگاری کے دوران اپنے مقالے کو وقیع بنانے کے لئے دیگر زبانوں کے اقتباسات بھی رقم کرتے ہیں اور قاری کی تفہیم کے لئے صحت ترجمہ کے لئے پیغام اور فکر کو اولیت دیتے ہیں الفاظ وزبان اور صرف ونحو کو ثانوی حیثیت کیونکہ آپ پیغام کی منتقلی کی ترجمانی کرتے ہیں نہ کہ صرف ونحو کی۔ یہی وہ علمی وفکری نکتہ ہے جو آپ کو دیگر مترجمین سے ممتاز کرتا ہے کیونکہ وہ ترجمہ کرتے وقت صرف ونحو کی ترجمانی کرتے ہیں فکر وپیغام کی نہیں جبکہ آپ کے یہاں صحت پیغام کو اولیت اور صحت زبان والفاظ کو ثانوی حیثیت حاصل ہے اسی خصوصیت کی بناء پر آپ کے تراجم کو اصل کا نقش ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ خود بھی معیاری ترجمہ نگاری کے اصول کی یوں وضاحت کرتے ہیں۔

"خصوصاً ترجمہ کی وہ گویا متکلم کی طرف سے اس کی زبان کا بیان ہوتا ہے تو نہایت ضروری ہے کی اس (مولف) کی عظمت وشان ملحوظ رہے (ترجمہ کرتے وقت) وہ الفاظ لکھے جائیں جو اس کے کہنے کے (لائق) ہوں" (فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۲۵) "اگر صحیح ترجمہ کیا جائے اور طرز بیان بھی مقبول ومحمود ہو اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہ ہو تو وہ گویا انہیں کتابوں کا وجود ثانی ہوگا" (فتاویٰ رضویہ جلد نہم قدیم ص: ۱۲۲)

نقل میں احتیاط:

آپ حوالہ جات اور اقتباس کی نقل میں نہایت احتیاط سے کام لیتے کسی کتاب اور قلمی نسخہ کی صحت کے بارے میں جب تک خود مطمئن نہیں ہو جاتے احاطہ تحریر میں لانے سے احتیاط برتتے ہیں آپ فرماتے ہیں:

"نقل بہت صحیح ہو۔ مقابلہ (اصل ونقل) کا بہت غور سے ہو اگر دو تین بار مقابلہ ہو تو بہتر ہے" (کلیات مکاتیب رضا ص ۲۲۱)

آپ فتاوی شامی سے نقل فرماتے ہیں "اکثر ایسا واقع ہوا ہے کہ مولف سے کوئی غلطی ہوگئی تو لوگ اسے بلا تنبیہہ نقل کرتے رہتے ہیں حتی کہ اس کے ناقلین کثیر ہو جاتے ہیں حالانکہ اصل کے اعتبار سے ایک مخطی ہے" (جلد ۴ ص ۳۵۱) "کثرت نقول مستلزم صحت کو نہیں۔ پہلے ایک شخص سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے اور بعد کے لوگ اس غلطی بطن صحت کو نقل کرتے چلے جاتے ہیں" (فتاوی رضویہ جلد نمبر ۶ ص ۱۹۹)

آپ مقدمہ ابن الصلاح کے حوالے سے لکھتے ہیں

"کسی معین مصنف کی طرف منسوب کتاب میں ایک عبارت دیکھ کر نقل کر دیتا ہے کہ مصنف نے ایسا کہا حالانکہ صحت نسخہ پر وثوق حاصل نہیں مثلاً یوں کہے کہ فلاں نے یوں کہا فلاں نے یوں ذکر کیا حق یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے" (فتاوی رضویہ ج ۱۵ ص ۵۵۷)

اشکال، جدول اور نقشہ جات:

آپ کے تحقیقی مقالہ نگاری کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے تحقیقی مقالے میں تصورات اور حقائق کی تفہیم کے لئے برموقع اور برمحل اشکال خاکے، جدول اور نقشہ جات کو بھی استعمال کرتے ہیں جس کی مثالیں فتاوی رضویہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

امام احمد رضا محدثِ حنفی کی تحقیقی مقالہ نگاری کی یہ وہ چند خصوصیات ہیں جن پر عصر حاضر کے محققین کے لیے کئی رہنما اصول موجود ہیں اگر ان رہنما اصولوں کو مدنظر رکھا جائے تو بین الاقوامی معیار کی جدید مقالہ نگاری کی شرائط سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔

مولانا امام احمد رضا خان کی
اہل علم و ادب سے وابستگی

تحریر: ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی

مقالے کا زیر نظر حصہ جس میں مولانا کے وابستگان کا جائزہ لیا جائے گا۔ دراصل اس کی وجہ تحریر یہ ہے کہ مختلف پہلوؤں اور گوشوں سے مولانا کے وابستگان کا تعارف پیش کیا جائے۔ کیونکہ کسی بھی شخصیت کو سمجھنے کے لئے اس کا علم بھی ضروری ہے کہ خود اس شخص کا تعلق کس طرح کے لوگوں سے تھا اور اس کا حلقہ احباب کس قسم کے ارباب علم وفن کا تھا۔ اس پہلو سے غور کرنے پر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کسی بھی شخص کے وابستگان کی نوعیت مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ جن میں مندرجہ ذیل چار قسم کے افراد بڑی اہمیت کے حامل ہیں جن کی وجہ نسبت یہ ہے۔

(۱) اکتساب فیض۔ (مرشدین)

(۲) تحصیل علم۔ (اساتذہ)

(۳) مراسم تعلقات اور ربط وضبط (احباب)

(۴) تلمذ اور ارشاد وسلوک (تلامذہ وخلفاء)

مقالے کے اس حصے میں ان چاروں قسم ہائے روابط کا جائزہ لیا جائے گا۔ حسب ترتیب سب سے پہلے ان حضرات کا تعارف پیش کیا جائے گا جن سے مولانا نے روحانی فیوض حاصل کئے۔ اور رشد وہدایت کی اعلیٰ تربیت حاصل کی۔

مرشدین ومربین:

آپ کی سوانح حیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رشد وہدایت اور سلوک وطریقت آپ نے جن پاک نفوس سے حاصل کی وہ دو نفوس قدسیہ ہیں۔ جن کا تعلق مارہرہ کی مشہور خانقاہ ''درگاہ عالیہ برکاتیہ'' سے تھا۔ ان میں ایک حضرت شاہ آل رسول مارہروی اور دوسرے حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری میاں ہیں جیسا کہ آپ کے دیرینہ رفیق، شاگرد اور معروف تذکرہ نگار مولانا ظفر الدین قادری نے اس سلسلے میں لکھا ہے۔

''اعلیٰ حضرت فرماتے تھے کہ جمادی الاول ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ تعلیم طریقت حضور پرنور پیر ومرشد برحق سے حاصل کیا۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عہد و سجادہ نشیں کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت وعلم تکسیر وعلم جفر وغیرہ علوم میں نے حاصل کیے۔''[۱]

مارہرہ مطہرہ کا یہ خاندان عالیہ رشد وہدایت اور طریقت وسلوک میں نہایت اعلیٰ وارفع رہا ہے۔ اس سلسلے کے علماء ومرشدین اپنے علم و تقوے کی بنیاد پر ہر عہد میں ہی سردار ومقتدا رہے ہیں۔ یہ خاندان ۶۱۴ھ م ۱۲۱۷ء میں بالگرام کو فتح کر کے اس مقام پر رونق افزا ہوا اور جاگیر وخطابات سے معزز رہا۔ اس خاندان کے ایک جلیل القدر بزرگ میر عبدالجلیل قدس سرہٗ ۱۰۱۷ھ م ۹-۱۶۰۸ء میں قطب مارہرہ مقرر ہو کر رونق مارہرہ مطہرہ ہوئے۔ سطور ذیل میں ان دونوں حضرات کا قدرے تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

سید شاہ آل رسول مارہروی:

آپ کی ولادت ماہ رجب المرجب ۱۲۰۹ھ میں مارہرہ شریف میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام سید شاہ آل برکات ستھرے میاں تھا۔ آپ کی تعلیم وتربیت شاہ عبدالمجید بدایونی صاحب، مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی اور علمائے فرنگی محل مولانا انوار صاحب فرنگی محلی، حضرت مولانا عبد الواسع سیدن پوری، مولانا شاہ نور الحق رزاقی لکھنوی سے کتب معقولات، علم کلام فقہ و اصول فقہ تحصیل و تکمیل

فرمائی۔ ۱۲۲۶ھ میں سلسلۂ رزاقیہ کی سند واجازت حاصل کی۔ اسی سال مشاہیر علماء ومشائخ کی موجودگی میں دستار فضیلت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اوراسی سنہ میں حضرت اچھے میاں کے ارشاد کے مطابق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے درس حدیث میں شریک ہوئے۔ صحاح ستہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسل حدیث وطریقت کی سندیں عطا ہوئیں۔ اور سند علم ہندسہ مولانا شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سے حاصل کی۔ ان کو خلافت اجازت حضور سیدی اچھے میاں قدس سرہٗ سے تھی۔ اسی سلسلے میں آپ لوگوں کو مرید فرمایا کرتے تھے۔

خاتم الاکابر شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ سلسلہ قادریہ کے سینتیسویں امام ہیں۔ آپ تیرہویں صدی کے اکابر اولیا میں سے تھے۔ علوم ظاہر و باطن میں ماہر تھے۔ آپ کے مکاشفات میں عجیب شان تھی۔ آپ اپنے اسلاف کی زندہ روحانی یادگار تھے۔ آپ نماز باجماعت نہایت پابندی کے ساتھ مسجد میں ادا فرماتے۔ لباس سادہ اور درویشانہ پہنتے۔ فضولیات وغیر ضروری باتوں کی ان کے یہاں جگہ نہ تھی۔ آپ نے اپنے دور میں خانقاہ برکاتیہ کی بڑی خدمات کی ہیں۔ نہایت عالیشان تعمیرات، ملازمین کے لئے وظائف اور مہمان خانوں کا انتظام آپ ہی کے دور مبارکہ میں ہوا۔

آپ کا عقد نثار فاطمہ بنت سید منتخب حسین بالگرامی سے ہوا۔ جن سے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ جن کے نام اس طرح ہیں۔

(۱) سید شاہ ظہور حسین بڑے میاں
(۲) سید شاہ ظہیر حسین چھوٹو میاں
(۳) انصار فاطمہ
(۴) ظہور فاطمہ
(۵) رحمت فاطمہ

چونکہ رشد وہدایت اور سلوک طریقت سے آپ کا بڑا گہرا ربط تھا اس لئے آپ کی زندگی نہایت سادہ اور تصنع وتکلفات سے پاک تھی۔ علماوفقرا کی آپ دل سے قدر وعزت کیا کرتے تھے۔ آپ نے اخیر عمر میں اپنے مریدین کو وصیت کی۔ ''اطیعوا اللّٰہ واطیعو الرسول ''اور کہا بس یہی کافی ہے۔ اوراس میں ہی دین دنیا کی فلاح ہے۔ آپ نے ۱۸ رذی الحجہ ۱۲۹۶ھ بروز چہارشنبہ کو مارہرہ شریف میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار اقدس درگاہ مارہرہ شریف مشرقی دالان درگاہ گنبد حضور صاحب البرکات میں بالین مزار شریف حضرت شاہ حمزہ قدس سرہٗ مرجع خلائق ہے۔ حضرت کے خلفاء کرام اپنے وقت کی نابغۂ روزگار ہستیاں ہیں۔ جن کی طویل فہرست ہے۔ ان میں امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ چونکہ ان سطور کو تحریر کرنے کا مقصد ہی آپ دونوں حضرات کے تعلقات کو ظاہر کرنا ہے اس لئے یہاں یہ عنوان قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

سید شاہ آل رسول اور مولانا احمد رضا خاں کا تعلق:

مولانا احمد رضا خاں ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں اپنے والد ماجد شاہ محمد نقی علی خاں اور مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ حضرت شاہ آل رسول مارہروی کی خدمت میں حاضر ہوکر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت سے مشرف ہوئے اور اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے۔ اس پرکیف اور روحانی منظر کا ذکر صاحبزادہ حضرت سید آل رسول حسنین قادری نے اپنے مضمون ''چشم وچراغ خاندان برکاتیہ'' میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

''آج اس تخت پر قدوۃ العارفین خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونق افروز ہیں سامنے بریلی شریف کے معزز ومقدس گھرانے کے ایک ممتاز رکن تشریف فرما ہیں۔ اسم گرامی محمد احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ سلسلہ عالیہ میں شامل ہونے کی تمنا لے کر آئے ہیں حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ ایک ہی نظر میں نوجوان صاحبزادے کی اعلیٰ ظرفی، بلند اقبالی اور روحانی استطاعت اور استعداد پہچان لیتے ہیں۔ ہاتھوں میں ہاتھ لیتے ہیں۔ قطرہ سمندر سے جاملتا ہے۔ اور ایسا ملتا ہے کہ خود بحر بیکراں بن جاتا ہے۔''[۲]

اس تحریر کے مطابق مولانا احمد رضا خاں کے مرشد سید آل رسول قدس سرہٗ ایک ہی نظر میں انہیں دیکھ کر ان کے گرویدہ ہوگئے۔ اور

گرویدگی آگے مزید بڑھتی رہی۔ جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مولانا احمد رضا خاں کو ان کے مرشد برحق نے بیعت کے ساتھ ہی خلافت واجازت سے بھی نواز دیا تو حاضرین کو بڑا تعجب ہوا۔ اور مولانا شاہ حسین نوری میاں نے شیخ طریقت سے جو سوال کیا اس کو مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی نے اس طرح لکھا ہے۔

"حضور! آپ کے یہاں تو طویل عرصہ با مشقت مجاہدات اور ریاضیات کے بعد اجازت وخلافت دی جاتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ کہ ان دونوں (اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ماجد قدس سرہما) کو بیعت کرتے ہی خلافت بھی دی گئی؟

تو حضرت نے فرمایا۔ میاں صاحب! اور لوگ زنگ آلود، میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں اس کی صفائی و پاکیزگی کے لئے مجاہدات طویلہ اور ریاضیات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لے کر ہمارے پاس آئے ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہوگئی۔" [۳]

بات صرف اتنی ہی نہیں بلکہ شیخ طریقت کا اپنے مرید سے وابستگی وشفقت کا یہ عالم تھا کہ یہ مرید پاکر مرشد نے گویا دنیا وجہاں کی نعمتیں حاصل کرلی ہوں۔ بلکہ آپ مولانا کو سرمایۂ آخرت بھی تسلیم کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

"مجھے اس بات کی بہت فکر رہتی تھی کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے اے آل رسول! تو میرے لے دنیا سے کیا لایا ہے؟ تو میں بارگاہ الٰہی میں کون سی چیز پیش کروں گا؟ لیکن آج وہ فکر میرے دل سے دور ہوگئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اے آل رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں عرض کروں گا الٰہی تیرے لیے احمد رضا لایا ہوں۔" [۴]

ان اقتباسات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں سے ان کے مرشد برحق کی وارفتگی کا عالم کیا تھا۔ اور آپ کس حد تک مولانا احمد رضا کے گرویدہ ہوچکے تھے۔

سید شاہ ابوالحسین نوری میاں:

آپ کی ولادت ۱۹؍شوال المکرم ۱۲۵۵ھ م ۲۶؍دسمبر ۱۸۳۹ء بروز پنج شنبہ مارہرہ شریف میں ہوئی آپ کا تاریخی نام مظہر علی ہے۔ والد کا نام سید شاہ ظہور حسن تھا۔ نسبتی اعتبار سے آپ حسینی زیدی واسطی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں آباؤ اجداد سے متعلق مختصر طور پر شاہ آل رسول کے ذکر میں ہی لکھا جاچکا ہے۔ ذاتی طور پر آپ نہایت ذہین وزیرک تھے۔ آپ کی عمر شریف جب ڈھائی سال کی ہوئی تو والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اس لئے آپ کی تعلیم وتربیت کا آغاز جد امجد سید شاہ آل رسول کی زیر نگرانی ہوا۔ آگے چل کر مکتب میں باقاعدہ داخلہ لے کر عربی فارسی، فقہ وتفسیر، حدیث، لغت ومنطق ودیگر علوم وفنون کو حاصل کیا آپ کی قدر دانی علم اور احترام اساتذہ کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اگر آپ نے کسی سے تھوڑی سی علمی باتیں سیکھیں تو اس کا احترام وتعظیم اساتذہ کی طرح ہی کرتے تھے۔ آپ کے اہم اساتذہ کرام میں (۱) حضرت میاں جی رحمت اللہ صاحب (۲) حضرت جمال روشن صاحب (۳) حضرت عبد اللہ صاحب قدس سرہما کے نام سرفہرست ہیں۔ علوم باطنی کا حصول آپ نے جد امجد سید شاہ آل رسول سے فرمایا۔ ان کے علاوہ اور بھی نفوس قدسیہ ہیں جن سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کا عقد شریف عم مکرم حضرت چھٹو میاں کی دختر نیک اختر سے ہوا ان کے انتقال کے بعد دوسرا عقد پھوپھا سید حید رصاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔ لیکن دونوں ہی سے آپ کی کوئی اولاد عالیہ نہ ہوسکی۔

سید شاہ ابو الحسین نوری سلسلہ عالیہ قادریہ کے اڑتیسویں امام وشیخ طریقت ہیں۔ آپ کے فضائل ومناقب پر فاضل بریلوی امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں نے ایک طویل نظم لکھی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

آپ کا حلقہ بیعت وارشاد بہت وسیع تھا۔ شریعت وطریقت کی

اس عظیم منزل پر فائز ہونے کے باوجود آپ لوگوں سے نہایت خندہ پیشانی اور نرم کلامی سے پیش آتے۔ آپ اعلیٰ درجے کے خوش خلق و خوش گو تھے۔ بچوں پر شفقت، جوانوں پر عنایت اور بزرگوں کی تعظیم کرتے۔ کبھی کوئی سائل آپ کے در سے خالی نہ جاتا۔ دوسرے کے عیبوں کی پردہ پوشی فرماتے۔ اپنے تئیں دوسروں کی غلطی کو فوراً عفو ودرگزر فرمادیتے تھے۔ سادات کرام، صاحبان علم وتقویٰ کی نہایت عزت واحترام فرماتے۔ کسی سے دوستی ودشمنی میں ''الحب للہ والبغض للہ'' کے اصول پر کاربند رہتے۔ گرچہ طریقت کے آدمی تھے مگر شریعت مطہرہ کا نہایت احترام کرتے یہاں تک کے ہر قول فعل اس کی روشنی میں کرنا چاہتے۔ اور ظاہر شریعت پر استقامت کو لازم جانتے۔ عادت کریمہ تھی کہ طہارت فرما کر نماز تہجد ادا فرماتے بعدہٗ اورادواشغال معمولہ خاندان میں مشغول ہوجاتے۔ اسی طرح فرائض کے ساتھ ہی نوافل کا بھی کثرت سے اہتمام فرماتے۔ ان کے دست حق پرست پر کثرت سے کشف وکرامات کا بھی ظہور ہوا۔ آپ کے خلفاء کی کثیر تعداد ہے جن میں مولانا احمد رضا خاں سرفہرست ہیں۔ آپ اگرچہ تصوف سلوک اور رشد وہدایت سے وابستہ تھے اس کے باوجود علم وادب سے بھی آپ کو گہرا شغف تھا۔ کثیر تعداد میں موجود آپ کی تصانیف اور شعری اثاثہ اس کا واضح ثبوت ہے۔ آپ سے بہت سے اقوال زریں بھی منسوب ہیں جو پند ونصائح کا بے مثال ذخیرہ ہیں۔ آپ نے ۱۱رجب المرجب ۱۳۲۴ھ مطابق ۳۱راگست ۱۹۰۶ء میں انتقال فرمایا۔ درگاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے برآمدہ جنوب میں آپ کا مزار مقدس زیارت گاہ خلائق ہے۔

مولانا احمد رضا خاں اور شاہ ابوالحسن نوری میاں ودرگاہ برکاتیہ مارہرہ کا تعلق:

سابقہ سطور میں لکھا جاچکا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے حضرت سید شاہ آل رسول سے بیعت کی تھی اس سے ہی مولانا کی خانقاہ برکاتیہ سے تعلق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ حضرت آل رسول کے وصال مبارک کے بعد آپ نے سید شاہ ابوالحسین احمد نوری سے شرف بیعت حاصل کیا۔ جس کا ذکر آپ کے معتبر تذکرہ نگار مولانا ظفر الدین رضوی بہاری نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

''اعلیٰ حضرت فرماتے تھے کہ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ تعلیم طریقت حضرت حضور پرنور مرشد برحق سے حاصل کیا ۱۲۹۲ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبل وصال خود حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عہد سجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے تعلیم طریقت وعلم تکسیر وعلم جفر حاصل کئے۔''[۵]

اگرچہ اس اقتباس کو پہلے بھی لکھا جاچکا ہے لیکن اسے دوبارہ یہاں لکھنے کی نوبت اس لئے آئی کیونکہ اس میں مولانا کی سید شاہ ابو الحسین احمد نوری سے بیعت مبارکہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور اس کو واضح کرنا ہمارا مقصد حقیقی ہے۔ چونکہ مولانا نے اسی خانقاہ کی دو عظیم شخصیات سے سعادت بیعت حاصل کی تھی اسی لئے اس عظیم خانقاہ سے ان کو قلبی لگاؤ ہونا فطری بات تھی۔ لیکن تعجب تو اس پر آتا ہے کہ خود خانقاہ عالیہ برکاتیہ کے سجادہ نشیں حضرات کو بھی مولانا احمد رضا خاں سے حد درجہ لگاؤ ومحبت تھی۔ جس کی مثالیں بہت سی روایات سے ملتی ہیں۔ ایک جگہ سید محمد امین برکاتی نے اس سلسلہ میں لکھا ہے۔

''اعلیٰ حضرت اور خاندان برکاتیہ کے تعلقات مثالی ہیں۔ نوری دادا، میرے مرشد برحق تاج العلما سید شاہ اولادرسول محمد میاں قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عم محترم حضور سید العلماء نے اپنی پوری زندگی مسلک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اشاعت کے لئے وقف فرمادی۔ خاندان برکاتیہ کا بچہ بچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا دل و جان سے شیدائی ہے۔''[۶]

اسی طرح کا اعتراف حضرت سید آل رسول حسنین قادری برکاتی نے بھی اپنے مضمون ''چشم وچراغ خاندان برکاتیہ'' میں بھی کیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

''خاندان برکاتیہ آج بھی اپنے ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی نسبت باعث صد افتخار سمجھتا ہے۔ ہماری محفلیں، ہمارے اعراس آج

بھی ''بریلی والے مولانا صاحب'' کے نعتیہ کلام سے گونجتے ہیں۔ ہم آج بھی سینہ ٹھوک کر اعلان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت ہمارے ہیں اور ہم اعلیٰ حضرت کے۔ ہمارے وظائف و ادعیہ بھی اس دعا پر ختم ہوتے ہیں۔ جاری رہے تا روز جزا۔ سلسلہ اعلیٰ حضرت کا۔ فیضان اعلیٰ حضرت کا۔''[۷]

ان اقتباسات سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے سید شاہ آل رسول اور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں سے شرف بیعت حاصل کیا وہیں اس کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ آپ کے ان دونوں مرشدین کے ساتھ ہی خانقاہ عالیہ برکاتیہ سے کس نوعیت کے تعلقات تھے۔ اور ان کی وابستگی کس اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اتنا ہی نہیں سید شاہ ابو الحسین نوری صاحب نے تو مولانا احمد رضا خاں کو ''چشم و چراغ خاندان برکاتیہ جیسا پرعظمت خطاب بھی عطا فرمایا۔ جو آپ کی علمی جلالت اور روحانی وجاہت کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

اساتذۂ کرام:

مقالے کے اس حصے میں مولانا کے اساتذہ اکرام کا ذکر اس مقصد کے تحت کیا جائے گا تا کہ علمائے کرام سے آپ کا تعلق ظاہر کیا جائے اور ان سے آپ کی وابستگی کا ایک اور شعبہ منصہ شہود پر لایا جائے۔ لیکن یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ مولانا نے صرف اپنے اساتذہ کرام سے ہی فیض علمی حاصل نہیں کیا بلکہ آپ کے بھی تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہے کہ آپ کو اکتسابی علوم سے کہیں زیادہ وہبی علوم خدائے تعالیٰ کی جانب سے عطا کئے گئے تھے۔ جیسا کہ مفتی مکرم احمد، خطیب و امام مسجد فتح پوری نے اپنے ایک مضمون میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

''امام احمد رضا کی قوت حافظہ اور دینی خدمات کو دیکھتے ہوئے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کی علمی صلاحیتیں کسی انسان کی کسب کردہ نہیں تھیں بلکہ خداداد تھیں۔ چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کر کے قدرت کاملہ کا ظہور فرمایا۔ وھو علیٰ کل شئی قدیر۔''[۸]

اسی طرح کے بہت سے واقعات آپ کے سوانحی کوائف میں ملتے ہیں۔ آپ کے ایک اور سوانح نگار مقبول جہانگیر صاحب نے بھی اپنے ایک مضمون ''علوم وفنون کا ہمالہ'' میں لکھا ہے۔

''اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا! میرا کوئی استاد نہیں میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب و تقسیم محض اس لئے سیکھے تھے کہ ترکے کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع ہی کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو۔ مصطفیٰ پیارے کی سرکار سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اپنے مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکار رسالت مآب ﷺ کا ہی کرم ہے۔''[۹]

یہ تو تھا کسبی و وہبی علم کا ذکر۔ اس میں کسی کو یقین ہو اور کسی کو نہ ہو۔ لیکن آپ کے قوت حافظہ کا تو ہر ایک ہی معترف ہے۔ اور اکثر تذکرہ نگاروں نے ایسے واقعات لکھے جن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مولوی ظفر الدین رضوی اس طرح رقم طراز ہیں۔

''اعلیٰ حضرت خود فرماتے تھے کہ میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے ایک دو مرتبہ دیکھ کر کتاب بند کر دیتا۔ جب سبق سنتے تو حرف بہ حرف لفظ بہ لفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر سخت تعجب ہوتا۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ احمد میاں یہ تو کہو تم آدمی ہو یا جن۔ کہ مجھے پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔''[۱۰]

موضوع کے اعتبار سے اب ہم آپ کے اساتذہ اکرام کا ذکر کرتے ہیں تا کہ آپ کی اہل علم سے وابستگی کا اظہار ہو سکے۔ سب سے پہلے اس سلسلے میں دیکھنا یہ ہے کہ مولانا کے اساتذہ میں کن حضرات کا شمار ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم پھر مولوی ظفر الدین رضوی کی تحریر کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے۔

''اعلیٰ حضرت کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ حضرت والد ماجد صاحب قدس سرہٗ العزیز کے علاوہ پنج تن پاک کے عشاق صرف یہ پنج نفوس قدسیہ ہیں۔ (۱) اعلیٰ حضرت کے استاد جنہوں نے

ابتدائی کتابیں پڑھائیں (۲) مرزا غلام قادر بیگ صاحب بریلوی (۳) مولوی عبد العلی صاحب (۴) حضرت سلاسل خاندان برکاتیہ سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہٗ اور والد ماجد و پیر و مرشد قدس اسرار ہما کو شامل کر کے چھ نفوس قدسیہ ہوتے ہیں۔ ان چھ حضرات کے علاوہ حضور نے کسی کے آگے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔''[۱۱]

اس اقتباس میں مولانا کے اساتذہ کے طور پر چھ نفوس قدسیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر مولانا یاسین اختر مصباحی نے صرف تین حضرات کے نام تحریر کئے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی ایک تحریر میں لکھا ہے۔

''تین اساتذہ کرام نے خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ حضرت کو دولت علم سے نوازا۔

(۱) مرزا غلام قادر بیگ بریلوی م ۱۳۳۶ھ

(۲) مولانا نقی علی خاں م ۱۲۹۷ھ

(۳) مولانا عبد العلی خاں رامپوری م ۱۳۰۳ھ۔''[۱۲]

مولانا ظفر الدین رضوی کے اقتباس کے مطابق چھ نفوس قدسیہ کو اور مولانا یاسین اختر مصباحی کے مطابق تین حضرات کو آپ کے اساتذہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دراصل اس میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اول الذکر نے آپ کے، مرشدین کو بھی اساتذہ کی فہرست میں بھی شامل کیا ہے اور ثانی الذکر نے ان کو اس زمرے سے باہر رکھا ہے۔

مقالے کی سابقہ سطور میں مرشدین کے عنوان کے تحت ہم سید شاہ آل رسول و سید شاہ ابو الحسین نوری صاحب کا ذکر کر ہی چکے ہیں اور آپ کے والد محترم کا ذکر مقالے کے حصہ دوم۔ باب اول کے ''خاندان و ولادت'' عنوان کے تحت پہلے ہی تحریر کیا جا چکا ہے اب یہاں صرف دو حضرات (۱) مرزا غلام قادر بیگ بریلوی اور (۲) مولانا عبد العلی خاں رامپوری کا ذکر کیا جائے گا۔

مرزا غلام قادر بیگ: ☆

مرزا غلام قادر بیگ بریلوی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ابتدائی اساتذہ کرام میں سے ہیں۔ آپ ۲۵ رجولائی ۱۸۲۷ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے والد ماجد کا نام مرزا حسن جان ہے۔ جو لکھنؤ سے بریلی آ گئے اور محلہ قلعہ نزد جامعہ مسجد بریلی میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کا یہ مکان آج بھی بریلی میں موجود ہے۔ آپ کا خاندان ایران سے ہندوستان آیا تھا۔ آپ نسلاً ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں تھے۔ مرزا اور بیگ کے خطابات اعزاز شاہانہ مغلیہ کے عطا کردہ ہیں۔ مرزا غلام قادر بیگ پیشے کے اعتبار سے طبیب تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی دینی تعلیم بلا معاوضہ دیا کرتے تھے۔ دیگر طالب علم تو آپ کے در دولت پر ہی حصول علم لئے حاضر ہوا کرتے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں کو آپ نے خود ان کے گھر جا کر ابتدائی کتابوں کا درس کیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ خود مولانا کے شاگرد ہو گئے اور انہوں نے اصرار کر کے مولانا احمد رضا خاں صاحب سے ہدایہ کا درس لیا۔ اور اس پر بہت نازاں رہے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ

''میں علم و فضل کے شہنشاہ کا شاگرد ہوں۔ انشاء اللہ! روزِ قیامت میں بھی اعلیٰ حضرت کے شاگردوں میں شامل ہوں گا۔''

آپ کے خاندان کا ایک اور زبردست کارنامہ بھی قابل تحریر ہے وہ یہ کہ مرزا غلام قادر بیگ کے بھائی مرزا مطیع اللہ بیگ جب جامع مسجد بریلی کے متولی ہوئے۔ تو آپ نے اعلان کیا کہ اب مسجد کے قریب امام باڑے پر سیاہ جھنڈا اور علم نہیں لہرائے گا۔ اس بات پر سارے ہندوستان کے شیعہ احتجاج کرنے لگے مگر اعلیٰ حضرت کے دادا مولانا رضا علی خاں نے حنفی فقہ کی روشنی میں فتویٰ دیا کہ ''سنی مسجد کی ملحقہ عمارت پر مسجد کے متولی کی اجازت کے بغیر کوئی ایسا فعل سامنے نہیں لایا جا سکتا جس کا متولی اجازت نہ دے۔'' چنانچہ یہ رسم ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

مرزا غلام قادر بیگ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے والد ماجد کے گہرے دوست تھے اور آپ نے ہی خود آگے بڑھ کر مولانا کی ابتدائی تعلیم کا بندوبست کیا تھا۔ اور حساب اور دوسرے مروجہ فنون کی کتابوں کا درس دیتے رہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے آگے چل کر خود آپ نے فاضل بریلوی کی شاگردی اختیار کر لی اور ایک اہم استفسار بھی

کیا۔ جواب "تجی الیقین بانا نبینا سید المرسلین" کے نام سے کتابی شکل میں چھپ گیا ہے۔ راقم نے یہ معلومات بھی اسی کتاب کے حاشیہ سے اخذ کی ہے۔

حکیم مرزا غلام قادر بیگ بریلوی یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۸/اکتوبر ۱۹۱۷ء کو نوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اور محلہ باقر گنج حسین باغ بریلی میں آسودۂ خاک ہوئے۔

مولانا عبدالعلی خاں رامپوری:

مولانا عبدالعلی خاں رامپوری ریاضی داں کی حیثیت سے مشہور تھے ان کے سلسلے میں روہیلکھنڈ کے معروف تذکرہ نگار حافظ احمد علی شوق رامپوری اپنی تصنیف میں اس طرح رقم طراز ہیں۔

مولانا عبدالعلی خاں رامپوری ولد یوسف خاں رامپور میں پیدا ہوئے۔ مولوی حیدر علی ٹونکی، مفتی شرف الدین، ملا عبدالرحیم اور مولوی رفیع اللہ خاں سے کسب علوم کیا۔ دہلی جا کر شاہ اسحاق صاحب سے علم حدیث اور حکیم صادق علی خاں صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرس اول ہوئے اور نواب یوسف علی خاں اور نواب کلب علی خاں بہادر کی تعلیم پر معمور کیے گئے۔ علم ریاضی میں بھی آپ کو عبور حاصل تھا اسی وجہ سے ریاضی داں مشہور ہوئے۔ رسالہ توجیہ پر فارسی میں حاشیہ لکھا جو رامپور مطبع قیصری سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۳۰۳ھ م ۱۸۸۵ء میں انتقال ہوا۔" [۱۳]

مولانا عبدالعلی خاں رامپوری کے سلسلے میں اب ہم رامپور کے ایک اور معروف اہل قلم مولانا عبدالسلام خاں کی تحریر سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں مفید معلومات کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

"عبدالعلی خاں ریاضی داں ولد یوسف خاں رامپوری محلہ راجدوارہ میں رہتے تھے۔ منطق و حکمت میں مہارت کے علاوہ علوم ریاضیہ میں بے بدل تھے مدرسہ عالیہ رامپور کے صدر مدرس ہوئے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی م ۱۳۴۰ھ ریاضی میں انہیں کے شاگرد تھے۔ ابتداءً حیدر علی ٹونکی م ۱۲۷۳ھ سے استفادہ کیا پھر مفتی شرف الدین رامپوری ۱۲۸۶ھ، ملا عبدالرحیم خاں م ۱۲۳۴ھ، اور رفیع اللہ خاں م ۱۲۸۲ھ سے تکمیل کی۔ نواب یوسف علی خاں نے بھی ان سے پڑھا تھا۔ ۱۳۰۳ھ میں آپ نے رامپور میں وفات پائی اور وہیں پر دفن ہوئے۔" [۱۴]

احباب: (مراسم و روابط)

مقالے کے اس حصے میں مولانا احمد رضا خاں کے دیگر حضرات سے مراسم و تعلقات کو واضح کرنے کے بعد ان حضرات کا مختصر تعارف بھی پیش کیا جائے گا۔ لیکن اس سے قبل کہ اس سلسلے میں کچھ لکھا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی غور کر لیا جائے کہ مولانا کی علمائے کرام سے وابستگی کی نوعیت کیا تھی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کی جاتی ہے جس سے مولانا کے تعلق کے ساتھ ہی ان کا علمی مقام بھی ظاہر ہوتا ہے۔

"میرے استاد فن حدیث کے امام کو بیعت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے تھی۔ مگر حضرت کی زبان پر پیر و مرشد کا ذکر میرے سامنے کبھی نہیں آیا اور اعلیٰ حضرت کے بکثرت تذکرے محویت کے ساتھ فرماتے رہتے۔ اس وقت تک میں بریلی حاضر نہ ہوا تھا۔ اس انداز کو دیکھ کر میں نے ایک دن عرض کیا کہ آپ سے آپ کے پیر و مرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلیٰ حضرت کا آپ خطبہ پڑھتے رہتے ہیں۔ فرمایا میں نے پیر و مرشد سے بیعت کی تھی بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا تھا۔ مگر جب میں اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی اب میرا ایمان رسمی نہیں ہے بلکہ بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے۔" [۱۵]

مندرجہ بالا اقتباس سے تو مولانا سے دیگر حضرات کی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن علمائے کرام سے خود مولانا احمد رضا خاں کی وابستگی سے متعلق معلومات سے کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ مولانا کی علمائے فرنگی محل، علمائے رامپور، علمائے بدایوں اور علمائے سہسرام کے ساتھ ہی دیگر بلاد و امصار کے اہل علم سے وابستگی کے بے شمار شواہد ہیں

اور کثیر تعداد میں علمائے کرام کے نام ملتے ہیں جن سے مولانا کے تعلقات وارفتگی و وابستگی کی حد تک تھے۔ مولانا احمد رضا خاں کے دل میں علمائے دین کی بے پناہ قدر عزت واحترام تھا اور کیوں نہ ہو یہ بھی تو ایک مثال ہے کہ "ہیرے کی قدر جوہری خوب جانتا ہے"۔ آپ کی نظر میں علمائے کرام کا پرعظمت مقام تھا اس کو مولانا ظفر الدین رضوی نے بھی اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ مولانا شاہ اسمٰعیل حسن صاحب کے حوالے سے آپ نے لکھا ہے۔

"حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بمضمون اشداء علی الکفار رحماء بینھم جس قدر کفار و مرتدین پر سخت تھے اسی درجہ علماء اہل سنت کے لئے ابر کرم، سراپا کرم تھے۔ جب کسی بھی سنی عالم سے ملاقات ہوتی تو دیکھ کر باغ باغ ہوجاتے اور ان کی ایسی عزت وقدر کرتے کہ وہ خود اپنے کو اس کا اہل نہ خیال کرتے۔" [۱۶]

یہ تو ان حضرات سے وابستگی کا عالم تھا جن سے آپ کا کوئی خاص تعلق نہ تھا ذرا سوچئے جن حضرات سے آپ کے مراسم و روابط رہے ہوں ان سے مولانا کی وارفتگی کا کیا عالم ہوگا۔ آپ کے تذکرہ نگاروں اور دیگر اہل قلم نے ایسے بہت سے حضرات کے نام تحریر کئے ہیں جن سے مولانا کے اچھے مراسم تھے۔ سطور ذیل میں ایسے ہی کچھ حضرات کے نام تحریر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی ۲۔ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی ۳۔ مولانا عبد الرزاق فرنگی محلی ۴۔ مولانا شاہ ارشاد حسین رامپوری ۵۔ عبدالقادر بدایونی ۶۔ مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری ۷۔ مولانا لطف اللہ علیگڑھی ۸۔ مولانا سلیمان اشرف بہاری ۹۔ احمد حسن کانپوری ۱۰۔ عبدالباری فرنگی محلی ۱۱۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی ۱۲۔ سید احمد اشرف جیلانی ۱۳۔ مولانا ہدایت الرسول لکھنوی ۱۴۔ مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری ۱۵۔ مولانا شاہ ظہور الحسین رامپوری ۱۶۔ مولانا ریاست علی شاہجہانپوری ۱۷۔ مولانا اعظم شاہ شاہجہانپوری ۱۸۔ مولانا عبدالسلام جبل پوری ۱۹۔ مولانا شاہ محمد فاخر الہ آبادی ۲۰۔ مولانا شاہ علی حسین کچھوچھوی ۲۱۔ مولانا قاضی عبد الوحید عظیم آبادی ۲۲۔ مولانا شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی ۲۳۔ مولانا شاہ دیدار علی لاہوری ۲۴۔ مولانا شاہ عبد اللہ صاحب الہ آبادی ۲۵۔ مولانا سید شاہ عبدالغنی سہسرامی۔

سابقہ سطور میں جو نام تحریر کئے گئے ہیں ان میں سے چند نہایت اہم حضرات کا قدرے تفصیل تعارف سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحق خیر آبادی:

آپ مولانا کے ہم عصر تھے اور آپ سے مولانا احمد رضا خاں کی ملاقات کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ آپ کا مختصر تعارف اس طرح ہے۔ مولوی عبد الحق ابن مولوی فضل الحق خیر آبادی سنہ ۱۲۴۴ھ م ۲۹۔۱۹۲۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے تحصیل علوم کی اور بارہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ علوم عقلیہ میں سرآمد روزگار تھے۔ نواب کلب علی خاں کی دعوت پر رامپور آئے نواب موصوف کی استادی کا شرف بھی آپ کو حاصل ہے۔ یہیں آپ سے مولانا احمد رضا خاں کی ملاقات ہوئی تھی۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد خیر آباد چلے گئے۔ پھر نواب آصف جاہ کی دعوت پر حیدر آباد تشریف لے گئے لیکن جلد ہی وطن واپس آگئے۔ نواب حامد علی خاں کی دعوت پر دوبارہ رامپور آئے اور مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ وفات سے کچھ قبل پھر خیر آباد چلے گئے۔ انگریزی حکومت کی جانب سے ۱۸۸۷ء میں شمس العلماء کا خطاب ملا۔ ۲۳ رشوال ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۹ء میں وفات پائی۔ خانقاہ مخدوم شیخ سعید خیر آبادی میں دفن کئے گئے۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ جن میں حاشیہ غلام یحیٰی، تسہیل الکافیہ، شرح ہدیۃ الحکمۃ، جواہر غالیہ، شرح میر زاہد، حاشیہ قاضی مبارک، حاشیہ حمد اللہ، شرح مسلم الثبوت، شرح سلاسل الکلام، رسالہ تحقیق تلازم، یادگار حامدیہ قابل ذکر ہیں۔

مولوی شاہ ارشاد حسین رامپوری:

آپ مولوی حکیم احمد حسین کے خلف الرشید ہیں۔ آپ کے بزرگوں نے سرہند سے مہاجرت اختیار کر کے بریلی کو مسکن بنایا اور

مولوی ارشاد حسین کے دادا غلام محی الدین نے رامپور میں سکونت اختیار کرلی۔ مولوی ارشاد حسین رامپور میں ہی ۱۴رصفر ۱۲۴۸ھ م ۱۸۳۲ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے علم منقول کی تعلیم لکھنؤ میں حاصل کی اور کتب معقول رامپور میں ملا محمود نواب سے جو کلب علی خاں کے استاد تھے پڑھیں۔ مولانا احمد رضا خاں سے آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ دہلی میں حضرت شاہ احمد سعید سے بیعت ہوئے پھر ان کے اجلہ خلفاء میں شمار ہونے لگے۔ زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔ نواب کلب علی خاں، مولوی صاحب کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ۱۵رجمادی الآخر سنہ ۱۳۱۳ھ م ۱۸۹۳ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ ان کی تصانیف میں انتصار الحق، ترجمہ فتاوی عالمگیری، ارشاد الصرف اور کتاب الحبل (غیر مطبوعہ) قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالسلام جبل پوری:

آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ تین سال کی صغر سنی میں ہی آپ اپنے والد کے ساتھ حیدر آباد دکن سے جبل پور تشریف لائے۔ آپ کے والد کا نام مولانا شاہ عبدا لکریم تھا۔ آپ چودہ برس کی عمر میں ہی قرآن کریم حفظ کر چکے تھے اور تمام ظاہری ومعنوی علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی۔ آپ سے مولانا احمد رضا خاں کی وابستگی کے بارے میں آپ کے صاحبزادے مفتی برہان الحق جبل پوری کی روایت نقل کی جاتی ہے جس سے آپ دونوں کے تعلقات کی بخوبی عکاسی ہوتی ہے۔

"اعلیٰ حضرت والد ماجد پر بہت کرم فرماتے اور ان کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ۱۳۳۸ھ م ۲۹ مارچ ۱۹۱۹ء کو مدرسہ برہانیہ میں جلسہ دستار فضیلت ہوا اس میں امام احمد رضا نے تقریر فرمائی۔ آپ کی تقریر ایک عجیب شاہکار تھی سننے والے بیقرار تھے۔ ہر فرد محو ساعت تھا اور سامعین میں سے اکثر کے آنسو جاری تھے۔"[۱۷]

آگے چل کر یہی مفتی صاحب ان ہر دو حضرات کے تعلقات پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"اعلیٰ حضرت کو والد ماجد سے خصوصی تعلق تھا اس خصوصی تعلق کا ہر خوشی وغمی کے موقع پر اظہار ملتا ہے۔ ۱۳۲۶ھ م ۱۹۰۸ء میں چچا بشیر الدین کا انتقال ہوا اور ۱۳۳۲ھ م ۱۹۱۳ء میں بھائی محمود اشرف کا انتقال ہوا۔ ان مواقع پر احمد رضا خاں نے تعزیت نامے ارسال کئے۔"[۱۸]

فاضل بریلوی نے مولانا عبدالسلام جبل پوری کو ایک منظوم خط بھی تحریر کیا تھا جس میں مولانا جبل پوری کی بڑی پذیرائی کی گئی تھی۔ اس سے بھی دونوں حضرات کے باہمی خلوص ومحبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ۱۲رجمادی الاول سنہ ۱۳۷۳ھ م ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء میں آپ کا وصال ہوا اور آپ اپنے والد ماجد کے پہلو میں عیدگاہ جبل پور میں دفن ہوئے۔

مولانا سید احمد اشرف جیلانی:

آپ کا تاریخی نام ابو المحمود سید شاہ احمد اشرف ہے ۱۴رشوال ۱۲۸۶ھ کو جمعہ کے دن سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی کے گھر میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وتربیت کچھوچھہ میں پائی۔ مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے علوم مروجہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ نے کسی بھی ادارے سے دستار بندی نہیں کرائی کیونکہ ایک بار خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور حضور ہی نے اپنے مقدس ہاتھوں سے آپ کے سر پر دستار باندھی جس کے بعد آپ نے کسی بھی مدرسہ سے دستار بندی کرانا حضور پاک ﷺ کی توہین تصور کیا۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی آپ سے غایت درجہ محبت فرماتے تھے اور تعظیم وتکریم بھی کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے قصیدۂ معراجیہ کی آپ نے شرح بھی لکھی تھی۔ آپ کے والد ماجد کی حیات میں ہی ۱۳۴۴ھ م ۱۹۲۵ء میں بمرض طاعون آپ کا انتقال ہوا۔

مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری:

آپ رامپور محلہ گھیر الف خاں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد رفیع اللہ خاں سے پڑھیں۔ علوم عقلیہ نابینا عالم سید جلال الدین سے حاصل کئے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کی رامپور آمد کے بعد ان کے شاگرد ہوگئے۔ مولانا کے چلے جانے کے بعد مدرسہ عالیہ میں

مدرس ہوئے پھر یہاں سے جونپور مدرسہ امامیہ حنفیہ میں صدر مدرس اور مہتمم ہوکر چلے گئے اور ساری عمر وہیں بسر کردی۔ منطق وفلسفہ میں علمی ریاست کے وہی مسند نشیں تھے۔ جونپور میں وہ بڑے مولوی صاحب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۳۱۸ھ میں مجلس علمائے اہل سنت کے جلسے میں جو ندوہ کی اصلاح کے لئے پٹنہ میں منعقد ہوا تھا اس میں آپ حمایت حق کے طور پر شریک ہوئے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی آپ سے خصوصی مراسم وتعلق رکھتے تھے۔ آپ دونوں حضرات میں مزاج ونظریات کے اعتبار سے بھی یکسانیت تھی۔ بروز دوشنبہ پانچ بجے شام یکم رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ میں آپ واصل بحق ہوئے۔ درگاہ حضرت قطب الاقطاب شیخ عبدالرشید جونپوری واقع رشید آباد میں مدفون ہوئے۔ آپ نے مولانا عبدالحق خیرآبادی کے دفاع میں چند رسالے بھی تحریر کئے۔ آپ اپنے وقت کے عظیم عالم دین، فلسفی، فقیہ اور محدث ومنطقی تھے۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی:

آپ کے اجداد کرام مدینہ طیبہ کے ساکن تھے جہاں سے سولہویں صدی عیسویں شاہجہاں کے دورحکومت میں سورت آئے۔ یہیں پر بعہد معین الدین اکبر شاہ ثانی ۱۸۳۶ء میں بمقام راند ضلع سورت آپ کی ولادت ہوئی۔ رسم بسم اللہ خوانی جد مکرم نے ادا فرمائی اور علوم عقلیہ کی تحصیل کے لئے والد ماجد کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ فرمایا۔ مگر قدرت کی مشیت ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں آپ کی جائداد وغیرہ لوٹ لی گئی اور گھر پر بھی انگریزوں نے قبضہ کرلیا اسی وجہ سے آپ عراق ہجرت کر گئے۔ مگر جلد مکہ مکرمہ ہوتے ہوئے تین سال کے اندر ہی ہندوستان تشریف لے آئے۔ اور دہلی میں مدرسہ حسین بخش میں داخل درس ہوکر مولانا لطف اللہ علیگڑھی اور مولانا احمد علی صاحب کی خدمت میں رہ کر سند واجازت حاصل کی۔ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی سے آپ کو شرف بیعت حاصل تھا۔

۱۸۶۷ء میں پیلی بھیت چلے گئے اور پھر وہیں کے ہو رہے۔ تا زندگی درس حدیث میں مشغول رہے آپ کے درس کی دور دور تک شہرت تھی۔ آپ نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی بنائی ہوئی جامع مسجد میں "مدرسہ حافظیہ" کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کا سنگ بنیاد امام العصر حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے رکھا تھا۔ مولانا احمد رضا سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا اور آپ دونوں حضرات کا باہم ایک دوسرے سے بڑا گہرا ربط تھا۔ اس کی تصدیق ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی بیان کردہ معلومات سے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے۔

"مولانا وصی احمد سورتی (فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں) کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ آپ دونوں حضرات کے بڑے گہرے اور مخلصانہ تعلقات تھے۔ باوجود یہ کہ مولانا وصی احمد صاحب فاضل بریلوی سے بیس سال بڑے تھے۔" [۱۹]

آپ بہت نیک، سادہ، باوضع اور با اخلاق تھے۔ لباس بہت سادہ استعمال کرتے تھے۔ غریب طلبا کی مالی اعانت فرماتے۔ آپ کو غرور، تکبر اور غیبت ورعونت سے سخت نفرت تھی۔ تصوف سے خاص لگاؤ تھا مگر خانقاہی نظام اور ترک دنیا سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ آپ کا دل مسجد اور مدرسہ میں زیادہ لگتا تھا۔ آپ اتباع سنت اور پابندئ شریعت کو سب سے بڑی کرامت سمجھتے تھے۔ آپ کے تلامذہ کی کثیر تعداد ہے جن میں بے بدل فقیہ، لاجواب مفسر، شاندار خطیب اور عظیم صوفیاء ومحدث نظر آتے ہیں۔ درس وتدریس سے خالی اوقات میں تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں حاشیہ سنن نسائی شریف، جلالین ومشکوٰۃ کے حواشی، جامع الشواہد قابل ذکر ہیں۔

مولانا شاہ ہدایت رسول صاحب:

آپ اگرچہ اعلیٰ حضرت کے مرید وخلیفہ تھے مگر مولانا سے اعلیٰ حضرت کو جس قدر لگاؤ تھا اس سے آپ کے مرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے بارے میں مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فرمایا تھا۔

"اگرچہ مجھ جیسا لکھنے والا (اہل قلم) اور ہدایت رسول جیسا

بولنے والا خطیب ہندوستان میں اور ہوتا تو بدمذہبیت کا نام ونشان تک نہ ملتا۔''[۲۰]

آپ کے والد ماجد کا نام حضرت شاہ محمد احمد رسول تھے اور آپ کے دادا کا نام سید شاہ عبد الرسول تھا۔ ان کے آباؤ اجداد بخارہ کے باشندے تھے۔ آپ کے دادا کسی زمانے میں سورت اور پھر وہاں سے رامپور تشریف لائے۔ والد صاحب کی پرورش وتعلیم رامپور میں ہی ہوئی اور وہیں آپ مدفون ہوئے۔ مولانا ہدایت رسول کی ولادت بھی رامپور میں ہی ہوئی۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد آپ لکھنؤ تشریف لے گئے پھر کچھ عرصہ بعد بریلی شریف پہنچے اور وہیں اعلیٰ حضرت سے آپ کا رابطہ ہوا اور علم وفضل کے یہ دو آفتاب و ماہتاب باہم ایک دوسرے کے قریب آئے۔ اور پھر راہ ورسم اور ربط وضبط کا تعلق عمیق سے عمیق تر ہوتا رہا۔ آپ حضرت شاہ سید نوری میاں مارہروی کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ اس لحاظ سے آپ اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت کے برادر طریقت یعنی پیر بھائی بھی تھے اس کے باوجود کہ آپ لوگوں کو مارہرہ میں بیعت ہونے کا مشورہ دیتے آپ کے مریدین کی تعداد کافی تھی۔

آپ نے لکھنؤ، بمبئی، دہلی اور بنارس کے نہایت اعلیٰ خاندانوں سے چار شادیاں کیں۔ زیادہ تر آپ کا قیام لکھنؤ میں رہتا تھا۔ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ۴۰ اولادوں سے نوازا تھا۔ آخر عمر میں آپ کا قیام رامپور میں رہا اور وہیں رمضان المبارک ۱۹۱۵ء میں جمعۃ الوداع کے روز آپ نے جام شہادت نوش فرما کر جان جان آفریں کے حوالے کردی آپ کا مزار مبارک رامپور میں حضرت شاہ درگاہی صاحب کے مزار پر انوار کے بائیں جانب واقع ہے جو زیارت گاہ خلائق ہے۔

مولانا عبد الباری فرنگی محلی:

مولانا عبد الباری ۱۲۹۵ھ م ۱۴/اپریل ۱۸۷۸ء کو پیدا ہوئے ۱۳۱۸ھ میں آپ معقولات ومنقولات کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے۔ فارغ ہونے کے بعد مولانا نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا اور اس شان سے پڑھایا کہ ایک دن میں پندرہ پندرہ اسباق پڑھادیتے اور بڑی محنت وجانکاہی سے فتوے بھی لکھتے۔ ۱۳۲۱ھ کے بعد مولانا نے اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کا بھی شرف حاصل کیا۔ والد ماجد اور بھائی کے انتقال کے بعد سجادگی اور خانگی ذمہ داریاں بھی آپ پر عائد ہوگئیں۔ ۹/جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ کو آپ نے مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ جہاں آپ اول درجہ سے آخری درجہ تک کتابیں پڑھاتے رہے۔ دینی مصروفیات کے ساتھ ہی ملکی وملی سیاست پر بھی وقت صرف کرتے تھے۔ اس کے باوجود نماز ودیگر اسلامی فرائض پر بھی خصوصی توجہ دیتے اور نماز کا باجماعت اہتمام فرماتے۔ تلاوت کلام پاک یہ عالم تھا کہ شب وروز میں دو اور کبھی زیادہ قرآن ختم کرتے تھے۔ دن رات میں مشکل سے تین گھنٹہ آرام فرماتے۔ آخر عمر میں دشمنوں کی جانب سے آپ کو زہر کھلا دیا گیا جس کا اثر عمر بھر رہا۔

۲/رجب ۱۳۴۴ھ م ۱۷/جنوری ۱۹۲۶ء کو آپ پر فالج کا اثر ہوا اور ۴/رجب ۱۳۴۴ھ م ۱۹/جنوری ۱۹۲۶ء کو آپ نے وصال فرمایا۔ مولانا کی یادگار ان کے صاحبزادے جمال میاں فرنگی محلی تھے۔ سید سلیمان ندوی کے بقول تقریباً سو تصانیف مولانا نے یادگار چھوڑی ہیں جو ان کے علمی اثاثے کی روشن دلیل ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر مسعود احمد نے لکھا ہے۔

''مولانا عبد الباری فرنگی محلی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے درمیاں خصوصی مراسم تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے گو عمر میں ۲۲ سال کا فرق تھا۔''[۲۱]

مولانا عبد القادر بدایونی:

مولانا احمد رضا خاں اور تاج الفحول عبد القادر کے درمیان جس طرح کی مہر ومحبت اور وابستگی ووارفتگی قائم تھی وہ بے مثال آپ ہے۔ اس کا ذکر مولانا ظفر الدین رضوی نے اپنی تصنیف میں اس طرح کیا ہے۔

''مولانا عبد القادر صاحب بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں

صاحب بریلوی میں جو اخلاص ومحبت اور اتحاد ووداد کے تعلقات تھے وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کو مولانا عبد القادر صاحب اپنے عزیز ترین بھائی سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ اپنا قوت بازو خیال فرماتے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی ان کو اپنا بزرگ بھائی جانتے اور ان کے اعزاز و اکرام میں مافوق العادت کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرماتے۔''[۲۲]

مولانا عبد القادر بدایونی ابن سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول قدس سرہ ۱۷؍رجب ۱۲۵۳ھ بدایوں میں متولد ہوئے۔ شاہ عبد القادر بدایونی ایک جید اور بزرگ عالم تھے۔ اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ وہ عمدہ ذہانت وذکاوت کے مالک تھے۔ شفیق استاد آپ کو بڑا ذکی وفہیم تسلیم کرتے تھے اور ابوالفضل اور فیضی بھی آپ کو فضیلت وبرتری دیتے تھے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلی ان سے غایت درجہ عقیدت و محبت رکھتے تھے اور ان کی تعظیم بھی کرتے تھے۔ مسائل علمیہ میں ان سے مشورہ کرتے۔ مولانا عبد القادر بدایونی اخیر عمر تک بدایوں ہی میں مقیم رہے۔ جہاں بالآخر ۱۸؍جمادی الاول ۱۳۱۹ھ میں آپ کا وصال ہوگیا۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے آپ کے فضائل ومناقب میں چراغ انس ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء کے نام سے ایک مدحیہ قصیدہ تحریر فرمایا اور ان کے والد مولانا فضل رسول بدایونی کی کتاب ''المعتقد المنتقد'' (۱۲۷۰ھ م ۱۸۵۳ء) پر تعلیقات لکھی جس کا نام ''المستند بناء نجاۃ الابد'' (۱۳۲۰ھ م ۱۹۰۲ء) ہے اور یہ کتاب مع تعلیقات متعدد مرتبہ شائع ہوچکی ہے۔ یہ تمام باتیں اور جملہ معلومات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور اعلیٰ حضرت تاج الفحول کے رفیقانہ تعلقات کی شاہد عادل ہیں۔

یہاں ہم نے مولانا احمد رضا خاں کی اہل علم وادب سے وابستگی ثابت کرنے کے لئے کافی مواد اکٹھا کردیا ہے۔ مگر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور ضروری باتوں کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانے چلیں تاکہ اسی موضوع کو مزید وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔ مولانا سے یمن اور اہل عرب سے وابستگی کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ جس کا ذکر مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اس طرح کیا ہے۔

''ارض حجاز کے مقتدر شیوخ کرام اور ان مقدس ترین [illegible] فیضان بھی مولانا احمد رضا خاں کو سب سے زیادہ حاصل ہوا۔ (۱) شیخ الاسلام سید احمد زینی دحلان شافعی قاضی القضاۃ م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء (۲) شیخ عبد الرحمٰن سراج مفتی احناف مکہ مکرمہ ۱۳۰۱ھ (۳) شیخ حسین صالح جمیل الیل امام مسجد الحرام''۔[۲۳]

سابقہ سطور میں بدایوں، رامپور، فرنگی محلی، کانپور، لکھنؤ، بریلی وغیرہ دیار وامصار کے علما کا تعارف کرایا گیا ہے لیکن ابھی ہماری دانست میں ''علمائے سہسرام'' کا تذکرہ باقی رہ گیا ہے۔ جن سے مولانا احمد رضا خاں کے تعلقات تاریخی حقیقت ہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ان حضرات کا بھی مختصر تعارف پیش کردیا جائے۔

سہسرام کے دو علما ''مولانا قادر بخش صاحب سہسرامی'' اور ''مولانا سید شاہ عبد الغنی صاحب سہسرامی'' کا ذکر تو مولانا ظفر الدین رضوی نے حیات اعلیٰ حضرت میں کیا ہی ہے۔ مولانا محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی سہسرامی، مدرس شعبہ افتا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور نے سہسرام کے ۹ علمائے کرام کے نام درج کئے ہیں۔ جن سے مولانا احمد رضا خاں کو تعلق تھا۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے۔

''یہاں صرف سہسرام کے ان علماء ومشائخ کا ذکر ہوگا جو امام احمد رضا کے ہم عہد تھے۔ اور ان کے امام موصوف کے ساتھ مخلصانہ تعلقات تھے۔ جن حضرات کے تعلقات کی تفصیل مجھے فراہم ہوسکی وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت حافظ الحدیث علامہ محمد قادر بخش سہسرامی (۲) حضرت مولانا سید شاہ عبد الغنی سہسرامی (۳) حضرت مولانا شاہ ملیح الدین کبیری سجادہ نشیں خانقاہ کبیریہ سہسرام (۴) حضرت مولانا ابوصالح ظہیر الدین احمد فریدی (۵) حضرت مولانا سید شاہ غلام

مخدوم مست سہرامی (۶) حضرت مولانا فرخندہ علی سہرامی (۷) حضرت مولانا محمد ابوالحسن سہرامی (۸) حضرت مولانا فہیم الدین سہسرامی (۹) حضرت مولانا حکیم محمد یحییٰ صاحب سہرامی۔"[۲۴]

یہاں ہم نے جن حضرات کا تعارف کرایا ہے اور مولانا کی جن حضرات سے وابستگی کا ظاہر کیا گیا ہے یہ حالات کلی احاطہ اس سلسلے میں نہیں کرپاتے۔ تلاش جستجو کے بعد ابھی اس میں اور بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے مگر مقالے کے اس ذیلی عنوان کے تحت یہ معلومات کافی ہے۔ جیسا کہ مولانا ارشاد احمد رضوی نے بھی اپنے مذکورہ مقالے میں تحریر کیا ہے۔

"اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے اپنے معاصر علما، مشائخ اہل سنت سے کیسے گہرے اور کس قدر وسیع روابط تھے۔ اس کا جائزہ خود ایک مستقل موضوع ہے جو بہت ہی بسیط اور تفصیل چاہتا ہے۔"[۲۵]

ہم بھی مولانا کی اس بات سے پوری طرح اتفاق کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اپنے مواد اور اہمیت کے مطابق یہ موضوع خود ایک مقالے کا متقاضی ہے تا کہ مقالے کے ایک جز میں اس کو ادا کیا جاسکے۔ اس لئے اب یہاں اس کا اختتام کیا جاتا ہے۔

حواشی

[۱] حیات اعلیٰ حضرت۔ (جلد اوّل) ص ۳۴ تا ۳۵
[۲] قاری، امام احمد رضا نمبر ص ۲۳۵
[۳] تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۳۹۹/۴۰۰
[۴] تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۴۰۰۔ اور۔ قاری، امام احمد رضا نمبر ص ۲۳۷
[۵] حیات اعلیٰ حضرت۔ (جلد اوّل) ص ۳۴ تا ۳۵
[۶] مضمون۔ خانوادۂ برکاتیہ کا روحانی فرزند۔ مشمولہ قاری، امام احمد رضا نمبر۔ ص ۲۳۶ تا ۲۳۷
[۷] قاری، امام احمد رضا نمبر۔ ص ۲۳۷
[۸] مضمون فاضل بریلوی کا تبحر علمی۔ مشمولہ، آئینۂ امام احمد رضا۔ مرتبہ، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ص ۴۰
[۹] قاری، امام احمد رضا نمبر۔ ص ۳۴۲
[۱۰] حیات اعلیٰ حضرت (جلد اول) ص ۳۲
[۱۱] حیات اعلیٰ حضرت (جلد اول) ص ۳۵
[۱۲] امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات ص ۱۳
[۱۳] تذکرہ کاملان رامپور۔ ص ۲۲۸، ۲۲۹
[۱۴] مقالہ۔ علوم مشرقیہ کے فروغ میں رامپور کا حصہ۔ مشمولہ، رضا لائبریری جرنل۔ ص ۲۵/۲۶
[۱۵] مضمون۔ امام احمد رضا مجدد اعظم۔ مشمولہ، قاری احمد رضا خاں نمبر۔ ص ۲۴۱
[۱۶] حیات اعلیٰ حضرت۔ (جلد اوّل) ص ۱۹۶
[۱۷] اکرام امام احمد رضا۔ مفتی برہان الحق۔ ناشر، مجلس العلما مظفر پور بہار۔ ص ۳۴
[۱۸] اکرام امام احمد رضا۔ مفتی برہان الحق۔ ناشر، مجلس العلما مظفر پور بہار۔ ص ۳۵
[۱۹] الشیخ احمد رضا خاں البریلوی۔ الدکتور محمد مسعود احمد، جامعہ نظامی لاہور۔ ص ۲۹
[۲۰] تذکرہ اکابر اہل سنت۔ ص ۱۷۸
[۲۱] مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی معہ تنقیدات وتعقبات۔ ص ۴۱
[۲۲] حیات اعلیٰ حضرت۔ (جلد اوّل) ص ۱۹۶
[۲۳] امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات۔ ص ۱۴
[۲۴] مقالہ۔ امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہٗ اور سہسرام۔ مشمولہ، پیغام رضا کا امام احمد رضا خاں نمبر ص ۳۴۱
[۲۵] پیغام رضا کا امام احمد رضا خاں نمبر ص ۳۴۰

............☆☆☆............

مولانا حسن رضا خاں اور اعلیٰ حضرت میں کچھ مماثلتِ طرح

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی (بھارت)

عرف عام میں نعت اس نظم کو کہا جاتا ہے جو پیغمبرِ اسلام احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ ﷺ کی مدح میں کہی جائے۔ لیکن قاعدے میں مدح مذکورہ نظم میں ہو یا نثر میں نعت ہی کہی جائے گی۔ پیغمبرِ آخر الزماں ﷺ سے منسوب ہونے کے باعث یہ صنف اپنے اندر تقدس تو رکھتی ہی ہے، اس کی تاریخ بھی طویل ہوگئی ہے جو چودہ سو برس سے زیادہ عرصے پر پھیلی ہوئی ہے۔ حضور پرنور ﷺ کے صحابہ میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ عمدہ شاعر تھے۔ حضور اقدس ﷺ ان کی کہی ہوئی نعتوں کو پسند فرماتے تھے۔ ان کے نعتیہ اشعار اب بھی موجود ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بعد سے آج تک کوئی زمانہ ایسا نہیں رہا، جس میں نعت گوئی نہ کی جاتی رہی ہو۔ بعض اوقات تو شعراء نے بڑے شد و مد کے ساتھ نعتیں کہی ہیں۔ گیارہویں صدی ہجری کے اختتام تک شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جس نے نعتِ رسول ﷺ نہ کہی ہو۔ بعض شعراء نے تو اپنی ساری عمریں ہی نعت گوئی میں صرف کردیں۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدۂ بردہ شریف اس فن کی معراج ہے۔ مولوی معنوی مثنوی شریف بھی نعتوں کا خوش نما گلدستہ ہے۔ اگرچہ مثنوی شریف پند و موعظت کی حکایات پر مشتمل ہے مگر وہ حکایات بھی نعت گوئی سے خالی نہیں۔ ایرانی شعراء نے نعت گوئی میں نئے نئے ادبی گوشے نمایاں کیے۔ خاقانی شیروانی نے نعت گوئی میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ حسان العجم کہلائے۔ حسن غزنوی، نظامی گنجوی، عرفی، سعدی، جامی نے بھی اس صنف میں کافی طبع آزمائی کی۔ مولانا جامی کی نعت کا شعر۔

بر ایں جان مشتاقم بہ آنجا
فدائے روضۂ خیر البشر کن

آج بھی اہل حال کی مجلس میں پڑھایا جاتا ہے تو سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

اردو نعت گوئی کے جسد میں عربی کے بجائے فارسی نعت گوئی کا خمیر پڑا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ عربی میں نعت گوئی چلتی تو رہی، لیکن اس فن کی جو ترقی فارسی زبان میں ہوئی بجز چند مستثنیات کے عربی میں مقابلتاً نہ ہو سکی۔ جہاں تک اردو نعت گوئی کا تعلق ہے اس میں پہلا نعت گو شاعر کون تھا؟ اس کا جواب انتہائی مشکل ہے۔ البتہ اتنا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اردو کی ابتدا کے ساتھ ہی نعت گوئی کی ابتدا کا دامن بھی بندھا ہوا ہے۔ اردو زبان صوفیہ اور عرفا کے ملفوظات کے ساتھ پروان چڑھی، اس لیے ابتدا میں بھی اس کا دامن نعت سے خالی ہونا تسلیم نہیں۔ ہمارے ادب کی ابتدا دکن سے ہی مانی جاتی ہے اور دکنی ادب میں نعتیں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ اس لیے اردو میں بھی اس کی قدامت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

اردو زبان میں نعت گوئی پھلتی پھولتی رہی، آگے بڑھتی رہی۔ میلاد خواں جماعتیں اس کی ترقی کے لیے برابر کوشاں رہیں۔ میلاد ناموں کے مصنفین اپنے اشہب فکر کی تمام تر قوت پرواز نعت گوئی کے مضامین پر صرف کرتے رہے۔ لیکن انیسویں صدی عیسوی میں چند ایسی شخصیتیں اردو نعت کے اُفق پر نمودار ہوئیں کہ یہ فن نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ ان شخصیتوں کی فہرست یوں تو طویل بھی ہوسکتی ہے، مگر اہم نام ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی، ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی اور حسان الہند مولانا محمد حسن کاکوروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔ آج کی صحبت میں استادِ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی پر اجمالی گفتگو مقصود ہے۔

مولانا حسن رضا خاں صاحب مشہور زمانہ اور شہرۂ آفاق عالم دین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ ایک علمی اور دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ نسباً قندھاری

پٹھان تھے۔ مولانا کے مورثِ اعلیٰ مولانا سعید اللہ خاں صاحب عہدِ مغلیہ میں صاحبِ جاہ شخص تھے۔ ان کے صاحبزادے سعادت یار خاں صاحب ایک جنگ کے سلسلے میں روہیل کھنڈ تشریف لائے تھے۔ سعادت یار خاں کے صاحب زادے مولانا اعظم خاں صاحب اچھے عہدے پر فائز تھے مگر بعد میں تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ ان کے صاحبزادے حافظ کاظم علی خاں شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ حافظ کاظم علی خاں صاحب کے صاحب زادے اور مولانا حسن میاں کے دادا حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں صاحب عظیم عالم باعمل تھے۔ مولانا محمد حسین علمی جن کا لکھا ہوا خطبۂ علمی آج بھی پاک و ہند کی بیش تر مساجد میں ہر جمعے کو منبروں پر خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، انہیں کے شاگرد تھے۔ حسن میاں کے والد مولانا شاہ حکیم نقی علی خاں صاحب بھی بڑے عالم اور صاحبِ دل بزرگ تھے۔ ان کے صاحبزادے اور حسن میاں کے بڑے بھائی حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ ان کی علمیت بے نظیر تھی۔ حضرت کے تبحرِ علمی کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ تقریباً ایک ہزار کتابوں کے مصنف، مرتب، محشی اور مترجم ہیں۔ "فتاویٰ رضویہ" کی بارہ ضخیم جلدیں ہی تحقیق و علمیت میں کئی مفتیوں کی تمام زندگی کے کام پر بھاری ہیں۔ دونوں بھائیوں کے قلب عشقِ رسول ﷺ سے سرشار تھے۔ نعت گوئی کو جس بلندی پر ان دونوں بھائیوں نے پہنچایا ہے اس کو اس وقت تک نقطۂ عروج ہی کہا جائے گا۔ حسن میاں کی ولادت ٢٢ ربیع الآخر ١٢٧٦ھ (١٨ نومبر ١٨٥٩ء) کو اور وفات ٣ شوال ١٣٢٦ھ (٢٨ اکتوبر ١٩٠٨ء)[١] کو بعمر تقریباً ٥٠ سال قمری و ٤٩ سال شمسی ہوئی ہے۔ فصیح الملک حضرت نواب مرزا خاں داغ دہلوی سے فنِ شعر میں تلمذ تھا۔ غزلوں کا ایک مختصر مجموعہ "ساغرِ پُر کیف" کبھی شائع ہوا تھا۔ اب دستیاب نہیں ہوتا۔ "بہاریہ دیوان ثمرِ فصاحت" (١٣١٩ھ) صرف کتب خانوں میں نظر آتا ہے۔ نعتیہ دیوان "ذوقِ نعت" (١٣٢٦ھ) تاریخی نام سے موسوم ہے۔ یہ بھی اب کامل شائع نہیں ہوتا۔ جبھی ایڈیشن میں معتد بہ کلام کم کر دیا گیا ہے۔

نعت کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہے۔ یہ غزل، مثنوی، مسدس، مخمس، ترکیب بند اور ترجیع بند حتیٰ کہ مستزاد تک تمام ہیئتوں میں کہی جا سکتی ہے بلکہ کہی جاتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ موزوں ہیئت غزل کی ہے۔ گویا غزل کا جامۂ زیبا اس کے قدِ موزوں پر بالکل درست آیا ہے۔ دوسرے نمبر پر مخمس اور اس کے بعد ترجیع بند کو پسند کیا جاتا ہے۔ استاد شاعروں نے مثنوی میں بھی نعتیں کہی ہیں، جن میں مولانا محسن کاکوروی کی "صبحِ تجلی" و "چراغِ کعبہ" وغیرہ اور "شاہ نامہ اسلام" میں ابو الاثر حفیظ جالندھری کے نعتیہ اشعار خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

نعت گوئی ایک مشکل فن ہے۔ اس کی مشکلات کا تذکرہ "نعت رنگ" کے صفحات پر ہوتا ہے۔ اس لیے تکرار معیوب سمجھتا ہوں لیکن عرض کرنا مناسب ہے کہ انہیں مشکلات کی وجہ سے بعض نعت گو شعراء نعت گوئی کے فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو پاتے۔ مگر چوں کہ مولانا حسن رضا عالمِ دین تھے اور عشقِ رسول ﷺ بھی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا، اس لیے وہ اس کوچے سے نہایت سلامت روی اور کامیابی کے ساتھ گزر گئے اور ان کے نقوشِ قدم آج بھی رہروانِ راہِ نعت کے لیے رہنما بنے ہوئے ہیں۔ مولانا کی نعت گوئی چند قابلِ لحاظ وجوہ سے اہمیت کی حامل ہے۔

اوّل: یہ کہ یہاں میلادناموں کے مصنفین کی طرح محض چند مضامین کی تکرار نہیں ہے۔

دوم: اپنی نعتوں میں انہوں نے ایسے الفاظ کے استعمال سے بھی گریز کیا ہے جن سے ان کے ممدوح کی توصیف کا کوئی پہلو نہیں نکلتا ہے جیسے کالی کملی والے، گلہ بان، حلیمہ کے پالے، وغیرہ وغیرہ۔

سوم: یہ کہ عام نعت گو شعراء عموماً اللہ رب العزت کو ایسے ناموں سے بھی یاد کر جاتے ہیں جن کا استعمال درست نہیں۔ لیکن مولانا کا علم ان کو اس قسم کے تمام اغلاط سے بچائے رہا۔

چہارم: نعت گوئی میں ایک عام سی غلطی ہو جاتی ہے کہ حضور پاک ﷺ کا تعلق یا تقابل جب انبیائے ماسبق کے ساتھ دکھایا جاتا ہے تو کہیں کہیں نبی آخر الزماں ﷺ کی توصیف کے پردے میں انبیائے سابقین علیہم السلام کی توہین کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔ مولانا نے حتی

الامکان اس غلطی سے خود کو بچائے رکھا ہے۔

پنجم: یہ کہ وہ الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط ہیں، مثلاً ایک لفظ ''شیدا'' جو عاشق کے معنی میں آتا ہے علمائے محتاط کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی قرار پاتا ہے۔ اس لیے مولانا نے اس لفظ کا استعمال اللہ رب العزت کے لیے نہیں کیا بلکہ وہ مجبور ہو کر اس کی جگہ لفظ ''پیارا'' استعمال کرتے ہیں جو کانوں کو عجیب اور نامانوس تو لگتا ہے مگر شاعر اور نعت خواں کو شانِ الوہیت میں گستاخی کے ارتکاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ نمونے کے دو شعر نقل ہیں۔

حسنِ یوسف پر زلیخا مٹ گئیں
آپ پر اللہ پیارا ہوگیا

تیرے صانع سے کوئی پوچھے ترا حسن و جمال
خود بنایا اور بنا کر خود ہی پیارا ہوگیا

''ذوقِ نعت'' سے ازروئے جمل ۱۳۲۶ھ ہاتھ آتا ہے۔ یہی شاعر کا سالِ فوت بھی ہے۔ گویا نعتیہ دیوان کا سالِ طباعت یا سالِ ترتیب اور مصنف کا سالِ فوت ایک ہی ہے۔

''ذوقِ نعت'' کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ یہ نعت خوانوں، میلاد ناموں اور نعت گوئی سے شغف رکھنے والے حضرات میں کافی مقبول ہے۔ کلام کی ترتیب ردیف وار ہوئی ہے۔ 'الف' سے لے کر 'یا' تک ہر ردیف کی نعتیں دیوان میں موجود ہیں۔

'الف' کی ردیف میں پہلے دو حمدیں شامل کی گئی ہیں۔ اس کے بعد نعتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ردیف کی ترتیب کے مطابق نعت کے علاوہ جو دیگر اصناف سخن آتی گئی ہیں وہ بھی نعتوں کے ساتھ ہی شامل ہوتی رہی ہیں۔ جیسے منقبتِ حضرت خواجہ غریب نواز، مناقب خلفائے راشدین، ذکرِ شہادت، منقبتِ حضرت غوث الاعظم، منقبتِ حضرت اچھے میاں مارہروی، حاضریٔ حرمین طیبین وغیرہم۔ خاتمۂ دیوان کے بعد تین مسدسات ہیں۔ پہلی ذکر معراج شریف میں، دوسری حضرت بڑے پیر صاحب سے طلبِ استمداد میں موسوم باسم تاریخی ''نغمۂ روح'' (۱۳۰۹ھ) اور تیسری مناقبِ حضرت شاہ سید بدیع الدین مدار قدس سرہ ہیں۔ پہلی مسدس ترکیب بند میں ہے اور بقیہ دو ترجیع بند میں۔ ''نغمۂ روح'' میں جس بیت کی تکرار کی گئی ہے وہ یہ ہے۔

روئے رحمت برمتاب اے کام جاں ازروئے من
حرمتِ روحِ پیمبر یک نظر کن سوئے من

اس ترجیع بند میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے بند حروفِ تہجی کے لحاظ سے ردیف وار درج ہوئے ہیں اور 'الف' سے لے کر 'یا' تک کوئی ردیف ایسی نہیں ہے جس میں بند نہ کہا گیا ہو۔ عقیدت واحترام اور ادبیت و شعریت کا حسین امتزاج اس ترجیع بند میں جلوہ گر ہے۔

مسدسات کے بعد ایک سلام (برروحِ نبی) اور کچھ رباعیات ہیں۔ اس کے بعد شاعر کی وقتاً فوقتاً کہی گئی تاریخیں ہیں۔

کتاب کے آخر میں چند مثنویات اور قصائد ہیں۔ اس حصے کا تاریخی نام ''وسائلِ بخشش'' ہے جس سے ۱۳۰۹ھ ہاتھ آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب کا یہ حصہ جو آخر میں شامل ہوا ہے، دیوان کی طباعت و ترتیب سے ۱۷ سال قبل تخلیق یا طبع ہو گیا تھا۔ پہلی تین مثنویات حمدیہ و نعتیہ ہیں۔ جن میں عشق و محبت کے جذبات کی تیز آنچ کے ساتھ اشہب فکر کی وہ جولانیاں بھی نظر آتی ہیں جو مولانا کو عاشق سے زیادہ شاعر اور شاعر سے زیادہ عاشق ثابت کرتی ہیں اس کے بعد کچھ مختصر مثنویات ہیں، جن میں حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات اور ان کی کرامات سے متعلق روایات کو نظم کیا گیا ہے۔ بیچ میں ایک منقبتی غزل شامل ہو گئی ہے جو بڑے پیر صاحب کی شان میں ہی ہے۔ ایک مثنوی میں ولادت خاتم النبیین ﷺ شاعرانہ حال اور آخر میں ایک ناتمام مثنوی ہے، جس کا عنوان ہی ''مثنویٔ ناتمام'' ہے۔ حصۂ قصائد میں مولانا فضل رسول قادری مجیدی بدایونی کی مدح میں کہا گیا طویل قصیدہ کافی اہم ہے۔ تین نیم ہجویہ قصائد ہیں۔ سب کی ردیف 'باقی' ہے۔ ڈھائی صفحات میں متفرق کلام اور سب کے آخر میں طبع دیوان کی تاریخیں مولانا کا مختصر تعارف اور تاریخ وفات درج ہے۔

''ذوقِ نعت'' کی نعتیں فکر و فن اور جذبہ و تخیل کا حسین امتزاج ہیں۔ جذبۂ عشق رسول اللہ ﷺ کی تیز آنچ قاری کے دل میں احساس کی گرمی پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ اپنے ممدوح کی شان ارفع و اعلیٰ کو

شاعر نے جس انداز سے اجاگر کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے اور وہ اس لیے کہ اس کا دائرہ صرف جذبات حبّ نبی کے حصار میں ہی محصور نہیں ہے بلکہ وہ عمدہ شاعری کا نمونہ بھی ہے۔ اگر ''ذوقِ نعت'' کا مطالعہ اس نظر سے کیا جائے کہ مذہبی جذبات کو نظر انداز کر کے صرف ادبیت کو ہی ملحوظ رکھیں تو اس میں فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کے اندازِ شاعری کی بھرپور جھلک دکھائی دیتی ہے۔ حضرت داغ کی شاعری کا اتنا واضح اور نمایاں رنگ ان کے دوسرے شاگردوں کی شاعری میں نظر نہیں آتا جتنا حسن میاں کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان مضامین کو بیان کرتے ہوئے بھی جن کو متقدمین بیان کر گئے ہیں مولانا کی ندرتِ بیان، طرزِ ادا اور تخیل کی بلند پروازی نئے نئے گوشے ڈھونڈ نکالتی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نعت میں سیکڑوں نئے نکات کو اپنے اچھوتے انداز میں بیان کیا۔ مولانا نے بہت سی جگہوں پر اپنے عقائد و نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے عقلی دلائل سے بھی کام لیا ہے۔ اگر قاری کے دل میں ذرا بھی عشقِ رسول ﷺ کی حرارت ہے تو ''ذوقِ نعت'' کا مطالعہ اس حرارت کو شعلوں میں تبدیل کر کے روح و ایمان کو تپا کر تازگی اور جلا بخش دیتا ہے۔ اکثر اشعار کی اثر آفرینی سے پڑھنے والوں کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ اثر آفرینی تو خیر نعت کی داخلی خصوصیت ہے ہی مگر مولانا کی نعتوں کو دل کش بنانے میں ان کی خلاقیِ مضمون کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ انہوں نے سیکڑوں نئے مضامین کو اپنی نعتوں میں جگہ دی اور نہ جانے کتنے نئے نکات جو نظروں سے نہاں تھے اپنے مخصوص انداز میں بیان کیے۔ کچھ اشعار پیش ہیں۔ مضامین کے ساتھ ساتھ طرز ادا پر بھی نظر رکھی جائے تو شاعر کی قادر الکلامی کا لوہا مانے بغیر چارۂ کار نہیں۔

صدق نے تجھ میں یہاں تک تو جگہ پائی ہے
کہہ نہیں سکتے اُلش کو بھی تو جھوٹا تیرا

☆

اگر قسمت سے میں ان کی گلی میں خاک ہو جاتا
غمِ کونین کا سارا بکھیڑ پاک ہو جاتا

☆

اور میں کیا لکھوں خدا کی حمد
حمد اسے وہ خدا ہوا تیرا
مجھ سے کیا لے سکے عدو ایماں
اور وہ بھی دیا ہوا تیرا

☆

ہیں دعائیں سنگِ دشمن کا عوض
اس قدر نرم ایسے، پتھر کا جواب
میں ید بیضا کے صدقے اے کلیم
پر کہاں اُن کی کفِ پا کا جواب

☆

قل کہہ کر اپنی بات بھی لب سے ترے سنی
اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند

☆

کریں تعظیم میری سنگِ اسود کی طرح مومن
تمہارے در پہ رہ جاؤں جو سنگِ آستاں ہو کر
بے لقائے یار اُن کو چین آجاتا اگر
بار بار آتے نہ یوں جبریل سدرہ چھوڑ کر

☆

اُس در کی خاک پر مجھے مرنا پسند ہے
تختِ شہی پہ کس کو نہیں زندگی عزیز

☆

الٰہی! دھوپ ہو اُن کی گلی کی
مرے سر کو نہیں ظلِ ہما خوش

☆

تھی جو اس ذات سے تکمیل فرا میں منظور
رکھی خاتم کے لیے مہرِ نبوت محفوظ

☆

جلوۂ موئے محاسن چہرۂ انور کے گرد
آبنوسی رحل پر رکھا ہے قرآنِ جمال

☆

سفر کر خیالِ رُخِ شہ میں اے جان!
مسافر نکل جا اُجالے اُجالے

☆

منور دل نہیں فیضِ قدومِ شہ سے روضہ ہے
مشبک سینۂ عاشق نہیں روضے کی جالی ہے

☆

تیرے محتاج نے پایا ہے وہ شاہانہ مزاج
اُس کی گدڑی کو بھی پیوند ہوں دارائی کے

☆

ہیں تیرے آستاں کے خاک نشیں
تخت پر خاک ڈالنے والے

''ذوقِ نعت'' میں حمد ومناقب، ذکرِ شہادت اور قصاید وغیرہ چھوڑ کر کل اُناسی نعتیں ہیں، جن میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ مولانا چھوٹی نعتیں کہنے کے عادی نہیں تھے۔ اُناسی نعتوں میں سے صرف ایک نعت میں چھ شعر، دو میں نو نو شعر، آٹھ میں گیارہ گیارہ شعر ہیں۔ باقی نعتوں میں اشعار کی تعداد ان سے زیادہ ہی ہے۔ یہاں تک کہ کسی کسی نعت میں اشعار کی تعداد پچاس بلکہ ساٹھ سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ بیس سے زیادہ شعر بہت سی نعتوں میں ہیں۔

دردِ دل کر مجھے عطا یارب
دے مرے درد کی دوا یارب

اس نعت میں پچپن شعر ہیں۔

جاں بہ لب ہوں آ مری جاں الغیاث
ہوتے ہیں کچھ اور ساماں الغیاث

اس نعت میں چھیاسٹھ شعر ہیں۔ اس سے صرف یہی نہیں سمجھنا چاہیے کہ آسان ردیف اور قافیہ ہونے کے سبب زیادہ شعر نکالنے میں کامیابی ہوئی ہوگی۔ انہوں نے ادق زمینوں میں بھی طویل نعتیں کہی ہیں۔

پُرنور ہے زمانہ صبحِ شبِ ولادت
پردہ اٹھا ہے جس کا صبحِ شبِ ولادت

میں اکیاون شعر ہیں۔

دشمن ہیں گلے کا ہار آقا
لٹتی ہے مری بہار آقا

میں اکتالیس شعر اور

سرِ صبحِ ولادت نے گریباں سے نکالا
ظلمت کو ملا عالمِ امکاں سے 'نکالا'

میں پچیس شعر ہیں جو مولانا کی قادرُ الکلامی اور ذوقِ نعت گوئی کی بیّن دلیل ہے۔

قدیم شعراء میں غزل کے درمیان قطعہ بند شعر لانے کا خاص رواج تھا۔ مولانا کا رجحان بھی اس طرف پایا جاتا ہے۔ مولانا کی بارہ نعتوں میں قریباً ۱۴ قطعہ بند شعر ملتے ہیں ایک نعت میں جس کا مطلع ہے:

تمہارا نام مصیبت میں جب لیا ہوگا
ہمارا بگڑا ہوا کام بن گیا ہوگا

دو مطلعوں اور ایک شعر کے بعد قطعہ بند اشعار شروع ہوتے ہیں اور مقطع تک چوبیس اشعار کا ایک ہی قطعہ ہے جس میں قیامت کی پُر ہول منظر کشی اور حضور پاک ﷺ کے طفیل گناہ گاروں کو راحت ملنے کا بیان ہے۔ ''ذوقِ نعت'' کا یہ سب سے طویل قطعہ ہے، جس میں عقیدت کے ساتھ ساتھ ادبیت کی ہلکی سی چاشنی بھی موجود ہے۔

''ذوقِ نعت'' کے مطالعے سے ایک بات کا اور بھی پتا چلتا ہے وہ یہ کہ امام احمد رضا کے نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' (۱۳۲۵ھ) اور ''ذوقِ نعت'' میں چار زمینوں میں کہی گئی نعتیں مشترک ہیں۔ خدا جانے کہ یہ نعتیں کسی طرحی نعتیہ مشاعرے کے لیے کہی گئی ہیں یا مولانا نے بغیر کسی التزام کے احتراماً اور تقلیداً کہی ہیں۔ طرحی مشاعروں کے لیے کہے جانے کا کوئی ثبوت ہمارے سامنے نہیں ہے اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ مولانا نے یہ نعتیں کسی طرحی مشاعرے کی طرح پر نہیں کہیں بلکہ اصل مقصود برادرِ مکرم کی پیروی ہی تھا۔

ہم طرح نعتوں کے مطلعے حسبِ ذیل ہیں۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
(فاضل بریلوی)

جن و انسان و ملک کو ہے بھروسا تیرا [۲]
سرورا! مرجع کل ہے درِ والا تیرا
(حسن میاں)

غم ہوگئے بے شمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا
(فاضل بریلوی)

دشمن ہیں گلے کا ہار آقا
لٹتی ہے مری بہار آقا
(حسن میاں)

محمد مظہر کامل ہے حق کی شانِ عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
(فاضل بریلوی)

کہوں کیا حال زاہد گلشنِ طیبہ کی نزہت کا
کہ ہے خلد بریں چھوٹا سا ٹکڑا میری جنت کا
(حسن میاں)

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دل بے کس کا اس آفت میں آقا تو ہی والی ہے
(فاضل بریلوی)

مرادیں مل رہی ہیں شاد شاد اُن کا سوالی ہے
لبوں پر التجا ہے ہاتھ میں روضے کی جالی ہے
(حسن میاں)

ان کے علاوہ دونوں مجموعوں میں کچھ کلام ایسا بھی ہے جس کو ہم زمین تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن اس کا امکان ضرور ہے کہ نعتیں کہتے وقت حسن میاں کے سامنے یا اُن کے ذہن میں فاضل بریلوی کی نعتوں کی طرحیں موجود تھیں۔ حضرت غوثِ پاک کی مدح میں ایک ہی طرح میں فاضل بریلوی نے چار منقبتیں کہی ہیں۔ حسن میاں نے بھی اس بحر میں منقبت کہی ہے ردیف وہی ہے مگر قافیے بدل گئے ہیں:

۱۔ ترا ذرہ مہِ کامل ہے یا غوث
ترا قطرہ یم سائل ہے یا غوث

۲۔ جو تیرا طفل ہے کامل ہے یا غوث
طفیلی کا لقب واصل ہے یا غوث

۳۔ بدل یا فرد جو کامل ہے یا غوث
ترے ہی در سے مستکمل ہے یا غوث

۴۔ طلب کا منہ تو کس قابل ہے یا غوث
مگر تیرا کرم شامل ہے یا غوث

(امام احمد رضا فاضل بریلوی)

پڑے مجھ پر نہ کچھ افتاد یا غوث
مدد پر ہو تری امداد یا غوث
(حسن میاں)

دونوں مجموعوں کی دو نعتوں کے ہم طرح ہونے میں ذرا سی کمی رہ گئی حسن میاں نے فاضل بریلوی کی ردیف کو قافیہ بنالیا ہے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکادے چمکانے والے
(فاضل بریلوی)

نہ مایوس ہو میرے دُکھ درد والے
درِ شہ پہ آ، ہر مرض کی دوا لے
(حسن میاں)

اسی طرح دو نعتوں میں مولانا حسن میاں نے فاضل بریلوی کی ایک نعت کی ردیف میں خفیف سا فرق کردیا ہے یعنی آخر میں یائے معروف کے بجائے یائے مجہول لے آئے ہیں۔ بحر اور قوافی وہی ہیں۔

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی
مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی
(فاضل بریلوی)

۱۔ جانے سے تنگ ہیں قیدی غم تنہائی کے
صدقے جاؤں میں تری انجمن آرائی کے

۲۔ پردے جس وقت اُٹھیں جلوۂ زیبائی کے
وہ نگہبان رہیں چشمِ تمنائی کے
(حسن میاں)

ایک نعت میں بحر بدلی ہوئی ہے مگر ردیف قافیے وہی ہیں۔

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے
گر اُن کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
(فاضل بریلوی)

باغ جنت میں نرالی چمن آرائی ہے
کیا مدینے پہ فدا ہو کے بہار آئی ہے
(حسن میاں)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے مولانا کو فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی سے تلمذ تھا اور شاید اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ انکشاف حیرت کا باعث ہو کہ داغ کے شاگردوں میں کسی نے استاد سے اتنا استفادہ نہیں کیا جتنا مولانا نے کیا۔ وہ ایک مدت تک رام پورہ میں رہ کر داغ دہلوی سے اکتسابِ فیض کرتے رہے لیکن زمانے کی نیرنگی کہیے یا کچھ اور کہ ہمارے مؤرخین ادب جب حضرتِ داغ کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو اُن کے دیگر شاگردوں مثلاً مولانا احسن مارہروی، ڈاکٹر اقبال، جگر مرادآبادی، سیماب اکبرآبادی، نوح ناروی، میر محبوب علی خاں آصف، سائل دہلوی، بے خود دہلوی، بے خود بدایونی، نسیم بھرت پوری اور آغا شاعر دہلوی کا تذکرہ تو کرتے ہیں، مگر حضرت مولانا کا نام بھی فہرست تلامذہ میں نہیں ہوتا۔ [۳] جب کہ پختگی کلام اور استاد کے رنگ کو کامیابی سے برتنے کے سبب مولانا کو بجا طور پر جانشینِ داغ کہا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس بے اعتنائی کا سبب دیوانِ غزلیات کا کمیاب ہو جانا ہو۔ مگر ان کا نعتیہ دیوان بھی کسی طرح نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں۔

اس لیے وہ اہم چیز جو حسن میاں کو سابق نعت گویوں پر فوقیت دیتی ہے، اُن کی نعتوں میں ادب کی شیریں چاشنی کا وافر مقدار میں پایا جانا ہے۔ مولانا کی نعتوں میں ادبیت کا صحیح اندازہ تو دیوان کے مطالعے سے ہی ممکن ہے، لیکن اشعار کے مناسب انتخاب سے بھی اس کی ہلکی سی جھلک مل سکتی ہے۔

مولانا کے نعتیہ اشعار میں ادب العالیہ کی جھلکیاں پورے طور پر اس طرح واضح ہو سکتی ہیں کہ اُن کا ایک مبسوط انتخاب پیش کر دیا جائے، لیکن اس کی گنجائش مضمون میں نہیں نکل سکتی اس لیے ایک مختصر انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔

اُن کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے
اُن کے ابرو نہیں دو قلبوں کی یک جائی ہے

☆

اگر چمکا مقدر خاکِ پائے رہ رواں ہو کر
چلیں گے بیٹھتے اُٹھتے غبارِ کارواں ہو کر

☆

دشتِ ایمن ہے سینۂ مومن
دل میں ہے جلوۂ خیالِ حضور

☆

آسماں گر ترے تلووں کا نظارہ کرتا
روز اک چاند تصدق میں اُتارا کرتا

☆

وکیل اپنا کیا ہے احمدِ مختار کو میں نے
نہ کیوں کر پھر رہائی میری منشا ہو عدالت کا

☆

مجھے بھی دیکھنا ہے حوصلہ خورشیدِ محشر کا
لیے جاؤں گا چھوٹا سا کوئی ذرّہ ترے در کا

☆

جو اک گوشہ چمک جائے تمہارے ذرّۂ در کا
ابھی منہ دیکھتا رہ جائے آئینہ سکندر کا

☆

کیا مژدۂ جاں بخش سنائے گا قلم آج
کاغذ پہ جو سو ناز سے رکھتا ہے قدم آج

☆

دشتِ مدینہ کی ہے عجب پُر بہار صبح
ہر ذرّے کی چمک سے عیاں ہیں ہزار صبح

☆

رنگِ چمن پسند نہ پھولوں کی بو پسند
صحرائے طیبہ ہے دلِ بلبل کو تو پسند

☆

خوش بوئے دشتِ طیبہ سے بس جائے گر دماغ
مہکائے بوئے خلد مرا سربسر دماغ

☆

طور نے تو خوب دیکھا جلوۂ شانِ جمال
اس طرف بھی اک نظر اے برقِ تابانِ جمال

☆

دل میں ہو یاد تری گوشۂ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

☆

دل درد سے بسمل کی طرح لوٹ رہا ہو
سینے پہ تسلی کو ترا ہاتھ دھرا ہو

☆

عجب رنگ پر ہے بہارِ مدینہ
کہ سب جنتیں ہیں نثارِ مدینہ

☆

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے سے
اُٹھا لے جائے تھوڑی خاک اُن کے آستانے سے
تمہارے در کے ٹکڑوں سے پڑا پڑتا ہے اک عالم
گزارا سب کا ہوتا ہے اسی محتاج خانے سے

میرا خیال ہے کہ قارئین کو کسی شاعر کے رنگِ شاعری سے متعارف کرانے کے لیے اختصار کے پیشِ نظر اُس کے اشعار کا انتخاب پیش کر دینا ایک ایک شعر کی شرح کرنے سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

جہاں تک شاعری میں مضامین و موضوعات کی ادائی کا تعلق ہے ہر صنف کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے۔ اُس کو دوسری صنف کے ساتھ ترازو میں رکھ کر نہیں تولا جا سکتا۔ اگر ہم بعض ادبی خصوصیات کو نعت میں مرثیہ یا مثنوی کے انداز میں دیکھنے کے خواہش مند ہوں تو ہمیں اس میں مایوسی تو ہوگی ہی، ہماری یہ خواہش بھی طفلانہ اور بے جا کہی جائے گی۔ محاکات اور مرقع نگاری جیسی چیزیں اپنے اندر تسلسل رکھنے والی اصنافِ سخن مثنوی، مرثیہ اور نظمِ جدید کے لیے خاص ہیں۔ مگر شاید میرا کہنا یہ غلط نہ ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں "ذوقِ نعت" میں بھی کم ہی سہی موجود ضرور ہیں۔ جہاں تک محاکات کا سوال ہے وہ پیش کردہ کچھ اشعار میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مولانا کی نعتیں اپنے ظرف کے مطابق اس سے خالی نہیں مرقع نگاری کا موقع اگرچہ نعتوں میں (کھل کر) نہیں مل سکتا تھا، مگر مولانا نے ذوقِ نعت میں اپنے اس ذوق کا بھی ثبوت دے دیا ہے۔ حضرت بڑے پیر صاحب سے طلبِ استمداد کی نظم "نغمۂ روح" میں مرقع نگاری کے مواقع پیدا کر ہی دیے ہیں، مثلاً:

اک جہاں سیرابِ فیضِ ابر ہے اب کی برس
تر نوا ہیں بلبلیں، پڑتا ہے گوشِ گل میں اس
ہے یہاں کشتِ تمنا خشک و زندانِ قفس
اے سحابِ ابرِ رحمت سوکھے دھانوں پر برس

روئے رحمت برمتاب اے کام جاں از روئے من
حرمتِ روئے پیمبر یک نظر کن سوئے من

فصلِ گل آئی عروسانِ چمن ہیں سبز پوش
شادمانی کا نوا سنجانِ گلشن میں ہے جوش
جو بتوں پر آ گیا حسنِ بہارِ گل فروش
ہائے یہ رنگ اور میں یوں دام میں گم کردہ ہوش

روئے رحمت برمتاب اے کام جاں از روئے من
حرمتِ روئے پیمبر یک نظر کن سوئے من

صبحِ صداق کا کنارِ آسماں سے ہے طلوع
ڈھل چکا ہے صورتِ شب حسنِ رُخسارِ شموع
طائروں نے آشیانوں میں کیے نغمے شروع
اور نہیں آنکھوں کو اب تک خوابِ غفلت سے رجوع

روئے رحمت برمتاب اے کام جاں از روئے من
حرمتِ روئے پیمبر یک نظر کن سوئے من

ڈر درندوں کا، اندھیری رات، صحرا ہول ناک
راہ نامعلوم، رعشہ پاؤں میں، لاکھوں مناک
دیکھ کر ابرِ سیہ کو دل ہوا جاتا ہے چاک
آیئے امداد کو ورنہ میں ہوتا ہوں ہلاک

روئے رحمت برمتاب اے کام جاں از روئے من
حرمتِ روئے پیمبر یک نظر کن سوئے من

"ذوقِ نعت" کا دوسرا حصہ "وسائلِ بخشش" بھی کافی دل کش ہے، جو محاسنِ شعری سے بھرا پڑا ہے، مگر ہمارا مقصد مولانا کی نعتوں پر ایک نظر ڈالنا ہے۔ اس لیے اس خواہش کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اب تک مولانا کے کافی نعتیہ اشعار پیش کیے جا چکے ہیں، لیکن ایک نعت کے دو شعر سے زیادہ کہیں نہیں نقل ہوئے۔ اس وجہ سے مولانا کی نعتوں کا مکمل ادراک نہیں ہو سکتا۔ دوسرے ایک نعت میں ایک دو شعر کا بہت اچھا ہو جانا اُس کی خوبی کی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے اُن کے رنگِ شاعری کو اور زیادہ واضح کرنے کے لیے کچھ نعتوں کے چھ چھ، سات سات اشعار نقل کیے جاتے ہیں اگرچہ یہ طوالت کا باعث ہوگا، مگر قارئین محظوظ ہوں گے ضرور۔

نعت۔۱

معطیِ مطلب تمہارا ہر اشارہ ہوگیا
جب اشارہ ہوگیا مطلب ہمارا ہوگیا

اللہ اللہ محوِ روئے حسنِ جاناں کے نصیب
بند کرلیں جس گھڑی آنکھیں نظارہ ہوگیا

یوں تو سب پیدا ہوئے ہیں آپ ہی کے واسطے
قسمت اُس کی ہے جسے کہہ دو ہمارا ہوگیا

تیری طلعت سے زمیں کے ذرّے مہ پارے بنے
تیری ہیبت سے فلک کا مہ دو پارہ ہوگیا

تو ہی نے تو مصر میں یوسف کو یوسف کردیا
تو ہی تو یعقوب کی آنکھوں کا تارا ہوگیا

ہم بھکاری کیا، ہماری بھیک کس گنتی میں ہے
تیرے در سے بادشاہوں کا گزارا ہوگیا

نعت۔۲

ہو اگر مدحِ کفِ پا سے منور کاغذ
عارضِ حور کی زینت ہو سراسر کاغذ

صفتِ خارِ مدینہ بھی کروں گل کاری
دفترِ گل کا عنادل سے منگا کر کاغذ

عارضِ پاک کی تعریف ہو جس پرچے پر
سو سیہ نامے اُجالے وہ منور کاغذ

شامِ طیبہ کی تجلی کا کچھ احوال لکھوں
دے بیاضِ سحر اک ایسا منور کاغذ

یادِ محبوب میں کاغذ سے تو دل کم نہ رہے
کہ جدا نقش سے ہوتا نہیں دم بھر کاغذ

ورقِ مہر اُسے خطِ غلامی لکھ دے
جو ہو وصفِ رُخِ پُرنور سے انور کاغذ

نعت۔۳

سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

سرگزشتِ غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کس کے در پر جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر

خلد کیسا! نفسِ سرکش! جاؤں گا طیبہ کو میں
بدچلن! ہٹ کر کھڑا ہو! مجھ سے، رستہ چھوڑ کر
ایسے جلوے پر کروں میں لاکھ حوروں کو نثار
کیا غرض! کیوں جاؤں جنت کو! مدینہ چھوڑ کر
بخشوانا مجھ سے عاصی کا روا ہوگا کسے
کس کے دامن میں چھپوں! دامن تمہارا چھوڑ کر
حشر میں ایک ایک کا منہ تکتے پھرتے ہیں عدو
آفتوں میں پھنس گئے، اُن کا سہارا چھوڑ کر
مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

نعت۔ ۴

کون کہتا ہے کہ زینت خلد کی اچھی نہیں
لیکن اے دل! فرقت کوئے نبی اچھی نہیں
تیرہ دل کو جلوۂ ماہِ عرب درکار ہے
چودھویں کے چاند تیری چاندنی اچھی نہیں
اُس گلی سے دور رہ کر کیا مریں ہم کیا جئیں
آہ ایسی موت ایسی زندگی اچھی نہیں
اُن کے در کی بھیک چھوڑیں سروری کے واسطے
اُن کے در کی بھیک اچھی سروری اچھی نہیں
خاک اُن کے آستانے کی منگا دے چارہ گر!
فکر کیا حالت اگر بیمار کی اچھی نہیں
اُن کے در پر موت آجائے تو جی جاؤں حسنؔ
اُن کے در سے دور رہ کر زندگی اچھی نہیں

نعت۔ ۵

نہ کیوں آرائشیں کرتا خدا دنیا کے ساماں میں
تمہیں دولہا بنا کر بھیجنا تھا بزمِ امکاں میں
تمہارا کلمہ پڑھتا اُٹھے تم پہ صدقے ہونے کو
جو پائے پاک سے ٹھوکر لگا دو جسمِ بے جاں میں
فدائے خارہائے دشتِ طیبہ پھول جنت کے
یہ وہ کانٹے ہیں جن کو خود جگہ دیں گل رگِ جاں میں
ہر اک کی آرزو ہے پہلے مجھ کو ذبح فرمائیں
تماشا کر رہے ہیں مرنے والے عیدِ قرباں میں
کیا پروانوں کو بلبل نرالی شمع لائے تم
گرے پڑتے تھے جو آتش پہ وہ پہنچے گلستاں میں
اگر دودِ چراغِ بزمِ شہ چھو جائے کاجل سے
شبِ قدرِ تجلی کا ہو سرمہ چشمِ خوباں میں
یہاں کے سنگ ریزوں کو حسنؔ کیا لعل سے نسبت
یہ اُن کی رہ گزر میں ہیں وہ پتھر ہیں بدخشاں میں

میرا خیال ہے کہ مولانا کے اس قدر کلام کی روشنی میں اُن کے رنگِ شاعری اور قادرُ الکلامی کا کچھ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے، تاہم اُن کی نعت گوئی کا مکمل ادراک ''ذوقِ نعت'' کے مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔

حوالہ جات

[۱] شمسی تاریخیں ازروئے حساب ہیں۔ ان میں ایک دن کی غلطی کا خفیف امکان ہے۔ (راقم الحروف)

[۲] اس طرح میں فاضل بریلوی نے حضرت غوثِ اعظم کی شان میں تین منقبتیں لکھیں اور حسن میاں نے ایک۔ مطلع درج ہیں:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچوں اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
(فاضل بریلوی)

فکر اسفل ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا
وصف کیا خاک لکھے، خاک کا پتلا تیرا (حسن)

[۳] ایسی ہی بے اعتنائی حضرت داغؔ کے شاگرد منشی فضل رب باغ سنبھلی کے ساتھ بھی روا رکھی گئی اور اس کا بھی اغلب سبب یہی ہے کہ اُن کا دیوان بغیر طبع کے ہی ناپید ہوگیا۔

(بشکریہ مجلّہ ''نعت رنگ''، شمارہ ۱۸)

............☆☆☆............

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی برتری و بے مثالی

رشحاتِ قلم: ضیغمِ اہلِ سنت رئیس التحریر مولانا محمد حسن علی رضوی بریلوی میلسی

زینتِ عنوان دین کا وہ عظیم المرتبت امام ہے جس کو دنیائے اسلام میں شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت مجدد دین وملت امام الہدیٰ عبد المصطفیٰ مولانا الشاہ الامام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے کیف وسرور بھرے پیارے القابات وآداب اور نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے جیسے حضور پُر نور سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز ایک ہزار سے زائد کتب کے عظیم مصنف ہیں۔ اسی طرح سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ وسیرتِ طیبہ، احوال وآثار پر ماشاء اللہ ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل چھپ چکے ہیں اور اردو، عربی، انگریزی، ہندی، سندھی زبانوں میں شائع ہو رہے ہیں۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ مریدین و تلامذہ اپنے شیوخ واساتذہ کی تعریف وتوصیف کرتے ہی اُن کے فضائل وکمالات بیان کرتے ہیں یہ بھی ایک سعادت مندی اور خوش نصیبی ہے لیکن سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ عظیم وجلیل شخصیت مقدسہ ہے جن کو ان کے اکابرین ومعاصرین اُن کے مشائخ طریقت پیران عظام سراہتے اور خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور ان کی جلالتِ علمی قوتِ روحانی فقہی بصیرت کی بلندی کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

زمانے بھر میں تمہارا ہی نام روشن ہے
رضا یہ نعت نبی نے بلندیاں بخشی

اور حقیقت یہ ہے۔

سب یہ صدقہ ہے عرب کے جگمگاتے چاند کا
نام روشن اے رضا جس نے تمہارا کر دیا

سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی برتری و بے مثالی کا پتہ تو یہیں سے چلتا ہے کہ حضور ممدوح کی جس قدر عظیم وجلیل تصانیف مبارکہ ہیں ہر کتاب کا نام عربی میں اور عربی کے ان الفاظ سے کتاب کے موضوع ومفہوم کا پتہ چلتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہر کتاب کے نام سے بحساب ابجد اس کا سنِ تالیف معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ضیاء القادری بدایونی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

سراپا علم وعرفاں ذات ہے احمد رضا خاں کی
اَبد مدت رہے گا تذکرہ ان کی جلالت کا

سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی انفرادیت، برتری و بے مثالی یہ کہ بلا مبالغہ وبلاشبہ روئے زمین پر آج ایسا کوئی دوسرا مصنف دکھائی نہیں کہ جس کی ہر کتاب کا عربی نام ہو اور نام سے اس کا مفہوم وموضوع واضح ہوتا ہو اور کتاب کے نام سے اس کے سنِ تالیف کا پتا چلتا ہو اور حساب ابجد تاریخ نکلتی ہو (سبحان اللہ) اور اس سے بڑھ کر یہ کہ امام اہل سنت مجدد دین وملت نے جن جن فرقہائے باطلہ وادیان فاسدہ مثلاً قادیانی مرزائی، روافض وخوارج، وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ وغیرہم کے ردو ابطال میں جتنی بھی علمی تحقیقی کتب تصنیف فرمائیں بجز حسام الحرمین کے کسی بھی کتاب کا کسی سے بھی کوئی جواب نہ بن پڑا اور آج تک بے بس وبجبور ہیں۔

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے یہ وار وار سے پار ہے

حسام الحرمین کا جو جواب برائے نام لولا لنگڑا صدر دیوبند حسین احمد ٹانڈوی نے اپنے گالی نامہ الشہاب الثاقب میں دیا اور مولوی خلیل انبیٹھوی نے اپنی پرفریب المہند میں دیا اپنا اصل دین دھرم چھپایا وہ محض ایک دھوکہ منڈی ہے، الشہاب الثاقب والمہند کا جواب فقیر راقم الحروف (محمد حسن علی رضوی) نے بھی دیا ہے اور ہمارے مسلم اکابر فاضل اجل علامہ محمد اجمل رضوی سنبھلی علیہ الرحمہ نے ردشہاب ثاقب کے نام سے اور شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خان صاحب نے ردالمہند کے نام سے دیا اور ایک جواب التحقیقات کے نام سے حضرت صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمہ نے ارقام فرمایا اور ان کی مکاریوں، فریب کاریوں کے برج الٹ دیے اور ثابت ہو گیا کہ فتاویٰ حسام الحرمین کل بھی لاجواب تھا اور آج بھی لاجواب ہے اور لاجواب رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ یہاں یہ بات بھی واضح کردوں کہ گستاخانہ کفریہ عبارات کے سب سے بڑے وکیل مولوی مسلم سنبھلی

فرقان نے مولوی ٹانڈوی گاندھوی کی الشہاب الثاقب اور مولوی
یٹھوی سہارنپوری کی المہند کا بوگس اور ناکارہ ہونا خود ثابت کر دیا
احظہ ہو سنبھلی مناظرِ وہابیہ نے ایک کتاب بنام "شیخ محمد بن عبد
لوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق" لکھ کر شائع کی جس میں واضح
ور پر غیر مبہم انداز میں صاف صاف تحریر کیا "مولانا (خلیل
یٹھوی) سہارنپوری کی رائے میں تبدیلی" (ص ۴۲) "حضرت
مولانا حسین احمد مدنی کا اپنی پہلی رائے سے رجوع" (ص ۷۹)۔

ان عنوانات کے تحت مولوی منظور سنبھلی نے بھرپور حوالہ جات اور
واضح شواہد سے ثابت کیا ہے کہ ٹانڈوی صاحب نے الشہاب الثاقب
میں اور انبیٹھوی سہارنپوری نے المہند میں جو کچھ لکھا وہ غلط فہمی کی بنا پر
لکھا اور ان دونوں حضرات نے الشہاب والمہند کے لاعلمی و بے خبری پر
مبنی مندرجات سے رجوع کر لیا تھا ایسا ہی کچھ انجمن ارشاد المسلمین کی
طرف سے شائع شدہ الشہاب الثاقب کے جدید ایڈیشن کے دیباچہ
میں لکھا ہے کہ ٹانڈوی صاحب کے ایک شاگرد نے الشہاب الثاقب
اپنی مرضی سے وہابیہ نجدیہ کے خلاف لکھ دیا تھا، ان واضح حقائق و
شواہد سے ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں کتابیں خود اپنے مصنفین اور مولوی
منظور احمد سنبھلی کے نزدیک کالعدم و ناقابل استدلال وقطعاً غیر معتبر
ہیں، ان دونوں کتابوں کو بزعم خود حسام الحرمین کا جواب اور رد قرار دینا
عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے زیادہ تعجب اور حیرت اُن دیوبندی
ناشران کتب پر ہے جو بدھو بن کر ان کتابوں کو بار بار شائع کر رہے ہیں۔

تمہاری تحقیق خود اپنے ہاتھوں سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

سیدنا اعلیٰ حضرت کی حقانیت وصداقت، برتری و بے مثالی کی ایک
واضح اور روشن دلیل یہ بھی ہے کہ جن جن فرقہائے باطلہ کا رد وابطال فرما کر
دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی فرمایا اور مذہب حق مذہب مہذب اہل سنت کو
نکھار کر پیش کیا آپ کے عقائد و اعمال پر آج تک آپ کے کسی بھی
مدمقابل نے کسی بھی قسم کا کفر وارتداد کا فتویٰ نہیں لگایا پچاسوں حوالہ جات
اس پر نقد بہ نقد موجود ہیں بالخصوص صف اوّل کے اکابر دیوبند مولوی رشید
احمد گنگوہی دیوبندی، مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی، مولوی خلیل
انبیٹھوی، مولوی انور کاشمیری دیوبندی، مولوی محمود الحسن اور دیوبندی
مناظرین میں مولوی منظور سنبھلی، مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی چاند پوری،
مولوی ابو الوفاء شاہجہانپوری، مولوی عبد الشکور کاکوروی، مولوی نور محمد
ٹانڈوی، مولوی سلطان حسن سنبھلی وغیرہم میں سے کسی نے بھی سیدنا مجدد
اعظم سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر کسی بھی قسم کے کفر وارتداد کا فتویٰ لگانے
کی جرأت نہ کی بلکہ آپ کو مومن مسلمان اہل ایمان واسلام جانا مانا آپ کی
اقتداء میں جواز نماز کا قول کیا اور آپ کے ایمان واسلام کی شہادت دی۔
اس کے ثبوت میں پچاسوں مستند حوالے فقیر کی کتاب "امام اہل سنت
مخالفین اہل سنت کی نظر میں" قہر خداوندی، ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف کے
شماروں میں موجود ہیں چند نئے حوالے نذر قارئین ہیں جو سرکار اعلیٰ
حضرت کی حقانیت وصداقت برتری وعظمت پر روشن دلیل ہیں۔

فتویٔ تکفیر حق اور دعائے مغفرت:

فیصل آباد سابق لائل پور کا دیوبندی وہابی ماہنامہ رقمطراز ہے:

"حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سابق مفتی اعظم دیوبند نے مولانا (اشرفعلی) تھانوی کا نہایت دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب مولانا اشرف علی تھانوی کو حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے بے ساختہ اُن کے لئے دعائے مغفرت فرمائی کسی نے عرض کیا حضرت! مولانا احمد رضا خان تو آپ کو کافر کہتے تھے آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں فرمایا مولانا (احمد رضا خان) مجھے اس لئے کافر کہتے تھے کہ میں اُن کے نزدیک گستاخ رسول تھا اگر وہ یہ سمجھنے کے بعد بھی مجھے کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے۔" (دیوبندی ماہنامہ زاد راہ بابت ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ اپریل ۲۰۰۷ ص ۳۳)

☆ سابق ریاست بہاولپور (پاکستان) میں ایک مسلمان عورت کا شوہر مرزائی (قادیانی) ہو گیا تھا اس پر عورت نے عدالت میں شوہر کے ارتداد کی وجہ سے فسخ نکاح کی درخواست دی مقدمہ دائر ہوا اس میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب سابق صدر مدرس وشیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی شہادت (گواہی) کے دوران مرزائی وکیل نے فتویٔ تکفیر کو بے اصل ثابت کرنے کے لیے کہا، دیوبندی بریلویوں کو اور بریلوی دیوبندیوں کو کافر کہتے ہیں اس پر حضرت انور شاہ صاحب نے فوراً عدالت کو مخاطب

کر کے فرمایا: میں بطورِ وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گزارش کرتا ہوں کہ حضرات (علماء) دیوبند بریلوی حضرات کی تکفیر نہیں کرتے"۔ (کتاب حیات انور ص ۳۳۳ و اخبار نوائے وقت لاہور ۸ رجنوری ۱۹۷۶ء وقت کی پکار از مولوی بہاء الحق قاسمی دیوبندی امرتسری)

☆ یہی مولوی بہاء الحق قاسمی دیوبندی امرتسری لکھتے ہیں "حضرت (اشرف علی) تھانوی فرمایا کرتے تھے اگر مجھ کو مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع مل جاتا تو میں (نماز) پڑھ لیتا۔" (اسوۂ اکابر ص ۱۵)

☆ مولوی عزیز الرحمٰن مفتیِ اعظم مدرسۂ دیوبند سے یہ سوال ہوا۔ سوال نمبر ۱۸۷۔ احمد رضا خان بریلوی کے معتقد سے کسی اہلسنت حنفی کو اپنی لڑکی کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نکاح تو ہو جائے گا آخر وہ (سنی بریلوی امام احمد رضا کے معتقد) بھی مسلمان ہے اگر چہ مبتدعی ہے۔" (فتاویٰ دار العلوم دیوبند مصدقہ قاری محمد طیب مہتمم مدرسۂ دیوبند)

☆ مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں: "ہم ان بریلویوں کو کافر نہیں کہتے جو ہم کو کافر بتلاتے ہیں"۔ (الشہاب جمیعت العلماء اسلام کلکتہ)

☆ مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور مولوی حشمت علی وغیرہ کو کافر نہ کہا جائے۔" (فتاویٰ دار العلوم دیوبند امداد المفتین جلد ۷۔ ص ۱۹۲ مفتی محمد شفیع دیوبندی و مولوی فردوس علی قصوری دیوبندی کتاب الصلوٰۃ والسلام ص ۶)

☆ جدید وکیل و ترجمان دیوبندیت پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود مانچسٹروی لکھتا ہے، "مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے جب علماء دیوبند کو کافر کہا تو علماء دیوبند نے خان صاحب کو جواباً کافر نہ کہا جب اُن سے کہا گیا کہ آپ انہیں کافر کیوں نہیں کہتے تو انہوں نے کہا کہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے الزامات میں ہم پر جھوٹ باندھا ہے جھوٹ اور بہتان باندھنا گناہ اور فسق ہے لیکن کفر ہرگز نہیں لہٰذا ہم اس کو کافر نہیں کہتے"۔ (کتاب مطالعۂ بریلویت جلد اول ص ۲۷۸)

☆ مولوی اشرف علی تھانوی کے استفسار پر مولوی منظور سنبھلی دیوبندی نے کھلے دل سے اعتراف کیا اور میں ان (مولانا احمد رضا خاں) کی کتابیں دیکھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ بے علم نہیں تھے بڑے ذی علم تھے۔ کم فہم اور غبی بھی نہ تھے بڑے ذہین تھے...... (بریلوی فتنہ کا نیا روپ صفحہ ۱۰ مصنفہ مولوی محمد عارف سنبھلی ندوۃ العلماء لکھنؤ)

☆ مناظر وہابیہ پیشوائے غیر مقلدین مولوی ثناء اللہ امرتسری آج سے ساٹھ سال پہلے لکھتے ہیں "آج سے اسی (۸۰) سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی کہا جاتا ہے۔" (شمع توحید، ص ۴۰، مطبوعہ سرگودھا)

☆ بریلویوں کا ذبیحہ حلال ہے کیوں وہ اہل قبلہ مسلمان ہیں۔" (رسالہ اہلحدیث لائلپور ۵۹/۱۱/۲۰)۔

☆ خواجہ حسن نظامی سے سجدۂ تعظیمی، قوالی، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے باب میں سیدنا اعلیٰ حضرت، حضور محدث اعظم پاکستان قدس سرہما نے ان کا رد بھی کیا لیکن وہ سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے متعلق کھل کر اعتراف کرتے ہیں۔" بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب جن کو اُن کے معتقد مجدد دمأتہ حاضرہ کہتے ہیں درحقیقت صوفیہ کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکے کی کتابیں لکھی ہیں جو سال ہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر و تقریر تھیں اور جن کے جوابات گروہ صوفیاء کی طرف سے کافی شافی نہیں دیئے گئے تھے اُن کی تصنیفات و تالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے...... اُن کے مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسماعیل شہید (للنّئی نجد) اور ان کے حواریوں (دیوبندی وہابی غیر مقلد وہابی مولویوں) کی دل آزار (گستاخانہ) کتابیں نہیں پڑھیں...... ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیاء علمی حیثیت سے مولانا (احمد رضا خاں) کو اپنا بہادر صف شکن، سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔" (ملخصاً) (خواجہ حسن نظامی دہلوی ہفت روزہ خطیب دہلی ۲۲ / مارچ ۱۹۱۵ء) یاد رہے کہ ان نظامی صاحب کو مولوی رشید احمد گنگوہی سے بھی تلمذ حاصل تھا۔ یاد رہے کہ الافاضات الیومیہ، قصص الاکابر، اشد العذاب، کتاب مولانا محمد احسن نانوتوی اور اشرف السوانح کے مشہور حوالے ان کے سوا ہیں جن میں سیدنا الامام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو مسلمان مانا ہے۔

امام احمد رضا اور باب الاسلام سندھ

تحریر: پروفیسر محمد انور خان

محدث یگانہ الشیخ محمد عابد محدث مدنی سندھی قدس سرہ (مصنف طوالع الانوار وغیرہا کتب) کے تلمیذ رشید امام کعبی الشیخ حسین بن صالح جمیل اللیل کی رحمۃ اللہ علیہ سے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۹۵ھ، ۱۸۷۸ء میں اجازت حدیث حاصل کی اور محدث سندھی نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضور غوث عالم خواجہ محمد زمان ثانی نقشبندی (م ۱۲۴۷ھ) قدس سرہ آستانہ عالیہ لواری شریف (ضلع بدین، سندھ) کے تیسرے سجادہ نشین سے بیعت تھے۔

الشیخ ہدایت اللہ بن محمد سعید سندھی مہاجر مدنی قدس سرہ نے ۱۴ ربیع الاول شریف (۱۳۳۰ھ، ۱۹۱۲ء) کو امام احمد رضا بریلوی کو چودہویں صدی کا مجدد قرار دیا۔ سندھ کے مشہور شاعر و ادیب جناب سرشار عقیلی ٹھٹھوی مرحوم نے امام احمد رضا کے وصال پر اپنے ایک مقالے میں خراج عقیدت پیش کیا یہ مقالہ ستمبر ۱۹۲۲ء کو شائع ہوا۔ سندھ کے مشہور ''درس خاندان'' کے ممتاز عالم دین مولانا عبد الکریم درس (مدرسہ درسیہ، کراچی) سے امام احمد رضا کے خصوصی تعلقات تھے اسی تعلق خاطر کی وجہ سے امام احمد رضا بریلوی کراچی سندھ تشریف لائے۔ سندھ کے درج ذیل ممتاز علماء اہلسنت نے اعلیٰ حضرت سے بالواسطہ فیض حاصل کیا اور آج کے نوجوان علمائے اہلسنت انہیں حضرات سے شرف تلمذ رکھتے ہیں جو کہ آج مدارس و مساجد کی زینت ہیں۔ استاذ العلماء مولانا الحاج مفتی محمد صالح نعیمی مرحوم (بانی و مہتمم دار العلوم نعیمیہ لاڑکانہ، سندھ) استاذ العلماء مفتی عبد الرحمٰن ٹھٹھوی (بانی و مہتمم دار العلوم عثمانیہ مجددیہ، ٹھٹھہ)

استاذ العلماء مفتی محمد عبد اللہ نعیمی مرحوم (مہتمم اول دار العلوم مجددیہ نعیمیہ ملیر، کراچی)، استاذ العلماء مفتی محمد رحیم سکندری (مہتمم دار العلوم راشدیہ پیر جو گوٹھ)، استاذ العلماء مناظر اسلام مفتی عبد الرحیم سکندری (بانی و مہتمم دار العلوم صبغۃ الھدیٰ، شاہ پور چاکر ضلع سانگھڑ)، استاذ العلماء مولانا مفتی عبد الکریم سکندری (صوبائی خطیب اوقاف، میر پور خاص سندھ)، استاذ العلماء مولانا مفتی محمد حسین قادری (بانی و مہتمم جامعہ غوثیہ رضویہ سکھر) خطیب اعظم سندھ سحر بیاں مولانا قاضی دوست محمد صدیقی مرحوم المعروف مولانا بلبل سندھ لاڑکانہ استاذ العلماء مولانا مفتی الھہ ڈنہ جمارانی (مدرس مدرسہ جیلانیہ لاڑکانہ)، استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ (آریجونی بانی و مہتمم جامعہ حسنیہ رضویہ آریجہ ضلع لاڑکانہ)، استاذ العلماء مولانا عزیز اللہ الحبوی مرحوم (بانی جامعہ رضویہ مخزن البرکات لاڑکانہ)، استاذ العلماء مولانا قاری مفتی عبد الرحمٰن قاسمی (مدرس مدرسہ چراغ الاسلام گوٹھ بوبک تحصیل سہون شریف ضلع دادو)، استاذ العلماء مفتی خان محمد قادری (مہتمم مدرسہ سردار العلوم اہلسنت جامع مسجد نوری باندھی ضلع نوابشاہ)، استاذ العلماء صوفی رضا محمد قادری (شیخ الفقہ دار العلوم احسن البرکات حیدرآباد)، استاذ العلماء مولانا نصر اللہ قادری (بانی و مہتمم دار العلوم غوثیہ رضویہ درگاہ شریف حضرت عبد اللطیف شکار پور)، مولانا صاحبزادہ عبد الوحید جان سرہندی (مدرس مدرسہ دار الارشاد درگاہ مجددیہ سرہندیہ ٹنڈو سائیں داد، ضلع حیدرآباد) مولانا پیر محمد طاہر بخشی غفاری (مہتمم دار العلوم غفاریہ درگاہ اللہ آباد ضلع نوشہرو فیروز)، مولانا پیر محمد غفاری (بانی درگاہ نور پور شریف ڈاک خانہ کمال ڈیرہ تحصیل کمبٹ ضلع خیر پور میرس)، استاذ العلماء مولانا محمد شریف سرکی (بانی و مہتمم مدرسہ بحر العلوم حمیدیہ رضویہ ٹھل ضلع جیکب آباد)، مولانا نور محمد سکندر مولانا بخش

سکندر (ڈہرکی)، صوفی غلام حسین سکندری (سکرنڈ)، مندرجہ بالا علماء و پیر صاحبان رضوی فیض سے کس طرح مستفیض ہوئے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مفتی محمد صالح نعیمی:

مفتی محمد صالح نعیمی نے دورہ حدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد (انڈیا) میں صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ سے پڑھا جو کہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ارشد تھے اور اعلیٰ حضرت کی عظیم علمی کاوش کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے حاشیہ پر مختصر مگر جامع تفسیر خزائن العرفان نہایت عقیدت سے رقم کی تھی جس کا سندھی ترجمہ جامعہ راشدیہ کے شیخ الحدیث مفتی محمد رحیم سکندری نے کیا جو لاہور سے شائع ہوا۔

مفتی محمد عبداللہ نعیمی:

مفتی محمد عبداللہ نعیمی تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کراچی کے خاص شاگرد تھے جو کہ صدر الافاضل کے معتقد خاص اور تربیت یافتہ شاگرد تھے۔

مفتی عبدالرحمٰن ٹھٹھوی:

مفتی عبدالرحمٰن ٹھٹھوی شیخ القرآن مولانا مفتی محمد فیض احمد اویسی (بہاولپور) کے شاگرد ہیں جبکہ اویسی صاحب محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ (بانی جامعہ رضویہ منظر الاسلام گلستان محدث اعظم فیصل آباد) کے خاص شاگرد ہیں اور محدث اعظم اعلیٰ حضرت کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا بریلوی اور اعلیٰ حضرت کے شاگرد و خلیفہ صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت) کے شاگرد رشید تھے اور حجۃ الاسلام نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا تھا۔

علماء سکندریہ:

جامعہ راشدیہ کے فاضل تقریباً تین سو علماء سکندریہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے نواسہ و تلمیذ اور اعلیٰ حضرت کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام کے داماد و شاگرد و خلیفہ، یادگار سلف، افتخار خلف، شیخ الحدیث علامہ تقدس علی خان رضوی رحمۃ اللہ علیہ (سابقہ شیخ الجامعہ، جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ، خیرپور میرس سندھ) کے تربیت یافتہ شاگرد ہیں۔ ان میں سے چند مشہور علماء کے نام درج ذیل ہیں۔

مفتی در محمد سکندر (سانگھڑ)، مفتی احمد صدیق سکندر (عمر کوٹ)، مفتی غلام قادر سکندر (کراچی)، مولانا کریم ڈنو سکندر (گمبٹ)، مولانا قربان علی سکندر (پنو عاقل)، مولانا عبدالجلیل سکندر (کاتھو)، مولانا مولا بخش سکندری (کراچی)، مولانا غلام حیات قادری (کراچی)، مولانا محمد قاسم مصطفائی (میرپور ماتھیلو)، مولانا علی شیر سکندر، مولانا عبداللطیف سکندری، مولانا ارباب علی سکندر، مفتی نذیر احمد سکندر (رحیم یار خان)، مولانا عبد الرزاق سکندری (شہداد پور) وغیرہ۔

مفتی محمد حسین قادری:

مفتی محمد حسین قادری، محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب فیصل آبادی کے شاگرد ہیں۔

مولانا بلبل سندھ:

مولانا بلبل سندھ نے دار العلوم رضویہ منظر الاسلام رضا نگر بریلی شریف (انڈیا) میں داخلہ لیا اور یادگار سلف علامہ تقدس علی رضوی کی شفقتوں میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔

مفتی الہ ڈنہ جمارانی:

مولانا مفتی اعظم سندھ مولانا مفتی محمد صالح کے شاگرد اکمل ہیں۔ مولانا ہدایت اللہ آریجوی مفتی اعظم سندھ اور محدث اعظم پاکستان فیصل آبادی کے عظیم شاگرد ہیں۔

مولانا عزیز اللہ الحبوی:

آپ محدث اعظم کے تلمیذ رشید، عاشق اعلیٰ حضرت رئیس التحریر مولانا عبدالحکیم شرف قادری (لاہور) اور مفتی اعظم سندھ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔

مفتی عبدالرحمٰن قاسمی:

آپ نے شیخ القرآن علامہ فیض احمد اویسی سے دورہ تفسیر القرآن اور خلیل العلماء مولانا مفتی محمد خلیل خان برکاتی (بانی و مہتمم اول دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد) کے ہاں دورہ حدیث پڑھا جو کہ صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے۔

مفتی خان محمد رحمانی و دیگر اساتذہ کے علاوہ محدث اعظم پاکستان فیصل آبادی سے بھی شرف تلمذ رکھتے ہیں۔

صوفی رضا محمد عباسی قادری:

آپ مفتی اعظم سندھ مولانا محمد صالح نعیمی کے شاگرد ہیں۔

مولانا نصر اللہ قادری:

آپ مفتی اعظم سکھر مولانا محمد حسین قادری کے شاگرد ہیں۔

صاحبزادہ عبدالوحید جان سرہندی:

آپ درگاہ مجددیہ سرہندیہ ٹنڈو سائیں داد ضلع حیدرآباد سندھ کے سجادہ نشین پیر عبدالحمید جان فاروقی کے صاحبزادے ہیں۔ آج کل بیان الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن لکھنے میں مصروف ہیں۔ اس وقت پانچ پارے کا ترجمہ منظر عام پر آچکا ہے۔ بیان الرحمٰن کی ابتداء میں درج ہے کہ مولانا عبدالوحید فاروقی نے دورہ تفسیر القرآن، شیخ القرآن علامہ فیض احمد اویسی سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی (بیان الرحمٰن ص ۱۴، مطبوعہ حیدرآباد)

پیر محمد طاہر بخشی عباسی:

تحفۃ الطاہرین (مطبوعہ اللہ آباد کنڈیارو) میں رقم ہے کہ طاہر صاحب نے دارالعلوم غفاریہ اللہ آباد میں مولانا رضا محمد اور جامعہ مجددیہ رکن الاسلام حیدرآباد میں استاذ القراء قاری محمد طفیل جماعتی اور المرکز القادری کراچی میں پروفیسر مولانا منتخب الحق قادری بہاری کے زیر سایہ تعلیم حاصل کی ہے اور کتاب مذکور کے ص ۳۳ پر رقم ہے کہ مولانا عطا محمد بندیالوی کے شاگرد ہیں (تحفۃ الطاہرین ص ۲۲، ص ۳۶، ص ۲۷، ص ۴۰)۔ استاذ الاساتذہ قدس سرہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''حضرت بریلوی قدس سرہ نے ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ارقام فرمائیں۔ جس مسئلے پر قلم اٹھایا الم نشرح کر کے چھوڑا۔ ان تصانیف کا سرتاج، اردو ترجمہ قرآن پاک کنزالایمان ہے جس کی نظیر نہیں ہے اور ترجمہ کا مرتبہ اسی کو معلوم ہوتا ہے جس کی اعلیٰ درجہ کی تفاسیر پر نظر ہے۔ اس ترجمہ مبارک میں مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے اور جن مشکلات اور ان کے حل مفسرین نے کئی صفحات میں جا کر بمشکل تحریر فرمائے اس محسن اہلسنّت نے ترجمہ کے چند الفاظ میں کھول کر رکھ دیا (مجلہ امام احمد رضا کانفرنس، ۱۹۹۱ء ص ۴۶ مطبوعہ کراچی) اور علامہ کے استاد کا اسم گرامی فقیر عصر علامہ یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ (بانی جامعہ امدادیہ مظہریہ بندیال شریف ضلع خوشاب) ہے جن کا اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مجدد دین و ملت مولانا الشاہ احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے عشاق میں شمار ہوتا ہے۔ اندرون سندھ علامہ عطا محمد بندیالوی کے دو اور بھی نامور شاگرد مصروف درس و تدریس ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم قادری شیخ الحدیث جامعہ انوار المصطفیٰ سکھر، دوسرے مولانا غلام مصطفیٰ قادری کچل شیخ الحدیث جامعہ قادریہ نقشبندیہ درگاہ ہمایوں شریف ضلع شکارپور سندھ۔

مولوی پیر نور محمد غفاری:

آپ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد صالح نعیمی سابق نائب صدر اہلسنّت پاکستان کے شاگرد ہیں۔

مولانا محمد شریف سرکی:

علامہ مفتی عبدالرحمٰن قاسمی اور دارالعلوم امجدیہ (کراچی) کے علماء سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔ [۱] سندھی علماء کے اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے علمی اور فکری روابط اور علمائے سندھ پر اعلیٰ حضرت کی فقہی خدمات کے اثرات۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجددانہ، مجتہدانہ اور علمی و فقہی صلاحیتوں اور مقام کا شہرہ تمام عالم اسلام میں تھا۔ علماء اور اہل علم بھی اپنی علم کی پیاس بجھانے کے لئے آپ ہی کی جانب رجوع کرتے

ان اوراق میں پاکستان کے صوبے سندھ سے تعلق رکھنے والے صرف ان علماء و مشائخ کا تذکرہ شامل کیا گیا ہے جنہوں نے استفتاء بھیج کر یا بالمشافہ ملاقات کر کے دینی، دنیاوی، سیاسی، معاشرتی مسائل میں آپ سے استفادہ کیا۔ ان علماء و مشائخ کا تعلق سندھ کے مختلف علاقوں مثلاً کراچی، سکھر، ڈھرکی، بھرچونڈی، ٹنڈو، شکار پور، گڑھی اختیار خاں، حیدرآباد سندھ وغیرہ سے تھا۔ چند معروف علماء کرام کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ علامہ عبدالکریم درس بانی مدرسہ درسیہ (صدر کراچی)
۲۔ علامہ الشاہ غلام رسول قادری بانی خانقاہ قادریہ (سولجر بازار کراچی)
۳۔ علامہ حافظ عبداللہ عبداللہ قادری خانقاہ قادریہ بھرچونڈی شریف
۴۔ علامہ سید سردار احمد شاہ قادری گڑھی اختیار خاں
۵۔ شیخ ہدایت اللہ السندی الحیدر آبادی
۶۔ مولانا نور محمد السندی الحیدر آبادی
۷۔ مولوی خدا بخش ڈھرکی، سکھر
۸۔ مولانا محمد حسن علی ہاشمی، شکار پور
۹۔ پیر سید ابراہیم قادری بغدادی، کراچی
۱۰۔ مولانا احمد صدیق نقشبندی، کراچی
۱۱۔ مولانا عبدالرحیم بیگ، کراچی
۱۲۔ مولانا عبدالرحمٰن مکرانی، کراچی
۱۳۔ مولانا سید کریم شاہ، کراچی۔ [۲]

علامہ عبدالکریم درس رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت علامہ عبدالکریم درس ابن شیخ التفسیر علامہ عبداللہ درس ابن مولانا خیر محمد درس ابن مولانا عبدالرحیم درس شہر کراچی میں ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی، جنہوں نے ۱۱۳ برس کی زندگی پائی اور عمر کے آخری حصہ میں فارسی زبان میں مکمل تفسیر تصنیف فرمائی جس کا نسخہ مدرسہ درسیہ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اپنے والد ماجد سے تمام مروجہ علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے پہلے ایران اور پھر جامعۃ الازہر قاہرہ تشریف لے گئے جہاں انہوں نے مصری، یمنی اور عراقی علماء سے استفادہ کیا۔ آپ نے سند حدیث شیخ حسین بن محسن الخزرجی سے حاصل کی آپ کی یہ سند و اجازت حدیث کتب خانہ درسیہ میں محفوظ ہے۔ آپ کو سلسلہ قادریہ میں نقیب الاشراف السید آغا عبد السلام الگیلانی (م ۱۳۴۰) سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل ہے۔ عالم اسلام کے جید علماء کرام سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ خصوصاً امام احمد رضا خان محدث بریلوی، مولانا ہدایت رسول، شاہ عبد العلیم صدیقی مدنی، ابو الحسنات قادری (صاحب تفسیر الحسنات)، مولانا ابو البرکات سید دیدار علی شاہ الوری، مولانا یوسف محمد شریف کوٹلوی، پیر سید جماعت علی شاہ، پیر سید تراب علی شاہ وغیرہ وغیرہ۔

آپ نے ۱۸۷۲ء میں مدرسہ درسیہ کی کراچی کے علاقے صدر میں باقاعدہ بنیاد ڈالی۔ یہاں سے فارغ ہونے والوں میں مولانا مفتی محمد حسین ٹھٹوی (جد امجد مولانا ڈاکٹر حافظ عبدالباری صدیقی)، مولانا عبد الرحمٰن بلوچ خضدار بلوچستان، مولانا حافظ غلام رسول قادری، مولانا مفتی محمد صدیق مکران اور مولانا حافظ خدا بخش بلوچ قابل ذکر ہیں۔ آپ نے طرابلس، بلقان اور ترکی کے جنگ سے متاثرین کے لئے ۱۹۱۳ء میں قاضی عبد العزیز، پیر محمد فاروق سرہند اور عبداللہ ہارون کے ساتھ مل کر خطیر مالی امداد بہم پہنچائی۔ تحریک پاکستان میں بھی انگریزوں کے خلاف بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ آپ کا ۱۳۴۴ء میں انتقال ہوا۔ آپ کے صاحبزادے ظہور الحسن درس نے تحریک پاکستان کے حوالے سے کافی شہرت پائی جن کا وصال کراچی میں ۱۹۷۳ء میں ہوا۔ [۳]

شہر کراچی کے ممتاز عالم دین اور سلسلہ درسیہ قادریہ کے جلیل القدر شیخ طریقت، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالکریم درس علیہ الرحمۃ کے اعلیٰ حضرت سے گہرے مراسم تھے۔ اس بات کا زیادہ علم نہیں کہ یہ مراسم کب سے تھے غالباً ۱۹۰۶ء کے بعد مراسم قائم

ہوئے ہوں گے جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ ۱۹۰۶ء میں دوسرے حج سے واپسی پر کچھ دن شہر کراچی میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ اس واقعہ کا ذکر امام احمد رضا نے ملفوظات میں بھی کیا ہے۔[۴]

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سید محمد عارف رقمطراز ہیں:

"مولانا احمد رضا خان ۱۹۰۵ء میں دوسری بار حج سے واپس ہوئے تو کراچی میں سندھ کے مشہور عالم دین مولانا عبدالکریم درس (مدرسہ درسیہ کراچی) کے ہاں قیام فرمایا اور یہیں سے واپس بمبئی گئے۔ مولانا درس کا مولانا بریلوی سے قلمی اور قلبی رابطہ پہلے ہی سے تھا چنانچہ ان کے خاندانی کتب خانے میں اب بھی مولانا کے خطوط موجود ہیں۔[۵]

مولانا عبدالکریم درس، شہزادہ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۶۲ھ) کی دعوت پر اعلیٰ حضرت کے تیسرے عرس کے موقع پر ۱۹۲۴ء میں بریلی تشریف لے گئے مولانا حامد رضا نے اپنے خط میں آپ کو ان الفاظ سے یاد کیا۔

"آپ جیسے اساطین ملت اور مبلغین کے لئے شرکت از بس ضروری ہے۔"

مولانا درس کی لائبریری میں یہ خط اور اس وقت کا اشتہار جس میں مولانا درس کو خصوصی مہمان کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا آج بھی محفوظ ہے۔

مولانا عبدالکریم کا اس عرس شریف میں شرکت سے واپس کے بعد جلد ہی ۱۳۴۴ھ میں وصال ہو گیا۔ آپ کے وصال پر مولانا مفتی حامد رضا خان قادری بریلوی نے فارسی زبان میں ایک نظم کہی ہے جس میں تاریخی مادہ بھی نکالا، ملاحظہ کیجئے۔

درس عبد الکریم عبد کریم
کرو جان خودش بحق تسلیم
موت العالم المیہ العالم
ثلمہ دین احمد بے میم
روح الروح و سقاہ
زآب کوثر و جعفر و تسنیم
درس وعظ حمایت سنت
رد بدعات و طرفہ اہل جحیم
امر معروف نہی عن المنکر
کاراو بود در حیات کریم
درس دین نبی بگو حامد
ختم شد در کراچی تسلیم
.............۱۳۴۴ھ

مولانا شاہ حافظ غلام رسول القادری:

مولانا حافظ شمس الفقراء ابوالرجاء نقیب الاولیاء الشاہ غلام رسول القادری القلندری ۱۳۰۶ھ میں کراچی میں مسجد قصابان صدر سے ملحقہ مکان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حافظ علم الدین قادری (م ۱۳۲۵ھ) اس مسجد کے امام و خطیب تھے جس کی باقاعدہ بنیاد مولانا غلام رسول قادری کے نانا مولانا محمد بشیر القادری قریشی (م ۱۳۱۳ھ) نے رکھی اور اول خطیب مقرر ہوئے۔ مولانا حافظ علم الدین قادری نے یہاں قرآن و تجوید کا پہلا مدرسہ علمیہ قادریہ کے نام سے (۱۳۱۳ھ) میں قائم کیا جس میں متعدد قراء پیدا ہوئے اور آپ افضل القراء اور قدوۃ الحافظ کے القاب سے مشہور ہوئے آپ کے انتقال پر مولانا عبدالکریم درس نے ایک طویل نظم کہی جس کے آخری شعر میں تاریخ وفات بھی ہے۔

تھے وہ سید تھے تو ہے تاریخ بھی سیدھی ان کی
درس نام ان کا لو حافظ علم الدین صاحب
............۱۳۲۵ھ[۶]

شاہ غلام رسول القادری نے دینی تعلیم اپنے والد اور ماموں حضرت سائیں عبد الغنی القادری القلندری (م ۱۳۵۷ھ) سے حاصل کی۔ جو آپ کے خسر اور مرشد بھی تھے۔ کچھ عرصے مدرسہ درسیہ میں بھی تعلیم حاصل کی شاہ صاحب نے تعلیم کے بعد منازل طریقت کی

تکمیل اور اکتساب کے لئے پورے ہندوستان سمیت تمام بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا اور سینکڑوں جید علماء و مشائخ سے ملاقاتیں کیں جن میں امام اہلسنّت امام احمد رضا خان محدث بریلوی، شاہ عبدالحق الٰہ آبادی، شاہ عبداللطیف قادری المدنی اور مولانا ضیاء الدین قادری المدنی قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا ضیاء الدین قادری المدنی نے شاہ غلام رسول قادری کے لئے اپنے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن کو ہدایت فرمائی کہ جب بھی کراچی جائیں تو مولانا غلام رسول قادری سے ضرور ملاقات کریں۔ چنانچہ جب وہ کراچی آئے اور قادری مسجد سولجر بازار پہنچے جس کی بنیاد مولانا غلام رسول قادری نے ۱۹۲۱ء میں رکھی تھی تو ملاقات کے دوران فرمایا کہ

''مجھے میرے والد ماجد نے ہدایت فرمائی تھی جبکہ میں نہ صرف شرفِ ملاقات حاصل کروں بلکہ قدم بوسی کا شرف حاصل کروں کیونکہ میرے والد نے فرمایا کہ میں نے باطن کی نظر میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب قادری کو کراچی شہر میں ولایت کے مقام پر فرد وقت پایا ہے۔[۷]

شاہ غلام رسول قادری القلندری علیہ الرحمہ کے آباء و اجداد میں خاص کر والد ماجد حافظ شاہ علم الدین القادری بانی مدرسہ علیہ قادریہ، نانا محمد بشیر القادری القریشی بانی مسجد و مدرسہ قصابان صدر کراچی، ماموں سائیں عبدالغنی القادری القلندری خلیفہ حضرت گل حسن شاہ صاحب قادری (مؤلف تذکرہ غوثیہ) نے سرزمین کراچی میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے فروغ میں اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ شاہ غلام رسول القادری نے ۲۰ ویں صدی کے شروع سے لے کر ۱۹۷۰ء تک کراچی کے کونے کونے میں سلسلہ قادریہ پھیلا کر قادریت کی صحیح معنوں میں کراچی میں مضبوط بنیاد ڈالی اگر آپ کو سلسلہ قادریہ کراچی کا بانی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ کئی اور نام قادری سلسلے کے بزرگوں میں ملتے ہیں لیکن پاکستان آزاد ہونے سے قبل اس شہر کی آبادی چند لاکھ نفوس پر مشتمل تھی اس میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی لیکن آپ کی خانقاہی خدمت کے باعث بہت سے غیر مسلم بھی دولت ایمان سے فیضیاب ہوئے بلکہ اکثر قدیم باشندے قادری سلسلے میں آپ ہی سے بیعت ہیں۔ دیگر قادری بزرگوں کے نام تاریخ میں ضرور ملتے ہیں لیکن سلسلے کو فروغ اور وسعت آپ ہی کی ذات سے حاصل ہوا۔ اس کا اعتراف راقم نے پیر سید طاہر علاء الدین القادری البغدادی الگیلانی (م ۱۹۹۱ء) ابن نقیب الاشراف و متولی الاوقاف شیخ المشائخ سیدنا حضرت محمود حسام الدین قادری جیلانی کی زبانی حضرت شاہ غلام رسول القادری کے ایک عرس کے موقع پر سنا جس میں آپ نے فرمایا کہ ''بابا قادری سلسلہ کراچی میں حضرت سے پہچانا جاتا ہے یہ بہت بڑا ولی ہے غوث اعظم کا سچا عاشق ہے۔'' پیر صاحب عیدین کے موقع پر کراچی میں ہوتے تو نمازِ عید آپ کی خانقاہ میں ادا فرماتے۔

شاہ غلام رسول قادری نے اپنے آباؤ اجداد کے خانقاہی معاملات کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس کو فروغ بھی دیا اس سلسلے میں روزانہ بعد نمازِ عصر کا حلقہ شریف، جمعرات کا حلقہ، گیارہویں اور سترہویں کا حلقہ، تمام بڑی راتوں کی شب بیداری اور خصوصیت کے ساتھ محرم الحرام کی دس مجلسیں قابلِ ذکر ہیں، جس میں ہزاروں لوگ شریک ہوا کرتے۔ آج اس سلسلہ کی یہ خدمات سجادہ نشین صاحبزادہ فریدالدین قادری انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی اولاد میں صاحبزادہ علم الدین قادری ''۵'' (م ۱۹۸۶ء) اور صاحبزادہ بشیر الدین مخفی القادری (م ۱۹۶۴ء) نے کافی شہرت پائی دونوں صاحبزادگان صاحبِ تصنیف بزرگ گزرے ہیں حافظ غلام رسول قادری بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ اس خانقاہ کی تصوف کی بیشتر تعلیمات منظوم کلام کی صورت میں شائع شدہ موجود ہیں چنانچہ کلیاتِ قادری، قادری نامہ اول، دوم بیاضِ علمی، منظوم صورت میں تصوف کی تعلیمات کا بہترین خزانہ ہیں شاہ صاحب کی تصانیف کی تعداد تیس کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ اس میں بیشتر تصانیف منظوم کلام کی صورت میں ہیں آپ غلام تخلص استعمال کرتے تھے جو آپ کو بہت مرغوب تھا جس کا اظہار

اس طرح فرمایا۔

ہو چکا روز ازل سے یہ غلام قادری
عبد رب العالمین بردہ رسول اللہ کا [۸]

شاہ غلام رسول قادری سے قادری مسجد سولجر بازار میں عالم اسلام کی کئی جید شخصیات نے ملاقات کی ان میں مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی، مولانا ہدایت رسول قادری، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا آغا جان سرہندی، مفتی احمد یار خان نعیمی، مولانا پیر قاسم مشوری، پیر سید علاؤ الدین گیلانی، پیر سید عبد القادر سابق سفیر عراق وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ کا وصال ۱۸ جمادی الاول ۱۳۹۱ھ، ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ نشتر پارک میں حضرت علامہ سید محمد یوسف عزیز الملک سلیمان نے پڑھائی اور قادری مسجد کے احاطے میں آپ کی تدفین ہوئی۔ آپ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے اور ہر قسم کی بے ہودی اور خرافات سے پاک ہے مزار پر نعت خوانی اور قرآن خوانی کے علاوہ خلاف شرع اعمال کی ہرگز اجازت نہیں۔ [۹]

حافظ شاہ غلام رسول القادری نے ۱۳۳۴ھ، ۱۹۱۳ء میں کراچی میں جمیعت الاحناف کے نام سے ایک انجمن تشکیل دی تھی جس کے قواعد وضوابط آج بھی خانقاہ قادریہ سولجر بازار میں محفوظ ہیں۔ شاہ صاحب نے تحریک پاکستان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اسی تحریک کے سلسلہ میں سنی کانفرنس کراچی منعقدہ ۱۲، ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء کی صدارت آپ ہی نے فرمائی جس میں مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی اور علامہ سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی (صدر آل انڈیا سنی کانفرنس) جیسے اکابر علماء نے تقریر فرمائی تھی ان تمام تقاریر کو مولانا غلام رسول قادری کے صاحبزادے مولانا علم الدین قادری العلمی نے قلم بند کیا تھا جو اس وقت جمیعت سنی جامعہ قادری کراچی کے نائب ناظم تھے۔ یہ تمام تقاریر دبدبہ سکندری رام پور کی جلد نمبر ۸۴، شمارہ ۴۴، ۵۴ مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۴۶ء میں شائع بھی ہوئی ہیں۔ [۱۰]

سرزمین سندھ کے شہر کراچی سے امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ کو مجدد دین وملت تسلیم کرنے والوں میں آپ بھی شامل ہیں۔ شاہ صاحب نے دینی علوم حاصل کرنے کے بعد مزید اکتساب علم کے لئے جب برصغیر ہند کا دورہ فرمایا تو اس زمانے کے تمام اکابر علماء و مشائخ سے ملاقاتیں فرمائیں۔ بریلی شریف میں امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ سے بھی بالمشافہ ملاقات ہوئی اس کی زیادہ تفصیلات قلمبند نہ ہوسکیں مگر آپ کی تقاریر میں امام احمد رضا سے والہانہ محبت جھلکتی تھی۔ آج بھی آپ کی خانقاہ میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا عرس منایا جاتا ہے۔ شاہ غلام رسول القادری علیہ الرحمۃ نے ایک استفتاء اعلیٰ حضرت کو روانہ کیا تھا جس میں آپ نے اپنی محبت کا اظہار فرمایا اور آپ کو تحریراً مجدد دین وملت تسلیم فرمایا۔ اس استفتاء میں جہاں محبت کا اظہار ہے وہیں امام احمد رضا کی عظمت کا اعتراف بھی۔ آپ رقمطراز ہیں:

مسئلہ:

از کراچی صدر بازار انجمن جمعیۃ الاحناف مرسلہ ابو الرجا غلام رسول صاحب ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

"جناب تقدس مآب مجمع مکارم اخلاق، منبع محاسن اشفاق، سراپا اخلاق نبوی، مظہر اسرار مصطفوی، سلطان العلماء اہل السنۃ، برہان فضلاء الملۃ، قدوۃ شیوخ الزمان، مولانا المخدوم، بحر العلوم، اعلیٰ حضرت، امام الشریعت والطریقت، مجدد مائۃ حاضرہ، متع اللہ المسلمین بطول بقاھم و دامت علی روس المسترشدین فیوضاتکم و برکاتکم۔ بعد سلام مسنون و اشتیاق روز افزوں، آنکہ بجکم شاورد احضرت سے التماس ہے کہ ایک عرصہ ہوا غربائے اہلسنت کراچی کی صدائے مخزوں نے تا حال کوئی اثر پیدا نہیں کیا۔ جمعہ وجماعت کی جیسی تکلیف ہے نا قابل بیان ہے لہٰذا دعا فرمائیے۔ اس وقت حضور پرنور وارث سجادہ رسالت مآب ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جناب کی دعا کی برکت سے ہم فقیروں کے لئے جامع اہلسنت پیدا کردے کہ صدر کے مسلمانان اہلسنت فریضہ جمعہ ادا کرسکیں۔ صدر میں دو مسجدیں ہیں اس وقت دونوں پر

تصرف ایسی طاقتوں کا ہے جن کے نزدیک دینداری اور مذہب معاذ اللہ جنون ہے۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک ایسے مکان میں جو کرایہ کا مکان ہو جمع ہو کر جمعہ و عیدین ادا کر سکیں جناب مجددیہ سے جو فرمان ہو خواہ ہاں یا نہ قوم کی اور میری تسلی ہو جائے گی۔"

الجواب:

جناب محترم ذی المجد والکرم اکرمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کے سوا نہ مسجد شرط ہے نہ بنا۔ مکان میں بھی ہوسکتا ہے میدان میں بھی ہوسکتا ہے۔ اذن عام درکار ہے۔

بدائع امام ملک العلما میں ہے "السلطان انصلے فی دارہ ان فتح باب دار مجازو ان لم باذن للعامة لاتجوز۔"

درمختار میں ہے بشرط لصحتها المصر او فناء وهو ماحوله لاجل مصالحه كدفن الموتى وركض الخيل[11]

امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی کے پاس کراچی سے تعلق رکھنے والے کئی اور علماء کرام کے استفتاء بھی پہنچتے تھے ان علماء کرام کے حالات تفصیل سے میسر نہ ہوسکے اس کی وجہ یہ ہے کہ کراچی کے علماء کا تذکرہ ابھی تک مرتب نہیں کیا گیا جس کی اشد ضرورت ہے ممکن ہے کوئی محقق اس طرف توجہ دیتے ہوئے علماء و مشائخ کراچی کا تذکرہ تیار کرے۔ کراچی شہر سے جن دیگر علماء مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا ان کا مختصر تذکرہ شامل کیا جا رہا ہے۔

۱۔ مولانا مرزا عبدالرحیم بیگ
۲۔ مولانا عبدالرحیم مکرانی
۳۔ مولانا سید کریم شاہ
۴۔ مولوی احمد صدیقی نقشبندی
۵۔ مولوی پیر سید ابراہیم قادری بغدادی[۱۲]

مولانا مرزا عبدالرحیم بیگ:

مولانا مرزا عبدالرحیم بیگ کا کراچی کے علاقے رنچھوڑ لائن سے تعلق تھا آپ نے ایک استفتاء نومسلم کی سنت ابراہیمی سے متعلق پوچھا تھا آپ کا استفتاء فتاویٰ رضویہ کی جلد دوم میں موجود ہے۔

مرسلہ: مرزا عبدالرحیم بیگ مدرس جماعت نارواڑی محلہ رنچھوڑ لین کراچی بندر ۷ ربیع ۱۳۳۵ھ [۱۳]

مولانا عبدالرحیم مکرانی:

کراچی کے معروف عالم دین تھے اور مولانا اصغر درس کے بقول وہ آپ کے دادا مولانا عبدالکریم درس کے شاگرد تھے۔ آپ کے دو استفتاء بزبان فارسی فتاویٰ رضویہ میں ملتے ہیں اس میں سے ایک کا عکس یہاں شامل کیا جا رہا ہے۔

مرسلہ از بندر کراچی محلہ جمعدار گل محمد مکرانی مرسلہ عبدالرحیم مکرانی ۲۷ شعبان ۱۳۱۱ھ

"چہ می فرمایند علماء کرام ومفتیان عظام رحمکم وربکم! اندرین مسئلہ کہ اگر گروہ صبیاں قرآن خواندہ یا دیگر اعمال حسنہ کردہ وثواب آن بموتی بخشند شرعا میرسد یا نہ بین الجواب سند الکتاب وتوجروا عند اللہ بحسن المآب صاحبا حبہ اللہ تعالیٰ جواب این مسئلہ بعبارت شافی ودلائل کافی از کتب فقہ حنفیہ وحدیث شریفہ مع حوالہ کتب نوشتہ وبمواہیر علمائے علام آنجائے ثبت نمودہ بفرسند کہ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور خواہند شد۔ چرا کہ در باب این مسئلہ درمیان علماء بندر کراچی مباحثہ واختلاف افتادہ است آخر الامر طرفین برین قرار دلوہ اند کہ ہر جوابیکہ از علماء کرام بریلی وہند باید کہ جانبین تسلیم نمایند۔"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس استفتاء کا جواب فارسی زبان ہی میں ۵ صفحات پر مدلل دلائل کے ساتھ دیا جو فتاویٰ رضویہ کی چوتھی جلد کے صفحہ ۲۰۰ تا ۲۰۴ پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کے پاس استفتاء اردو، فارسی اور عربی زبان میں منظوم اور منثور دونوں صورتوں میں آتے اور آپ استفتاء کا جواب اسی طور پر دیتے تھے جبکہ برصغیر کے دیگر مفتیان کے فتاویٰ میں یہ ۵ شکلیں نہیں ملتی ہیں۔ مولوی عبدالرحیم کا دوسرا استفتاء بھی فارسی زبان میں فتاویٰ رضویہ کی آٹھویں جلد کے صفحہ ۳۸۲ پر

دیکھا جاسکتا ہے یہ استفتاء بندوق کی گولی سے شکار کے سلسلے میں پوچھا گیا ہے۔[۱۴]

مولانا سید کریم شاہ صاحب:

مولانا سید کریم شاہ صاحب کا تعلق کراچی کے علاقے جھونا مارکیٹ سے تھا۔ آپ کا استفتاء اردو زبان میں ایسے شخص سے متعلق تھا جو ہندو سے مسلمان ہوا مگر وراثت کے سلسلے میں وہ شریعت محمدی کا انکار کرتا تھا۔ آپ کا استفتاء فتاویٰ رضویہ میں اس طرح رقم ہے۔

مسئلہ: از کراچی جھونا مارکیٹ مرسلہ سید کریم شاہ صاحب ۴ ربیع ۱۳۳۶ھ اعلیٰ حضرت نے اس کا جو جواب لکھا وہ یہاں درج ذیل کیا جارہا ہے۔

الجواب:

"یہ لوگ ہرگز مسلمان نہیں اگر ہوئے بھی تو دوبارہ وراثت احکام شرعیہ ماننے سے انکار کرکے مرتد ہوگئے وہ نہ مسجد کے متولی ہوسکتے ہیں نہ اوقاف مسلمین کے قال اللہ تعالیٰ

"فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[۱۵]

مولوی احمد صدیقی نقشبندی:

مولوی احمد صدیقی نقشبندی کا تعلق گاڑی کھاتہ آرام باغ کراچی سے تھا آپ گاڑی کھاتہ سے متصل میمن مسجد میں امام وخطیب کے ساتھ ساتھ مدرس بھی تھے۔ آپ نے جو استفتاء ارسال کیا وہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

مسئلہ: از کراچی بندر روڈ گاڑی کھاتہ آرام باغ حجرہ اسلامیہ مولوی احمد صدیقی نقشبندی۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

زید نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کے شروع میں عربی عبارت اس طرح لکھی ہے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الٰہنا محمد وھو معبود جل شانہ وعز برھانہ ورسولنا محمد وھو محمود ﷺ"

ان الفاظ کی کوئی تاویل ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ایسے لکھنے والے پر شرعاً کیا حکم ہے اور اس سے میل جول رکھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے اعتقاد والے سے نکاح پڑھوانا کیسا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

"ہمارے ائمہ نے حکم دیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ناوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو واجب ہے کہ احتمال اسلام پر کلمہ محمول کیا جائے جب تک کہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو پہلے جملے میں محمد بفتح میم دوم کیوں پڑھا جائے۔ محمد بکسر میم دوم کہا جائے یعنی حضور سید عالم ﷺ محمد ہیں ﷺ بار بار کثرت حمد وثنا کیے گئے اور ان کا رب عزوجل ان کا محمد ہے بار بار کثرت ان کی مدح تعریف فرمانے والا ہے اب یہ معنی صحیح ہوگئے اور لفظ بالکل کفر سے نکل گیا اور اگر بفتح میم ہی پڑھیں اور معنی لغوی مراد ہیں یعنی ہمارا رب عزوجل بار بار کثرت حمد کیا گیا ہے جب بھی عنداللہ کفر نہ ہوگا مگر اب صرف نیت کا فرق ہوگا بہرحال ناجائز ہونے میں شبہ نہیں رد المحتار میں ہے۔

"مجرد ابھام المعنی المحال کاف فی المنع"

مصنف کو توبہ چاہئے اور اسے متنبہ کیا جائے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں مگر یہ کوئی حالت خاصہ داعی ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔[۱۶]

مولانا پیر سید ابراہیم قادری بغدادی:

مولانا پیر سید ابراہیم قادری بغدادی کا تعلق بھی کراچی کی قدیم بستی جھونا مارکیٹ سے تھا۔ آپ کا بھی ایک مراسلہ فتاویٰ رضویہ کی نویں جلد کے صفحہ ۱۶۰ پر درج ہے۔ آپ نے یہ استفتاء ۱۵ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ میں روانہ کیا تھا۔ یہ استفتاء فاسق کو امام بنانے سے متعلق تھا۔[۱۷]

حیدرآباد سندھ سے بھی ایک عالم دین

مولانا نور محمد السندی الحیدر آبادی:

کی تحریر ملتی ہے۔ جس میں آپ نے مولانا احمد رضا محدث بریلوی کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرمائی مگر مولانا نور محمد کے حالات

زندگی میسر نہ ہوسکے۔

مولانا قاسم میاں صاحب نے گونڈل سے ۱۳۳۵ھ میں ایک استفتاء اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ارسال کیا جس میں اس بات کی وضاحت طلب کی گئی کہ کاٹھیاواڑ میں بھی آل انڈین محڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی تعلیمی مجلس بنام کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس قائم ہوئی ہے جس میں بلا رعایت سنی ہر کلمہ گو رافضی، وہابی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہم ممبر بن سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس مجلس کی اہلسنت جان و مال سے امداد کرسکتے ہیں یا نہیں اس کے جلسے میں شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔

اعلیٰ حضرت نے اس کا مختصر مگر مدلل جواب تحریر فرمایا جو رسائل رضویہ کی جلد اول، ص ۲۷۷ تا ۲۸۲ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ پھر اس فتویٰ کی برصغیر پاک و ہند کے ۸۰ جید مفتیان کرام نے تصدیق فرمائی جو صفحہ ۲۸۳ تا ۳۲۶ میں موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت کے جواب کی چند سطریں یہاں نقل کی جارہی ہیں۔

''ایسی مجلس مقرر کرنا گمراہی ہے اور اس میں شرکت حرام اور بدمذہبوں سے میل جول آگ ہے۔ ان سے دور رہو، انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔''

اعلیٰ حضرت کے اس فتویٰ کی تصدیق جن ۸۰ مفتیان نے کی ہے ان میں پیر صاحب گولڑہ شریف حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا غلام رسول ملتانی، مفتی محمود جان پشاوری اور حیدرآباد کے سندھ مولانا نور محمد السندی الحیدرآبادی کے نام قابل ذکر ہیں۔

مولانا مفتی نور محمد صاحب کی تصدیق کی نقل مندرجہ ذیل ہے۔

''فاضل مجیب نے جو تحریر فرمایا ہے وہ صحیح اور حق ہے۔ واقعی اس قسم کی مجالس اور جو لوگ اہل بدعت و ہوا سے ہیں ان سے دور رہنا ضرور چاہئے اس واسطے کہ ان کی ملاقات اور ان کی مجالس میں جانا علامت ضعف ایمان اور آئندہ کو منجر طرف الحاد کے ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک اللھم احفظنا منھم بجاہ نبیک المصطفی ورسولک المرتضی آمین یارب العالمین۔''

جہاں روشن است زنور محمد ۱۳۲۷ھ احقر العباد نور محمد السندی الحیدرآبادی

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو کراچی شہر کے علاوہ اندرون سندھ کے کئی جلیل القدر علماء و مشائخ کرام نے آپ کی علمی، اصلاحی، فکری اور تجدیدی صلاحیتوں کے باعث چودھویں صدی ہجری کا مجدد دین و ملت تسلیم کیا۔ اس بات کا اثبات ان علماء کرام کے بھیجے گئے استفتاء میں بھی ملتا ہے۔ سندھ کے دیگر علاقوں سے جن اکابرین و ملت نے آپ کو ۱۴ویں صدی کا مجدد تسلیم کیا ان میں شیخ ہدایت اللہ بن محمود السندی البکری المٹیاروی، مولانا حافظ عبد اللہ قادری بھرچونڈی شریف قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ جن علماء کے ساتھ مراسلت رہی ان میں بھی چند اہم نام پائے جاتے ہیں یہاں ان علماء کرام کا تذکرہ بھی شامل کیا گیا ہے۔[۱۸]

شیخ ہدایت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

شیخ ہدایت اللہ بن محمود الحھی المٹیاروی السندی ۱۲۸۱ھ میں حیدرآباد سندھ کے گاؤں مٹیاری میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی دینی کتب مولوی عنایت اللہ بن محمود اور مولوی محمد علی مٹیاروی سے پڑھیں۔ فقہ و حدیث کی کتب الشیخ ولی محمد کاتیاری سے پڑھیں پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے حجاز تشریف لے گئے جہاں مدرسہ الصولتیہ میں مولانا عبدالسبحان سے ہدایہ پڑھی اور سند حدیث الشیخ عبدالحق بن شاہ محمد الہ آبادی اور کئی علماء سے حاصل کی۔ آپ نے کئی حج کئے اور کئی رسائل بھی تصنیف کئے جن میں سے ۴ رسائل عربی زبان میں ہیں۔ آپ کی تاریخ وفات کا سراغ نہیں مل سکا۔[۱۹]

مولانا الشیخ ہدایت اللہ بن محمود السندی البکری نے امام احمد رضا کی شہرہ آفاق تصنیف لطیف ''الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ'' کا جب مطالعہ کیا تو اس سے بہت زیادہ متاثر ہوئے چنانچہ آپ نے اس عربی تصنیف پر ۸ صفحات پر مشتمل عربی زبان میں تقریظ لکھی جس میں امام احمد رضا کی جہاں پذیرائی کی وہیں آپ نے امام احمد رضا کو مجدد

ین وملت بھی تسلیم کیا اس کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

''اعلم علماء الزمان وافقه فقها الدوران عالم السنته وحاميها وقامع البدعة ومبتدعيها مجدد المائته الحاضره ومونيد الملته الزاهره محمود الفضائل ومحسود الافاضل۔'' [۲۰]

شیخ ہدایت اللہ بن محمود السندی البکری نے یہ تقریظ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ، ۱۹۱۲ء میں لکھی تھی اس پوری تقریظ کا عربی عکس اور اس کا ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنی تالیف ''امام احمد رضا اور عالم اسلام'' میں دیا ہے یہاں اردو ترجمہ کا ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے:

بندہ ضعیف جب ۹ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ کو چھٹی مرتبہ زیارت روضہ رسول مقبول ﷺ کے لئے حاضر ہوا تو زیارت کے بعد مواجہ شریف میں جامع الفضائل والخصائص مولانا محمد کریم اللہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجدد ماتہ حاضرہ حضرت مولانا عبدالمصطفی الشیخ احمد رضا خان الحنفی القادری کی تالیف جلیل ''الدولۃ المکیہ'' کا ذکر کیا۔ میں عرصہ دراز سے اس کا مشتاق تھا یہ میری دیرینہ آرزو مولانائے مذکور کی وساطت سے پوری ہوئی۔ میں نے کتاب کا مطالعہ کیا اور محظوظ ہوا اور اس قدر مسرور ہوا کہ جس کے بیان سے زبان اور قلم دونوں عاجز ہیں۔ میں نے تحقیق وتدقیق میں اس رسالے کو خوب سے خوب تر پایا اور مجھے یقین ہو گیا کہ شنید، دید کی مانند نہیں۔

جو کچھ حضرت مولف علامہ کے مخالفین نے پروپیگنڈہ کیا تھا کہ مولف علامہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر سمجھتے ہیں یہ الزام ہرا سر جھوٹ ہے جو مخالفین نے حسد و بغاوت کی پیداوار ہے بلکہ ان کے جہل اور کند ذہن کی دلیل ہے۔ [۲۱]

شیخ طریقت مولانا حافظ محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ:

اندرون سندھ شہر سکھر کے قریب خانقاہ قادریہ بھرچونڈی شریف کا قیام حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ (م ۱۳۰۸ھ) کے ذریعے عمل میں آیا۔ آپ نے اپنے مرشد کامل حضرت پیر سید محمد حسن شاہ جیلانی (م ۱۲۵۴ھ) بانی درگاہ سوئی شریف کے وصال کے بعد ۱۲۵۸ھ میں اس کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ بستی دلوی مہران کی ایک خانقاہ بن گئی جہاں شریعت وطریقت دونوں کی پاسداری آج بھی اسی طرح جاری وساری ہے۔ آپ کے بعد آپ کے بھتیجے حافظ محمد عبداللہ کی پیدائش ۱۳۸۳ھ میں بھرچونڈی شریف میں ہوئی آپ کے جانشین قرار پائے۔ حافظ محمد عبداللہ قادری ولد قاضی اللہ بخش کی تعلیم وتربیت آپ کی چچا حافظ ملت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ نے انجام دی تھی۔ کچھ عرصے آپ نے مولوی محمد اسحاق کوٹ سبزلی سے بھی استفادہ کیا۔ [۲۲]

- شیخ طریقت کے وصال کے بعد آپ نے ۲۵ برس کی عمر شریف میں خانقاہ قادریہ بھرچونڈی شریف کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ کے پیرو مرشد رہبر شریعت حافظ محمد صدیق نے شریعت و طریقت کی ایسی جامع تعلیم دی تھی کہ آپ کو اس کم عمری میں کوئی پریشانی لاحق نہ ہوئی بلکہ آپ نے اس خانقاہ کو اور وسیع کر کے پورے سندھ میں اس کے اثرات پہنچائے اور خانقاہ کے علماء فضلاء نے آپ کو شیخ الثانی، ہادی گمراہان اور شہنشاہ ولایت جیسے القاب سے ملقب فرمایا۔ [۲۳]

حافظ عبداللہ قادری علیہ الرحمۃ نے تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ رشد وہدایت کا سلسلہ نصف صدی سے بھی زیادہ جاری رکھا۔ اس دوران طریقت کی منازل طے کرنے والوں میں باکمال، مجاذیب اور عارف درویش پیدا کئے جن میں مجذوب علن فقیر، گوہر فقیر ملک، رمضان فقیر، میاں شیر محمد مجذوب کے نام قابل ذکر ہیں اسی طرح آپ نے شریعت کے بھی جامع عارف اپنے پیچھے چھوڑے ان میں سید سردار شاہ بخاری قادری (گڑھی اختیار خاں) خلیفہ شیخ محمد فقیر، مولانا عبدالکریم ہزاروی، خلیفہ خدا بخش، سلطان فقیر، حافظ محمد بلال، حافظ محمد عالم، سید بہار علی شاہ بخاری اور صاحبزادہ سجادہ نشین حضرت پیر عبد الرحمان بھرچونڈی شریف (م ۱۳۸۰ھ) بلقب ناصر تحریک پاکستان قابل ذکر ہیں۔ [۲۴]

چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں ایک بہت اہم مسئلہ سندھ سمیت برصغیر میں زیر بحث آیا کہ انگریز کے تسلط کے باوجود ہندوستان "دارالاسلام ہے یا دارالحرب"۔ اہلسنت کے علماء امام احمد رضا کی تقلید کرتے ہوئے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دے چکے تھے جبکہ بعض علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دے رہے تھے۔

تحریک ہجرت کا ایک سیاسی پس منظر ہے۔ ماضی میں سیاست دانوں نے اپنے مقاصد کے لئے مختلف تحریکوں کو مذہبی رنگ دے کر علماء کا استحصال کیا۔ یہ ایک خونچکاں داستان ہے سیاست دانوں کو اپنے مقاصد اور عزائم کے علاوہ عوام اور خواص کسی سے محبت نہیں ہوتی، تحریک ہجرت کو مذہبی رنگ دیا گیا اور یہ نہ دیکھا گیا کہ اگر بے دست و پا مسلمان، اپنے گھربار، زمین، جائیداد، کاروبار، ملازمت چھوڑ کر افغانستان جائیں گے تو ہندوستان میں ان کی دیکھ بھال کون کرے گا، وہ تو برباد ہو جائیں گے۔ بے شک جو گئے برباد ہو کر آئے۔ امام احمد رضا نے پہلے ہی اس خطرناک اور المناک انجام سے خبردار کر دیا تھا لیکن مشہور یہ کیا گیا کہ وہ انگریزوں کے خیر خواہ ہیں جبکہ وہ اپنی نفرت اور احتجاج کا اظہار انگریز حکومت کے پوسٹل اسٹیمپ کو جس پر بادشاہ یا ملکہ کی تصویر ہوتی لفافہ پر الٹا لگا کر کرتے۔ یہ دراصل سفید جھوٹ یا صریح بہتان تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اپنے تحقیقی مقالے "گناہ بے گناہی" میں اس الزام کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ "A Baseless Blame" بھی شائع ہو چکا ہے۔ الزام تراشیاں دور جدید کے سیاستدانوں کا موثر حربہ اور ہتھیار ہیں۔ جس سے وہ نیک سے نیک انسانوں کی کردار کشی کرتے ہیں اور اپنی آخرت کو خراب کرتے ہیں۔

امام احمد رضا نے اس فتنہ کے دفع میں ۱۳۰۶ھ میں ایک مفصل فتویٰ جاری کیا اور رسالے کا نام "اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام" رکھا۔ اس رسالے میں تفصیل سے ہجرت نہ کرنے کے سلسلے میں تنبیہ کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں چونکہ مسلمانوں کو تمام بنیادی شعائر کی آزادی حاصل ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بتائی ہوئی تینوں شرائط پائی جاتی ہیں [illegible] ہندوستان دارالاسلام ہی ہے اور ہرگز یہاں سے ہجرت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

برصغیر کے اکثر علاقوں سے بھی فتویٰ جاری ہوا، سندھ [illegible] اس وقت کے اکثر علماء نے اس موقف کی حمایت کی تھی لیکن چند معروف دیوبندی علماء مثلاً مولوی عبید اللہ سندھی، مولوی تاج محمود امروٹی وغیرہما سندھ کو دارالحرب قرار دے رہے تھے جس کی وجہ سے سندھ میں بھی دیگر علاقوں کی طرح ایک خلفشار برپا ہو گیا، یہ سوال کیا جانے لگا کہ مسلمان یہاں سے ہجرت کریں یا اس کے خلاف مزاحمت کریں۔ سندھ میں اس وقت بہت سی خانقاہیں موجود تھیں اور ان کا موقف بھی یہی تھا کہ سندھ دارالاسلام ہی ہے۔ اس سلسلے میں خانقاہ بھرچونڈی شریف، ڈہرکی (سکھر) کے علماء نے امام احمد رضا کی طرف رجوع کیا کیونکہ آپ کی ذات اس وقت مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ چنانچہ خانقاہ بھرچونڈی شریف کے اولین سجادہ نشین شیخ الثانی حافظ محمد عبد اللہ قادری ملقب بہ ہادی گمراہان نے ۱۳۳۸ھ میں ایک استفتاء امام احمد رضا کو بریلی شریف روانہ کیا اور آپ سے رہنمائی حاصل کی۔ اس استفتاء اور فتویٰ کی نقل یہاں پیش کی جارہی ہے۔ یہ استفتاء فارسی زبان میں ہے اس فتویٰ سے اس بات کی نشاندہی بھی ہوتی ہے کہ دیگر علاقوں کے طرح سندھ کی علمی زبان بھی فارسی تھی۔

نقل فتویٰ:

مسئلہ: واقع دربار عالیہ بھرچونڈی شریف اسٹیشن ڈھرکی ضلع سکھر (سندھ) مسئولہ عاکف حافظ فقیر عبد اللہ قادری [illegible] ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

بخدمت تاج الفقہاء، سراج العلماء [illegible] حامی الملۃ والدین، غیاث الاسلام والمسلمین، [illegible] جناب شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری [illegible] تسلیمات مع

التکریمات بعد آداب واضح برائے عالی باد کہ مسئلہ ہجرت معروفہ
معلومہ کے در ہندوسندھ کہ بتام جوش وخروش علماء وقت بفرضیت
اوقائل شدہ اند و واعظہ دینیہ و زاہد و جاہد بعام وخاص مجالس
مخصوصہ بشدت و حدت تمام دریں بارہ گشتہ اند بحدیکہ از اکثر
علماء وقت مقال بدیں منوال رفتہ کہ ہر آنانکہ ہجرت نکند و یا قائل
بفرضیت اونشوند خارج از ایمان اند و زنان برایشاں حرام گردند آیا
آں مفتی الزمان دریں مسئلہ کہ منزلۃ الاقوام است چہ فرمایند
بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ دریں باب چہ تحریر دارند براہ
نوازش وعنایت، ترسیم حقیقت مسئلہ حق مسئولہ بہ جواب سرفراز
فرمایند کہ درفرضیت و استحباب ایں ہجرت بخت متردد و متشکک و
مضطرب حال مذبذب بایم تاکید مزید۔

الجواب: بحمد اللہ تعالیٰ ہندوسندھ تاحال دارالاسلام است۔ کما حققناہ
فی رسالتنا "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" جمعہ وعیدین و
اذان واقامہ وغیرہا بکثر شعار اسلامیہ جاری ست وشہرے کہ دار
الاسلام بود تا رشتہ از اشتہاء اسلام برجاست ہمچناں دارالاسلام ست
کہ اسلام غالب ست ومغلوب نتواں شد وللہ الحجۃ البالغہ در جامع
الفصولین ست "مابقی شئی من احکام دار الاسلام تبقی دارالاسلام علی
ماعرف ان الحکم اذا ثبت معلتہ فی بقی شئی من العلۃ یبقی الحکم ببقاء
بکذا ذکر شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح سیر الاصل و در فصول عمادی ست
دارالاسلام لاتفسیر دارالحرب اذا بقی شئی من احکام الاسلام وان زال
غلبۃ اہل الاسلام امام ناصر الدین فرماید ما یقت حلقۃ من علائق
الاسلام یترجح جانب الاسلام و در شرح نقایہ است ان الدار محکومۃ
بدار الاسلام ببقاء حکم واحد فیہا کما فی الحمادی وغیرہا و ہجرت از دار
الحرب فرض است نہ از دار الاسلام قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم لاہجرۃ بعد الفتح رواہ الشیخان۔ ہجرت خاصہ کہ برشخصے خاص بوجہ
خاص لازم آید چیزے دیگر ست و از محلہ محلہ بلکہ از خانہ بخانہ دیگر تو
ان شد والیہا الاشارہ فی حدیث من در بدینہا الحدیث واما ہجرت عامہ
نباشد مگر از دار الحرب وادعائے فرض از دار الاسلام باطل محض ست
واصلے ندارد وتفوہ بتکفیر منکر فرضیت غلو فی الدین ست وتکفیر تارک از
اہم بالاتر ضلال مبین ست مگر آنانتر سند از احادیث کثیرہ ناطقہ بانکہ
اکفار مسلم کفر ست قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرء قال لاخیہ
کافر فقد باء بہا احدہما فان کان کما قال والا رجعت علیہ رواہ مسلم
والترمذی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آباء موجب ہجرت اگر
تسلط نصاری است او نہ از امروز ست صد سال بیش می گزرد ابلنہاں
ایں اینان تا حال اقامت داشتند و برزعم خود بترک ہجرت تخم کدام حکم
کاشتند واگر چیزے ست کہ در ممالک دیگر ناشی شدہ پس ایں حکم عجیب
ست کہ حادثے مملکے رود و ہجرت از ملک دیگر واجب شود نسأل اللہ
العفو والعافیہ واللہ تعالیٰ

حضرت حافظ عبداللہ قادری اگرچہ خود اس بات کے قائل تھے کہ
مسلمان یہاں سے ہجرت نہ کریں اس کے علاوہ دوسرے علماء سندھ
بھی اسی موقف پر قائم تھے لیکن حافظ صاحب نے مزید تائید اور حمایت
کے لئے امام احمد رضا کی طرف رجوع کیا تاکہ کسی قسم کا تذبذب باقی
نہ رہے کیونکہ سندھ کے بہت سے معروف کانگریسی و دیوبندی علماء مثلاً
عبید اللہ سندھی، تاج محمود امروٹی (م ۱۹۲۱ء) اور غلام محمد دین پوری
(م ۱۳۵۴ھ) جو آپ کے مرید اور شاگرد بھی تھے۔ مرشد سے
بغاوت کرکے دیوبندی علماء کا ساتھ دیتے ہوئے ہندوستان کو دار
الحرب قرار دے رہے تھے۔ شیخ الثانی کو جب اعلیٰ حضرت کی بھرپور
تائید حاصل ہوگئی تو آپ پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ اپنے موقف
پر ڈٹ گئے اور سندھ کے مسلمانوں کو بے حال و بے یارومددگار ہونے
سے بچالیا کیونکہ امام احمد رضا نے استفتاء کے جواب میں ہجرت
کرجانے سے جو نقصانات ہوتے اس کی نشاندہی فرماتے ہوئے
شریعت کا حکم نافذ فرمایا۔

مثلاً اگر ہجرت کی جائے تو (۱) مساجد اور مزارات کی بے حرمتی
ہوگی۔ (۲) عورتیں بچے اور ضعیف لوگ غلام بنالئے جائیں گے۔
(۳) ہجرت کا التزام ہی حرام ہے۔ (۴) اس کو فرض کہنا حرام ہے۔
(۵) پھر حرام کو حلال جاننا بدرجہ اتم حرام۔ (۶) اس عمل کی کہ ہجرت

کی جائے اس کی مخالفت کرنے والے کو کافر کہنا اس سے سخت تر حرام وغیرہ وغیرہ۔

یہاں اعلیٰ حضرت کے جواب کا اردو ترجمہ لکھا جا رہا ہے تا کہ تاریخی پس منظر سمجھ میں آسکے۔

ترجمہ الجواب: ہندوسندھ دار الاسلام ہیں اور دار الاسلام سے ہجرت نہیں۔ قال رسول اللہ ﷺ لاہجرۃ بعد الفتح جامع الفصولین میں ہے مابقی شئی من احکام دار الاسلام تبقی دار الاسلام علی من عرف ان الحکم اذا ثبت بطئہ فمابقی شئی من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ ہکذا ذکر شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح سیر ہے۔ اور وہ کبھی واجب ہوتی ہے اور ایک محلے سے دوسرے محلہ بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں چلے جانے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً اس مکان میں کوئی شخص اقامت فرائض نہیں کر سکتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسرے مکان میں چلا جائے جس میں اقامت ممکن ہو۔ علی ہذا القیاس محلہ پھر شہر ملک اور کبھی حرام ہوتی ہے جیسے اقامت فرائض ممکن ہو اور یہ اپنے ضعیف ماں باپ یا بیوی بچوں کو چھوڑ کر چلا جائے گا کہ وہ ضائع ہو جائیں یا یہ عالم اہل بلد ہو اور مسلمانوں کو اس کے علم کی طرف حاجت ہو ایسے کو اپنے شہر سے طویل سفر کی بھی اجازت نہیں ہجرت درکنار ہکذا فی البزازیہ والدر المختار اور کبھی مباح ہوتی ہے۔ جبکہ نہ موجب ہو اور نہ مانع مگر ہجرت عامی کہ سب ترک وطن کر کے چلے جائیں، دار الاسلام سے ہرگز واجب نہیں ہوسکتی بفرض باطل، گر مباح ہوتی۔ جب بھی عام پر اس کا التزام شریعت پر زیادت اور دین پر غلو ہوگا۔ طلب فقہ تو فرض ہے اس کے لئے رب عزوجل نے فرمایا وما کان المومنون ینفروا کافتہ فلولا نفر من کل فوقتہ طائفہ لیفقھوا لا یہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سب مسلمان طلب علم میں نکلیں کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ فقہ حاصل کرنے جائیں۔ حالانکہ اس میں دار الاسلام والوں کو کسی ملک سے باہر جانا تھا۔ بلکہ ایک بستی سے دوسری بستی میں اور نہ ہمیشہ کے لئے چند روزہ سفر۔[۲۵]

جب طلب فرض کے لئے مولیٰ عزوجل نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا تو ایک مباح کے لئے دار الاسلام کا سابقہ ملک چھوڑ کر سب کا چلا جانا کیونکر ممکن ہو اور یہ تو شرعاً مباح بھی نہیں، وہ ملک جس میں کثیر حصہ کافروں کا ہے اگر وہاں کے سب مسلمان ہجرت کر جائیں تو ان کی مساجد پامال کفار ہوں گی، قبور مسلمین اور مزارات اولیاء کرام بول براز کے لئے رہ جائیں گے، عورت بچے ضعیف مریض جو نہ جاسکیں گے وہ دستبرد کفار میں ہوں گے۔ اور جو مباح ایسے امور؟ مستلزم ہو مباح نہیں بلکہ حرام ہے پھر اسے فرض کہنا حرام کو نہ صرف حلال بلکہ فرض بتانا ہے اور اس کے منکر فرضیت کو کافر کہنا اسی سے سخت تر بے ادبی اور صرف تارک کو کافر کہنا شدید تر ضلال ونا پا کی۔

لا تغلو فی الدین کما غلت الیھود والنصاریٰ نسأل اللّٰہ والعافیہ واللّٰہ تعالیٰ اعلم [۲۶]

شیخ الثانی حافظ محمد عبداللہ قادری نے اپنے استفتاء میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو جن القاب سے یاد کیا ہے وہ اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ امام احمد رضا کو عالم اسلام میں ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی اور علماء کرام آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سندھ کے بیشتر جید علماء کرام نے آپ کی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد دین وملت تسلیم کیا۔

حضرت حافظ محمد عبداللہ قادری علیہ الرحمۃ کا وصال ۲۵ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ میں بھرچونڈی شریف میں ہوا اور اسی خانقاہ میں اپنے پیرومرشد حافظ ملت محمد صدیق علیہ الرحمۃ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔[۲۷]

سندھ کے ایک معروف محقق ومصنف اور صاحب کمال بزرگ شاعر حضرت مولوی میاں احمد صاحب خان گڑھی نے آپ کے لئے یہ مصرعہ تاریخ کہا:

در بغل معراج آمد شد وصال

......۱۳۴۶ھ......

بھر چونڈی شریف سے اور بھی کئی استفتاء امام احمد رضا کو ارسال کئے گئے ان مستفتیوں میں سید سردار شاہ صاحب قادری، مولانا خلیفہ خدا بخش ڈھرکی اور شکار پور سے تعلق رکھنے والے مولانا محمد محسن علی ہاشمی قابل ذکر ہیں۔ یہاں ان کے مختصر حالات اور امام احمد رضا سے ان کی مراسلت کا ذکر کیا جارہا ہے۔

سید سردار شاہ صاحب قادری:

مولانا سید سردار احمد شاہ ابن حضرت پیر سید محمد جعفر شاہ ۱۳۰۲ھ، ۱۸۸۵ء میں گڑھی اختیار خاں میں پیدا ہوئے اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت عثمان مروندی المعروف لال شہباز قلندر تک پہنچتا ہے۔ تکمیل علوم کے بعد غوث وقت حضرت مولانا حافظ محمد عبد اللہ قادری (بھر چونڈی شریف) کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور جلد ہی خلافت سے نوازے گئے۔ آپ کو عربی، فارسی، سندھی، سرائیکی اور اردو زبانوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ اپنے دور کے نامور اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ آپ کا مجموعہ کلام عربی، فارسی، سندھی اور سرائیکی زبانوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ بھی چند رسائل یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ نے ۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۱ء میں وصال فرمایا۔[۲۸]

مولانا سردار احمد شاہ کو اعلیٰ حضرت سے بڑی عقیدت تھی اور آپ کا کلام حدائق بخشش آپ کی زبان پر جاری رہتا یہاں تک کہ زندگی کے آخری لمحات میں شب وصال اپنے صاحبزادے مولانا سید مغفور القادری (م ۱۳۱۰ھ، ۱۹۷۰ء) سے کہا مجھے نعت سناؤ چنانچہ صاحبزادے نے اعلیٰ حضرت کی یہ نعت

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

پڑھنا شروع کی تو یکا یک اٹھ بیٹھے اور فرمانے لگے

''یہ درد اس درد کا غلام ہے جب وہ درد آجاتا ہے تو جسمانی درد رخصت ہوجاتا ہے راہ طلب میں مالکوں کو جو سوز اور درد عطا کیا جاتا ہے، جسمانی درد اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا جب وہ اپنا اثر کرتا ہے تو مادی دنیا کے تمام وسائل و اسباب یک قلم رخصت ہوجاتے ہیں''[۲۹]

سید سردار شاہ قادری علیہ الرحمۃ کے پوتے محترم جناب پیر سید محمد فاروق القادری ابن علامہ سید مغفور القادری ساکن آستانہ عالیہ شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں مؤلف ''فاضل بریلوی اور امور بدعت'' اپنے ایک مکتوب میں جو ماہنامہ ''جہان رضا'' شمارہ ۴۰ میں شائع ہوا ہے اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں سے متعلق رقمطراز ہیں:

''فتاویٰ رضویہ میں متعدد مقامات پر بھر چونڈی شریف کے شیخ الثانی ہادی گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ اور راقم کے حقیقی جدامجد شیخ المشائخ حضرت ابو النصر سید سردار شاہ قادری کا ذکر آیا ہے۔ ان بزرگوں نے تحریک ہجرت کے موقع پر اعلیٰ حضرت سے فتوے منگا کر پورے سندھ میں ان کی نشر و اشاعت کی کہ ہندوستان اور سندھ دار الحرب نہیں ہیں۔ اس طرح بزرگوں نے تحریک ہجرت کو اپنے گڑھ (سندھ) میں ناکام کر کے لاکھوں مسلمانوں کو نقصان مایہ دشاتت ہمسایہ سے بچایا۔ میرے جد امجد کے سوالات بھر چونڈی شریف سے بھجوائے گئے تھے وہاں سے سردار شاہ کی بجائے سرور شاہ چھپ گیا ہے۔ ابو النصر میرے دادا کی ہی کنیت ہے اور آپ اس دور میں بھر چونڈی شریف ڈھرکی میں حضرت شیخ الثالث پیر عبد الرحمان صاحب علیہ الرحمۃ کو پڑھا رہے تھے۔

میرے جدامجد نے سات سال مسجد نبوی میں پڑھایا ہے۔ آپ نے فاضل بریلوی سے مدینہ منورہ میں ملاقات بھی کی تھی اور ایک وقت کا کھانا بھی ساتھ کھایا تھا۔ میں فخراً یہ بات کہتا ہوں کہ سابق ریاست بہاولپور اور سندھ میں ہمارے خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے فاضل بریلوی سے رابطہ کیا اور ان کے سیاسی اور روحانی افکار کی نشر و اشاعت کا پلیٹ فارم مہیا کیا۔''[۳۰]

حضرت مولانا سید سردار شاہ قادری علیہ الرحمۃ نے جو استفتاء امام احمد رضا قادری کو بریلی شریف ارسال کیا تھا اس کو یہاں نقل کیا جارہا ہے:

مسئلہ: سکھر اسٹیشن ڈھرکی ڈاکخانہ خیر پور ڈھرکی خاص دربار معلیٰ قادریہ بھرچونڈی شریف از طرف ابو النصر فقیر سردار شاہ ۱۷ جمادی ۱۳۳۹ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ: "شخصے بین حیات پدر خود بلا رضا مندی و شمولیت وے نکاح خواہر صغیرہ بمعاوضہ باز دبجائے کردہ پدرش بعد خبر یافتن انکار کرد۔ وبعد چند مدت راضی شدہ باز و معاوضہ ادر نکاح پسر خود گرفت و باز انکار کرد۔ آیا از انکار اول نکاح باطل شدیانہ۔ محض اقبال بعدان کا تجدید ایجاب وقبول فائدہ دارد یانہ۔" بینوا توجروا۔

الجواب: "نکاح نابالغہ کہ برادرش بے اجازت پدر کرد نکاح فضولی بود بر اجازت پدر موقوف چوں پدر باستماع خبر انکار کرد فوراً باطل شد و باطل راعود نیست باز راضی شدن پدر بکار نباید تا از سر ایجاب و قبول پیش نمودنہ کنند در درمختار ست بلغہا فروت ثم قامت رضیت لم یجز لبطلانہ بالرد در رد المحتار ست لان نفاذ التزویج کان موقوفا علی الاجازۃ وقد بطل بالرد در بحر الرائق ست الاجازۃ شرطہا قیام العقد" واللہ تعالیٰ اعلم [۳۱]

خلیفہ خدا بخش (ڈھرکی):

آپ کے تفصیلی حالات میسر نہ ہوسکے البتہ کچھ عرصے قبل جب موجودہ سجادہ نشین بھرچونڈی شریف پیر عبدالخالق (ولد پیر عبدالحلیم م ۱۳۹۴ھ ابن پیر عبدالرحیم شہید م ۱۳۹۲ھ ابن شیخ ثالث پیر عبد الرحمان م ۱۳۸۰ھ ابن شیخ الثانی حافظ عبداللہ قادری الثانی حافظ عبد اللہ قادری کے اجل خلفاء میں تھے اور اکثر آپ کی خدمت میں ہی رہتے تھے۔[۳۲]

مولانا خدا بخش ڈہرکی کی بھی امام احمد رضا محدث بریلوی سے مراسلت تھی اور آپ بھی وقتاً فوقتاً مسائل کا حل معلوم کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں استفتاء ارسال کرتے۔ یہاں ایک فتویٰ کی نقل پیش کی جارہی ہے۔

مسئلہ: ضلع سکھر سندھ، ڈاکخانہ ڈھرکی، مقام بھرچونڈی شریف، درگاہ عالیہ سلسلہ قادریہ، مسئولہ خدا بخش صاحب ۲۳ رمضان المبارک چہارشنبہ ۱۳۳۹ھ بخدمت عظامی منزلت شمس الشریعۃ حضرت مولانا صاحب سلمہ ربہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی قانون کے مطابق جو شخص پانچ برس متواتر اپنی غیر آباد زمین کا محصول (یعنی خراج) نہیں دیتا، وہ زمین اس کی ملک سے نکل کر گورنمنٹ کی ہوجاتی ہے، کہ بعد ۱۰ برس گزر نے کے بغیر رضا مندی شخص مذکورہ کے دوسرے کو دے دیتے ہیں، آیا زمین مذکورہ بموجب شرع شریف مالک کی ملک سے نکل کر گورنمنٹ کی ہوتی ہے یا نہیں، اور اس زمین کا لینا درست ہے یا نہیں، اگر کسی نے خرید لی ہو تو واپس دے یا نہیں، اگر دے تو جو خرچ اس زمین پر کیا ہے [illegible] سے واپس لے یا نہیں، نیز یہ کہ مشتری مالک کو دے جب بھی گورنمنٹ اس کو نہیں (دیتی) بغیر درخواست کے اور درخواست سبب مفلسی کے وہ نہیں دیتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعت میں اس وجہ سے زمین ملک مالک سے نکل نہیں سکتی اس کا خریدنا ناجائز ہوگا اور خرید لی تو مالک کو واپس دینا واجب ہوگا اور جو قیمت وغیرہ دینے میں خرچ ہو وہ الگ سے واپس نہیں لے سکتا۔ "لانہ ہو المضیع لمالہ" اس پر حکم شرعی یہ ہے یہ بجالائے اگر چہ اس کے کرنے کو گورنمنٹ تسلیم نہ کرے، اس کا الزام اس پر نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔[۳۳]

مولانا محمد محسن علی ہاشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ:

مولانا محمد محسن علی ہاشمی سندھ کے چوٹی کے علماء میں سے تھے کوشش کے باوجود بھی آپ کی حالات میسر نہ ہوسکے۔ البتہ مولانا عبد الغفور صاحب نے اپنی تالیف عباد الرحمان تذکرہ مشائخ بھرچونڈی شریف میں آپ کا ذکر کیا ہے جس کو یہاں نقل کیا جارہا ہے: "سندھ میں اس تحریک کا مرکز زیادہ تر مولانا تاج محمود امروٹی کی مساعی سے قرار پایا۔ اس وقت دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے سندھ کو دارالحرب قرار دے کر ہجرت کرنا واجب اور ضروری مشتہر کیا۔ ہمارے حضرت شیخ الثانی قدس سرہ نے سندھ کے مشہور اور معتبر علماء اور بیرون سے فتوے منگوا کر خانقاہوں میں خوب نشر و اشاعت کی سندھ

لوگ جو عموماً خانقاہوں اور مشائخ کرام سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے اس فتویٰ کے تحت سندھ کو دار الحرب تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور نقل مکانی کے نقصانات سے بچ گئے لیکن وہ لوگ جو علماء ناعاقبت اندیشوں کے دام عیا میں پھنس گئے بری طرح نقصان مایہ وشماتت ہمسایہ کا شکار ہوئے۔ اس زمانے میں سندھ کے چوٹی کے علماء میں سے مخدوم سید محسن علی شاہ صاحب ساکن پٹ میاں صاحب علاقہ شکار پور سندھ کا شمار ہوتا تھا بلاشبہ علمی دنیا میں آپ مخصوص مقام کے مالک تھے ان کا لکھا ہوا فتویٰ بعینہ موجود ہے جس میں آپ نے سندھ کو دار الاسلام قرار دیا۔[۳۴]

مولانا محمد محسن علی ہاشمی نے ۱۳۳۵ھ میں ایک استفتاء بزبان فارسی ارسال کیا جس کا جواب امام احمد رضا نے عربی میں دیا اس کی نقل پیش کی جارہی ہے۔

مسئلہ: از مدرسہ اسلامیہ عربیہ، دہلوی پوسٹ پٹ میاں تعلقہ شکار پور ضلع سکھر مسئولہ محمد محسن علی ہاشمی، مدرس اول ۸ رشوال ۱۳۳۵ھ

چہ می فرمایند علماء عظام دریں مسئلہ کہ مذبوح فوق العقدہ حلال ست یا حرام بینوا توجروا

الجواب: "قال صلی اللہ علیہ وسلم الذکاۃ مابین اللبہ واللحیین ولاشک ان مافوق العقدۃ مما یلیھا بین اللحیین وکلام التحفہ والکافی وغیرھا بدل علی ان الحلق یستعمل فی العنق کما فی ابن عابدین فتحریر العلامہ عندی ماافادہ فی ردالمحتار، اذ قال والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق، فالحق ما قالہ شراح الھدایۃ تبعا للرستغفنی، والا فالحق خلافہ اذالم یوجد شرط الحل باتفاق اہل المذھب، وذلک بالمشاھدۃ اوسؤال اہل الخبرۃ فاغتنم ہذا المقال ودع عنک الجدال، واللہ تعالیٰ اعلم۔[۳۵]

سرزمین سندھ میں امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی کے ساتھ علماء ومشائخ کے گہرے تعلقات سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی سے سندھ کے علماء اور عوام الناس اعلیٰ حضرت سے مانوس تھے اور ساتھ ہی انتہائی عقیدت مند بھی فتاویٰ رضویہ کی تمام جلدوں میں عام مسلمانوں کے بھی بہت ساری استفتاء موجود ہیں جو انہوں نے کراچی کے علاوہ سندھ کے دوسرے علاقوں سے بھیجے تھے۔ غالباً سندھ سے روحانی تعلق کی بناء پر امام احمد رضا خاں کے خاندان کے کئی قریبی عزیز پاکستان بننے کے بعد سندھ تشریف لے آئے خاص کر چچیرے بھائی مولانا سردار ولی خان اور ان کے بیٹے مولانا مفتی شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ مفتی تقدس علی خاں قادری بریلوی (م ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء) جن کا مزار بھی پیر جو گوٹھ میں مرجع خلائق ہے اس کے علاوہ آپ کے پوتے مولانا حماد رضا خاں نعمانی (م ۱۳۷۵ھ، ۱۹۵۶ء) اور آپ کے سگے نواسے محمد سعید اللہ خان اور محمد عبید اللہ خان جو ابھی ماشاء اللہ حیات ہیں اور کراچی میں مقیم ہیں، کے نام قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ آپ کی پرپوتیاں اور پرنواسیاں بھی کراچی تشریف لائیں اور یہاں ہی آباد ہوگئیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد سرزمین سندھ کے ایک معروف محقق و ادیب نے اہل سندھ کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے جذبات، خیالات کا اظہار ایک جامع مضمون لکھ کر کیا۔ یہ مضمون مولوی اللہ بخش فراق صاحب عقیلی ٹھٹھوی برادر عزیز سابق وزیر خانہ حکومت پاکستان ایم۔ ایم عقیلی نے اعلیٰ حضرت کے وصال کے ۱۰ ماہ بعد ہی لکھا تھا جو راقم کے خیال میں نہ صرف سندھ کی سرزمین بلکہ موجودہ پاکستان کے خطے سے لکھا جانے والا پہلا مضمون ہے۔ یہ مضمون لاہور کے ماہنامہ "تصوف" کی جلد ۲ شمارہ ۳ ستمبر ۱۹۲۳ء، محرم الحرام ۱۳۴۱ھ میں شائع ہوا جو محمد حفیظ اللہ قریشی نقشبندی مجددی کی زیر ادارت ہر ماہ نکلتا تھا۔ اس مضمون کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

"بریلی کی اس بزرگ ہستی کے نام سے کون واقف نہیں جن کی تقریروں اور تحریروں کی آواز صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ افغانستان، عربستان اور مصر میں بھی آج تک بشور وزور گونج رہی ہے۔"

آپ کے اوصاف، فضائل وکمالات بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

"اس مختصر مضمون میں آپ کے اتنے ہی اوصاف اور فضائل بیان ہو سکے اور ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کس پائے کے عالم اور مجدد تھے۔ مجھے سیدی مخدومی پیر محمد شاہ صاحب قادری (م ۵ رمضان ۱۳۴۰ھ) کے وہ الفاظ یاد ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے نام نامی اسم گرامی احمد رضا سے بذریعہ علم الحروف "مجدد ماۃ حاضرۃ" ثابت کیا جاسکتا ہے۔

آگے چل کر اپنے مخدوم کے حوالے سے ایک تاریخی مادہ بھی درج کرتے ہیں:

آپ کی تاریخ وفات پر مخدومی حضرت پیر محمد شاہ صاحب قادری مرحوم نے ایک نظم بھی لکھی تھی لیکن مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ انہوں نے آپ کا سال وفات (۱۳۴۰ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نکالا تھا۔[۳۶]

آخر میں رقم طراز ہیں:

"میں نے آپ کے حالات بابرکات کا یہ صرف ایک مختصر خاکہ قارئین کرام کی خدمت میں عرض کیا ہے کیونکہ آپ کے وصال کو آج ۱۰ مہینے کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن کسی نے آپ کے حالات پر قلم نہیں اٹھایا۔ مجھے ہندوستان کے علماء اہلسنّت عموماً اور جماعت مبارکہ انجمن رضائے مصطفیٰ بریلی سے خصوصاً قوی امید ہے کہ وہ آپ کی مفصل سوانح حیات شائع فرمائیں گے۔ آخر میں مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ہندوستان کی خاک میں بھی ایسے عالم، ایسے فقیہ اور ایسے مجدد ہو گزرے ہیں لیکن ہم ہیں کہ غفلت کے پردے ڈال کر ایسی نیند سوئے ہوئے ہیں کہ ان کی اتنی چیخ پکار کا بھی ہم پر اثر نہیں ہوتا۔ ہماری بے قدری اور لاپرواہی میں اسی طور اس مبارک گروہ کے افراد یکے بعد دیگرے چلے جاتے ہیں اور اسلامی دنیا کا یہ رنگ ہوتا ہوا چلا جاتا ہے کہ "مسلمانی در کتاب مسلماناں در گور"

جناب مولوی اللہ بخش فراق عقیلی ٹھٹھوی کا یہ مضمون سالنامہ "معارف رضا" کے دوسرے شمارے میں بھی شامل کیا گیا تھا جو ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ اصل مضمون جو "تصوف" کے شمارے میں شائع ہوا اس کا عکس پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

جناب اللہ بخش فراق عقیلی ٹھٹھوی مرحوم کی خواہش کو سندھ کے ایک فاضل مورخ، محقق، مصنف شیخ طریقت پروفیسر ڈاکٹر علامہ محمد مسعود احمد صاحب ابن مولانا مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی نقشبندی مجددی خطیب و امام شاہی مسجد فتحپوری دہلی (م ۱۳۸۶ھ) نے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے امام احمد رضا محدث بریلوی پر ۱۹۷۱ء سے لکھنا شروع کیا اور مسلسل پچھلے ۲۵ برس سے لکھتے چلے آرہے ہیں۔ اس دوران آپ نے کئی تحقیقی مقالات امام احمد رضا پر لکھے جو دنیا کے مختلف انسائیکلوپیڈیا میں عربی، فارسی، انگریزی، اردو زبانوں میں شائع بھی ہوئے اس کے علاوہ درجنوں کتابیں اور کئی سو مقالات، مضامین، تقدیم، مقدمات، پیش لفظ لکھ کر سندھ کی اہلسنّت و جماعت کی طرف سے دوستی، عقیدت اور محبت کا حق ادا کردیا آپ کی چند تصنیفات اور تالیفات مندرجہ ذیل ہیں جو محققین کی نظر میں معرکۃ الآراء تصانیف تسلیم کی جاتی ہیں۔

۱۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات
۲۔ فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں
۳۔ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی
۴۔ محدث بریلوی
۵۔ امام احمد رضا اور عالم اسلام
۶۔ گناہ بے گناہی
۷۔ تنقیدات وتعاقبات
۸۔ رہبر ورہنما
۹۔ اجالا
۱۰۔ عالمی جامعات اور امام احمد رضا
۱۱۔ الشیخ احمد رضا خاں بریلوی (عربی)
۱۲۔ آئینہ رضویات (۲ جلد)[۳۷]

سندھ میں اعلیٰ حضرت بریلوی کی خدمات پر تحقیقاتی جائزہ:

ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کے حوالے سے بعنوان ''کنزالایمان اور دیگر اردو تراجم'' پر جامعہ کراچی سے آپ ہی کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی سند ۱۹۹۳ء میں حاصل کی اس کے علاوہ ڈاکٹر مسعود صاحب کی سرپرستی میں دنیا کی کئی جامعات میں محققین ڈاکٹریٹ کے مقالات تحریر کررہے ہیں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب آج احمد رضا پر اتھارٹی تسلیم کئے جاتے ہیں جو اہل سندھ کے لئے ایک انمول اعزاز ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اللہ بخش عقیلی نے امام احمد رضا پر سندھ سے مضمون لکھ کر جس مشن کی ابتداء کی تھی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچادیا اور امام احمد رضا پر تحقیق کے دروازے کھول دیئے۔

سندھ کے شہر ٹھٹھہ کے ایک قدیم علمی خانوادے کے فاضل جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ علامہ مولانا عبدالباری صدیقی ابن مفتی ٹھٹھہ علامہ عبداللطیف ٹھٹھوی (م ۱۹۹۳ء) ابن مفتی ٹھٹھہ مولانا مفتی محمد حسین ٹھٹھوی خطیب و مفتی شاہی مسجد ٹھٹھہ نے بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر سندھ یونیورسٹی جامشورو سے آپ کے حالات وافکار پر ۱۹۹۳ء میں سندھی زبان میں مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔

امام احمد رضا پر کثیر تعداد میں سندھ کے محققین نے عربی، اردو، انگریزی، فارسی اور سندھی زبانوں میں مقالات لکھے ہیں جو معارف رضا کی زینت بنے اور دیگر کئی رسائل میں بھی شائع ہوئے۔ یہاں چند معروف اہل قلم کا نام لکھ رہا ہوں جن کا تعلق اسی دھرتی یعنی سندھ کی سرزمین سے ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نقشبندی، ڈاکٹر مدد علی قادری، ڈاکٹر اسحاق ابڑو، ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو، ڈاکٹر جلال الدین نوری، ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری، حکیم محمد سعید، پیر سید فاروق القادری، صاحبزادہ وجاہت رسول قادری، علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (ستارہ امتیاز)، سید ریاست علی قادری، پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر عبدالرشید، پروفیسر مولانا غلام عباس قادری سکندر، صاحبزادہ زین العابدین وغیرہ۔

سندھ کی سرزمین کے ایک اہل زبان عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد رحیم سکندری شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ تلمیذ خاص حضرت علامہ مفتی تقدس علی خاں علیہ الرحمۃ نے امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے اردو ترجمہ قرآن ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' اور اس پر موجود تفسیری حاشیہ خزائن العرفان (محشی حضرت علامہ مفتی محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۹۴۸ء) تلمیذ امام احمد رضا محدث بریلوی کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا یہ ترجمہ ۱۹۹۲ء میں لاہور سے ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے شائع کیا۔

سندھ ہی کے ایک معروف پروفیسر جناب سید شاہ فرید الحق نے امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کو انگریزی زبان میں منتقل کیا ہے جس کو ۱۹۹۰ء میں کراچی کے مکتبہ رضویہ سے شائع کیا حال ہی میں اس ترجمہ کو ورلڈ اسلامک مشن نے بھی شائع کیا۔

سندھ کی دھرتی کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف استاد ایس، ای، کالج بہاولپور نے ایک مقالہ بعنوان ''مولانا احمد رضا اور سرزمین سندھ'' تحریر کیا جو معارف رضا شمارہ سوم ۱۹۸۳ء میں شائع بھی ہوا اس کے علاوہ ڈاکٹر مولانا اقبال احمد اختر القادری صاحب نے ایک مقالہ امام احمد رضا وادی مہران میں اور جناب اقبال احمد قریشی ساکن حیدرآباد سندھ نے بھی ''سندھ میں اعلیٰ حضرت کے اثرات'' کے عنوان سے مقالہ لکھا ہے لیکن یہ دونوں ابھی شائع نہ ہوسکے۔

اہل سندھ کی امام احمد رضا خاں قادری بریلوی سے محبت کا اظہار ان کے نام سے منسوب مختلف مدارس، دارالعلوم، لائبریریاں تحقیقی مراکز اور ویلفیئر سینٹر سے بھی ہوتا ہے جن کی کثیر تعداد پورے سندھ میں پھیلی ہوئی ہے اس کی تفصیل کے لئے بھی ایک مقالے کی ضرورت ہے اسی

طرح اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ کی بھی کثیر تعداد سندھ میں آباد ہے جو عشق رسول ﷺ کے علمبردار ہیں کیونکہ وہ ایک سچے عاشق رسول اللہ ﷺ کے پیروکار ہیں۔[۳۸]

حوالہ جات

[۱] سالنامہ معارف رضا، کراچی ص ۱۳۱، ۱۳۲، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۹۵ء

[۲] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ، ص ۱۴، مطبوعہ المختار پبلیکیشنز کراچی ۱۹۹۵ء

[۳] اصغر درس، مضمون، اخبار جنگ کراچی ۱۲ مارچ ۱۹۹۳ء

[۴] مفتی مصطفیٰ رضا خان بریلوی، ملفوظات امام احمد رضا حصہ دوم، ص ۱۵۸

[۵] ڈاکٹر سید محمد عارف، مولانا احمد رضا اور سرزمین سندھ (مقالہ) معارف کراچی، جلد سوم شمارہ ۱۹۸۳ء ص ۲۹۸، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

[۶] صاحبزادہ علیم الدین قادری، تذکرۂ علیمیہ قادریہ ص ۳۴، مطبوعہ کراچی

[۷] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۳۲

[۸] حافظ غلام رسول قادری، کلیات قادری ص ۴۲ مطبوعہ کراچی

[۹] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۳۵

[۱۰] علامہ جلال الدین قادری، آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۲۳، مطبوعہ لاہور

[۱۱] مولانا احمد رضا خان بریلوی، فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۴۷، مکتبۂ رضویہ کراچی

[۱۲] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۳۹

[۱۳] بحوالہ مولانا احمد رضا خان بریلوی، فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۴۳۴

[۱۴] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۴۰

[۱۵] امام احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۳۶۹ نیز دیکھئے ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۴۱

[۱۶] امام احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۱۴، ۱۱۵

[۱۷] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۴۲

[۱۸] ایضاً ص ۴۳، ۴۴

[۱۹] عبدالحی لکھنوی، نزہتہ الخواطر جزء ہشتم مطبوعہ کراچی ۱۹۸۶ء

[۲۰] ڈاکٹر مسعود احمد، امام احمد رضا اور عالم اسلام ص ۱۲۰، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۳ء

[۲۱] ایضاً ص ۱۷۳

[۲۲] سید مغفور القادری، تذکرہ مشائخ بھرچونڈی شریف ص ۷۵، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

[۲۳] عبدالخالق قادری، مختصر سوانحی خاکے، ص ۲، مطبوعہ حافظ الملت اکادمی ڈھرکی سندھ ۱۹۹۳ء

[۲۴] ایضاً ص ۳

[۲۵] ایضاً ص ۵۲، ۵۳

[۲۶] سید مغفور القادری، تذکرہ مشائخ بھرچونڈی شریف ص ۱۱۸، ۱۱۹

[۲۷] محمد دین کلیم قادری، مشائخ قادریہ ص ۲۳۹، لاہور ۱۹۸۶

[۲۸] عبدالحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۱۵۸، مکتبۂ قادریہ لاہور ۱۹۷۶ء

[۲۹] سید مغفور القادری، تذکرہ مشائخ بھرچونڈی ص ۱۲۹

[۳۰] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۵۶، ۵۷

[۳۱] امام احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۹۹

[۳۲] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۵۸

[۳۳] امام احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۳۱۴

[۳۴] سید مغفور القادری، تذکرہ مشائخ بھرچونڈی شریف ص ۱۱۴

[۳۵] امام احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص ۳۲۰

[۳۶] ڈاکٹر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۶۲، ۶۳

[۳۷] ایضاً ص ۶۴، ۶۵

[۳۸] حوالۂ سابق ص ۶۶، ۶۷

امام احمد رضا خان بریلوی اور علمائے کشمیر

از: حسن نواز شاہ

امام احمد رضا خان بریلوی (۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ) وہ نابغۂ دہر تھے کہ ان کی حینِ حیات جہاں علمائے شرق وغرب ان کے افکار اور مہارتِ علمی سے مستفید ہوئے، وہیں خطۂ بے نظیر کہ جس کے بارے یہاں تک مبالغہ کیا گیا کہ

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین ست و ہمین ست و ہمین ست

کے علماء کرام نے بھی آپ سے رابطہ کیا۔ اگر چہ امام بریلوی اور کشمیر کا عنوان سرِ دست تحقیق طلب ہے اور اس عنوان پہ ابھی تک اسکالرز نے توجہ نہیں دی لیکن اس کے باوجود یہ طے ہے کہ کشمیر میں آپ کے افکار کے لیے موافق فضا موجود تھی، کیونکہ آپ کی تحریک کا بنیادی نکتہ ناموسِ رسالت کا تحفظ تھا، اس سلسلہ میں کسی کی بھی تحریر میں اگر شمہ بھر بھی کوئی ایسی بات نظر آئی تو آپ نے لگی لپٹی رکھے بغیر اس کا محاکمہ کیا اس بات سے بے نیاز ہوتے ہوئے کہ متعلقہ شخصیت کتنی قد آور اور نمایاں ہے۔

نجدی تحریک کے ثمرات جب ہندوستان میں آنے لگے تو اس وقت کے علماء نے اس کا بھرپور توڑ کیا، اسی طرح کشمیر کے علماء نے بھی اس تحریک کا بھرپور رد کیا، انہیں میں سے ایک نہایت اہم نام سری نگر کے شیخ احمد واعظ کشمیری (م ۷ محرم ۱۲۹۰ھ) کا ہے انہوں نے نجدی افکار کے رد میں نہ صرف کشمیر بلکہ پنجاب میں بھی مناظرے کئے نیز کئی کتب بھی تصنیف کیں۔ ردِ وہابیہ میں 'تحفۂ احمدیہ المسمی نجوم الشہابیہ رجوم للوہابیہ' آپ کی معروف تصنیف ہے یہ ۱۲۸۵ھ میں مطبع کوہ طور لاہور سے شائع ہوئی۔ (اس کا ایک نسخہ راقم کے کتاب خانہ موجود ہے) اسی طرح معروف صوفی پنجابی شاعر میاں محمد بخش قادری (۱۲۴۶-۷ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ) نے اپنی منظوم پنجابی تالیف 'ہدایت المسلمین' (سالِ تصنیف ۱۲۹۴ھ) [۱] میں نجدی تحریک کا پس منظر اور ان کے عزائم وافکار کا مبسوط رد فرمایا۔ [۲] ذیل میں ان ہر سہ حضرات کے کوائفِ حیات درج ہیں کہ جنہوں نے امام بریلوی سے استفتاء منگوائے۔ اب یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان تینوں حضرات کا تعلق آزاد کشمیر سے ہے اور جیسا کہ آگے آپ ملاحظہ فرمائیں گے یہ تینوں حضرات آزاد کشمیر کے علمائے کرام میں نہایت معتبر مراتب کے حامل تھے۔

مولانا عبداللہ صوفی چشتی کھنباہی معروف بہ مولوی صاحب پہاڑ والے:

ولادت: آپ آزاد کشمیر کے ضلع میر پور کی تحصیل سماہنی کے گاؤں موہڑہ پنگلین (قریہ ہری پور، کھنباہ) داخلی پہیڈ میں گوجر برادری کے معروف عالم دین مولانا محمد بخش کے ہاں پیدا ہوئے۔ [۳]

تحصیلِ علوم: آپ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والدِ گرامی مولانا محمد بخش سے حاصل کی، مزید تعلیم بالترتیب غور غشتی (ضلع اٹک/صوبہ پنجاب) میں اور موضع کدلٹھی (ضلع چکوال/صوبہ پنجاب) میں مولانا غلام محمد چشتی (م ۲۵ صفر ۱۳۱۴ھ) سے پائی، دورۂ حدیث کی تکمیل مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴-۱۳۲۳ھ) سے کی۔ آپ پر تحصیلِ علوم کا جذبہ اس قدر غالب تھا اور ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ جہاں کسی صاحبِ علم کے بارے سنتے اس کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ اس سفر میں آپ بہاولپور بھی تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد بوقتِ رخصت استاد نے آپ سے فرمایا: "تو دنیا کو پڑھائے گا تجھے اب پڑھانے والا کوئی نہیں۔" [۴]

وطن واپسی: آپ تقریباً پندرہ سال بسلسلہ تعلیم سفر میں رہے، بہاولپوری استاد کی ہدایت پہ وطن واپسی کا فیصلہ کیا اور پندرہ سال بعد اپنے گاؤں پہنچے، جب آپ واپس گھر پہنچے تو آپ کے والد صاحب نابینا ہو چکے تھے جب کہ والدہ نہایت ضعیف۔ [۵]

☆ ۳۳۵-ماڈل ٹاؤن ہمک، اسلام آباد suhraward@hotmail.com:

تدریسِ علوم اسلامی: وطن واپسی کے فوراً بعد آپ نے درس و تدریس کا آغاز کیا اور جلد ہی آپ کی شہرت دور دور تک پھیلنے لگی اور یوں ایک زمانہ آپ سے مستفید ہوا۔ اس کا اندازہ آپ کے معروف طلباء کی درج ذیل فہرست بھی ہوتا ہے۔:

☆ پیر محمد فاضل شاہ (ڈھانگری/ فیض پور، ضلع میر پور، آزاد کشمیر)
☆ مولانا عبدالسلام (آپ کے صاحبزادے)
☆ مولانا محمد ابراہیم سیاکھوی (سیاکھ، ضلع میر پور)
☆ مولانا محمد یوسف میر پوری (میر پور، محلہ نلوئی)
☆ مولانا محمد عبداللہ سیاکھوی (سیاکھ)
☆ مولانا مفتی عبدالکریم (پنڈ خورد، میر پور)
☆ مولانا محمد عثمان تڑالوی ثم راجوروی (راجوری، مقبوضہ کشمیر)
☆ مولانا عبدالرشید تھتھالوی (میر پور)
☆ مولانا سید ولایت علی شاہ راجوروی، سابق وزیر تعلیم، مقبوضہ کشمیر (راجوری)
☆ مولانا محمد حسن (ہری پور/ کھنباہ، تحصیل ساہنی، ضلع میر پور)
☆ میاں صدر دین (ایضاً)
☆ حاجی چوہدری محمد سائیں (ایضاً)
☆ مولانا اللہ داد (ایضاً)
☆ مولانا عبدالعزیز (ایضاً)
☆ الحاج جمال الدین (ایضاً)
☆ مولانا محمد عالم
☆ مولانا حکیم حیات علی (میر پور) (۶)
☆ مولانا اشرف اصغر (ڈھیری صاحبزادیاں/ کھوئی رٹہ/ ضلع کوٹلی) [۷]

تصانیف: آپ کثیر التصانیف مصنف تھے، مختلف علوم میں آپ کی خاصی تصانیف ابھی تک قلمی صورت میں آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن کے پاس موجود ہیں۔ نیز آپ فارسی اور پنجابی زبانوں کے مشاق شاعر بھی تھے۔ چونکہ راقم ابھی تک آپ کے کتب خانہ تک نہیں پہنچ پایا لہٰذا تصانیف کا تعارف کرانے سے سر دست قاصر ہے۔ [۸]

انتخابِ کلام: مولانا کھنباہی فارسی اور پنجابی کے نغز گو شاعر تھے، ان کا کلام بھی ان کی تصانیف کی طرح ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، ان کے دستیاب پنجابی کلام سے انتخاب درج ذیل ہے:

ج: جسم تے جان قربان دونویں سوہنے یار دی راہ دی خاک اتے
ہتھیں اپنے جے ہک وار رکھے مرہم وصل والی سینے چاک اتے
اُہدے فضل اگے کجھ تھوڑ ناہیں کرے مہر جے میں غمناک اتے
ہوبے آس اداس ہو بیٹھ عبدی رکھ آس پکی سوہنے پاک اتے

ر: روندیاں ڈھونڈیاں عمر گزری سوہنے یار دے ملن دی چاہ اندر
سارا روز ہے سوز دے وچہ جاندا کھلی رہاں اڈیکدی راہ اندر
کدے پچھدی جوگیاں راولاں نوں دسو یار آسی کہڑے ماہ اندر
عبدی موت چنگی ایسے جیون کولوں لگی رہوے جے جندڑی پھاہ اندر

ن: نام رسول دا واسطائی جہڑا مرسلاندا سرتاج آیا
جہڑا عرب تے عجم داہے والی دوئے جگ اندر جس داراج آیا
جہڑا دور کرے دکھ درد سارے ہر مرض دا لے علاج آیا
ربا بخش عبدی اس دے نام پچھے جہڑا عاصیاں دی رکھن لاج آیا

ازدواجی زندگی: آپ کی پہلی شادی برادری ہی کی ایک باعفت خاتون سے ہوئی جن سے ایک ہی صاحبزادے مولانا عبدالسلام کی ولادت عمل میں آئی۔ ابھی مولانا عبدالسلام بچے ہی تھے کہ آپ کی شریک آپ کو داغ مفارقت دے گئیں۔ مولانا عبدالسلام نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے والد گرامی اور دیگر معاصر اساتذہ سے تکمیلِ علوم کی۔ تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد جلد رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے، خدا نے آپ کو دو بچے بھی دیئے لیکن عین عالمِ شباب میں ایک وبائی مرض کے نتیجے میں آپ نے بیوی بچوں سمیت عالمِ خاک و باد کو خیر آباد کہا۔ مولانا کھنباہی کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا لیکن آپ نے خدا کی رضا پہ راضی رہتے ہوئے صبر کیا اور اپنے معمولات

تدریس میں رکاوٹ نہ آنے دی۔

آپ کی تنہائی کو ملاحظہ کرتے ہوئے ایک دن ان کے خاندان کے افراد اکٹھے ہوئے اور آپ کو دوسری شادی کے لیے قائل کیا اور یوں خاندان ہی سے ایک خاتون سے آپ کی شادی ہوئی۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادیاں زینب بی بی، ولایت بی بی اور ایک صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں وفات پا چکی ہیں جب کہ صاحبزادے بفضلِ ایزدا بھی تک حیات ہیں۔[۹]

بیعتِ وخلافت: دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد آپ کو مولانا گنگوہی نے تاکید کی تھی کہ واپس وطن جانے سے پہلے کسی سے بیعت ضرور ہونا۔ آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری سے بیعت ہوئے نیز خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ آپ کے شیخ طریقت آپ پہ نہایت شفقت فرماتے، نیز آپ ان کے مقربین خلفاء کرام میں سے تھے۔ آپ کا شجرۂ طریقت درج ذیل ہے۔

"خواجہ شمس الدین سیالوی، شاہ محمد سلیمان تونسوی، خواجہ نور محمد مہاروی، خواجہ فخر الدین دہلوی، شاہ نظام الدین اورنگ آبادی شاہ کلیم اللہ صدیقی جہاں آبادی، شیخ محمد یحییٰ مدنی، شیخ شمس الدین محمد، شیخ حسن محمد، شیخ جمال الدین معروف بہ شیخ جمن، شیخ محمود معروف بہ شیخ راجن شیخ علم الدین گجراتی، شیخ سراج الدین گجراتی، شیخ کمال الدین علامہ، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، خواجہ نظام الدین اولیاء، بابا فرید الدین مسعود شکر گنج، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری، خواجہ عثمان ہرونی، حاجی شریف زندنی، خواجہ قطب الدین مودود چشتی خواجہ ابو یوسف چشتی، خواجہ ابو محمد چشتی، خواجہ ابو احمد ابدال چشتی، ابو اسحٰق شامی، ممشاد دینوی، امین الدین ابی ہبیرہ البصری، سدید الدین حذیفہ المرعشی، ابرہیم بن ادھم بلخی، ابو الفیض فضیل بن عیاض، ابو الفضل عبدالواحد بن زید تمیمی، حسن بصری، حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ۔"[۱۰]

وصال: آپ کا ۱۸ جیٹھ ۱۹۸۴ بکرمی (مطابق، ۲۸ ذیقعد ۱۳۴۵ھ/ ۳۱ مئی ۱۹۲۷ء[۱۱]) کو بوقت صبح سات بجے بعارضۂ بخار وصال ہوا۔ نمازِ جنازہ مولانا محمد ابراہیم سیاکھوی نے پڑھایا۔ ہر سال آپ کا عرس ۱۸ جیٹھ کو منعقد ہوتا ہے، جس میں علماء کرام کی تقاریر اور نعت خوانی ہوتی ہے۔ آپ ایک خوبصورت گنبد کے سایہ میں استراحت فرما ہیں اور مزار مبارک موہڑہ پکلین میں زیارت گاہ خلایق ہے۔(۱۲)

معاصر علماء و مشائخ: آپ نے چونکہ دورۂ حدیث مولانا گنگوہی سے کیا تھا لہذا عمر کے ابتدائی ادوار میں آپ کے تعلقات درج ذیل علماء دیوبند سے رہے۔

☆مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰-۱۶ رجب ۱۳۶۲)

☆مولانا محمود الحسن دیوبندی (۱۲۶۸-۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ)

☆مولانا احمد علی لاہوری (۲ رمضان ۱۳۰۴-۱۷ رمضان ۱۳۸۳ھ)

☆مولانا عبیداللہ سندھی (۲۸ مارچ ۱۸۷۲-۲۲ اگست ۱۹۴۴ء)

☆مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی (۱۲۹۲-۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ)

☆مولانا غلام غوث ہزاروی (۱۸۹۶-۴ فروری ۱۹۸۱ء)

☆مفتی محمد حسن امرتسری (۱۸۷۸-یکم جون ۱۹۶۱ء)

☆سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۰-۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ)

☆مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ-۷ رجب ۱۳۹۴ھ)۔[۱۳] جبکہ بقول مولانا محمد بشیر مصطفوی (میر پور): شیخ جلالپوری سے بیعت کے بعد آپ کے رجحان میں خاصی تبدیلی آئی اور آپ کے

☆میاں محمد بخش قادری

☆سید نیک عالم نقشبندی مجددی (۸۰-۱۲۷۹-۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ، میر پور شہر)

☆پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۱۸۵۹-۱۹۳۷ء)

☆پیر سید ملک علی شاہ چشتی (۱۸۶۴-یکم ستمبر ۱۹۵۱ء)[۱۴]

اور صاحب 'حدایق الحنفیہ' مولانا فقیر محمد جہلمی (۱۲۶۰-۱۳۲۲ھ) سے خاصے گہرے مراسم استوار ہو گئے تھے۔ مولانا جہلمی کی تصنیف'

عمدۃ الابحاث فی وقوع طلاق الثلاث' جو سراج لمطابع جہلم سے ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی میں آپ کی بھی منظوم فارسی تقریظ موجود ہے۔

مولانا کھدباہی اور اعلیٰ حضرت:

مولانا کھدباہی کشمیر سے تعلق رکھنے والے وہ پہلے عالم ہیں کہ جنہوں نے اعلیٰ حضرت سے اپنی عمر کے آخری سالوں میں بتاریخ ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (بمطابق، ۱۴راکتوبر ۱۹۱۵ء [15]) ایک استفتاء منگوایا۔ سوال یہ تھا کہ

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درمختار میں صاع ۱۰۴۰ درم کا لکھا ہے اور اکثر کتب میں من ۱۸۰ مثقال کا ہے و بقول معروف کل عشرۃ دراھم سبعۃ مثاقیل (معروف قول کے مطابق ہر دس دراہم کا وزن سات مثقال ہونا چاہیے) ایک من ۱۸۲ مثقال کا ہوتا ہے تو صاع میں آٹھ مثقال زیادہ آئے اور ایسے ہی شیخ دہلوی نے 'شرح سفر السعادۃ' و 'شرح مشکوٰۃ' میں وزن صاع لکھا ہے، قاعدہ مذکورہ سے پورا موافق نہیں آتا، یہ تحقیق وتدقیق فرما کر جلد عنایت کیجیے۔''

اعلیٰ حضرت نے جواب میں لکھا کہ

''صاع چار من ہے اور من چالیس استار اور استار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشے اور ماشہ آٹھ رتی اور رتی آٹھ چاول اور بارہ ماشے کا ایک تولہ تو صاع دوسوستر تولے ہے اور انگریزی روپیہ رائج سے کہ روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے، صاع دوسو اٹھاسی روپیہ بھر اور منٗ ایک سو اسی مثقال یعنی سڑسٹھ تولے چھ ماشے یعنی بہتر روپیہ بھر۔ یہ وزن محقق ہے جس میں اصلاً شبہ نہیں، غرر الافکار شرح درر البحار میں ہے: 'الصاع اربعة امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالاستار اربعون والاستار بالمثاقيل اربعة و نصف اھ مختصراً' (صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد دو رطل کا، رطل نصف من، من چالیس استار کا اور استار ساڑھے چار مثقال کا اھ اختصاراً)۔

کشف الغطاء میں ہے:

'بدانکہ معتبر نزد ما عراقی ست و آن ہشت رطل ست و رطل بست استار و استار چار و نیم مثقال و مثقال بست قیراط یک حبہ و چہار خمس حبہ و حبہ کہ آنرا بفارسی سرخ گویند ہشتم حصہ ماشہ است پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد' (واضح رہے کہ ہمارے نزدیک معتبر عراقی (صاع) ہے اور وہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے، ایک رطل بیس استار اور استار ساڑھے چار مثقال، مثقال بیس قیراط ایک حبہ اور چہار خمس حبہ ہے۔ حبہ جسے فارسی میں ''سرخ'' کہتے ہیں ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، پس مثقال ساڑھے چار ماشہ ہوا۔)

حضرت شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ القوی کا بیان اصلاً اس سے مخالف نہیں، مثقالوں کا یہی حساب رکھا ہے کہ سات سو بیس مثقال کا صاع اکبری و جہانگیری سیروں سے اس کا اندازہ بتایا ہے، اکبری سیر تیس استار کا تھا اور صاع ایک سو ساٹھ استار، تو صاع ۱۶۰÷۵ = ۳۰ ۳/۱ سیر اکبری ہوا، اور سیر جہانگیری ۳۶ استار تو صاع ۱۶۰÷۴=۳۶ ۴ ۹/ سیر جہانگیری ہوا۔ شرح صراط مستقیم فصل زکوۃ فطر میں فرماتے ہیں:

'صاع عراقی ہشت رطل و صاع حجازی پنج رطل و ثلث رطل وواجب نزد شافعی صاع حجازی ست و نزد ما نصف صاع عراقی و آن دو من ست و من چہار استار و استار چہار و نیم مثقال۔ پس من صد و ہشتاد و مثقال بود کذا قال شارح الوقایۃ واز کتب دیگر نیز ہمچنین معلوم می گردد چون این حساب را بوزن دیار خود کار فرمائیم نصف صاع بوزن اکبر شاہی کہ سیرے سی سیر شاہی بود دو نیم سیری می شود و پنج سیر شاہی و بوزن حال جہانگیر شاہی ابداللہ ملکہ و سلطنتہ کہ سیرے سی و شش سیر شاہی بود دو سیر و یک پاؤ می شود بیک سیر شاہی کم باین حساب کہ صاع ہفت صد و بست مثقال ست از انکہ صاع چہار من ست و من چہل استار و استار چہار و نیم مثقال، پس ہر من صد و ہشتاد و مثقال بود چون سیر شاہی ہم چہار نیم مثقال ست لازم آید کہ نصف صاع ہشتاد سیر شاہی باشد و ہشتاد سیر شاہی دو و نیم سیر و پنج سیر شاہی شود بوزن قدیم و دو سیر و یک پاؤ یک سیر شاہی کم بوزن حال۔ واللہ تعالیٰ اعلم اھ۔' (عراقی صاع آٹھ رطل اور حجازی پانچ رطل اور ثلث رطل

ہے۔امام شافعی کے نزدیک صاع حجازی واجب ہے اور ہمارے نزدیک صاع عراقی جو دومن کا ہوتا ہے اور من چار استار اور استار ساڑھے چار مثقال ہے لہٰذا من ایک سواسی مثقال ہوا جیسا کہ شارح وقایہ نے کہا اور دوسری کتب سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے۔جب ہم اس کا حساب اپنے شہروں کے وزن کے اعتبار سے کرتے ہیں تو نصف صاع اکبری سیروں کے مطابق ۲/۱ ۲ سیر ۱۵ استار ہوگا اور جہانگیری (اللہ تعالیٰ اس کے ملک سلطنت کی حفاظت کرے) سیروں کے مطابق ۲/۱ ۴ سیر اور ایک استار کم بن جاتا ہے یہ اس حساب سے کہ صاع ۲۰۷ مثقال ہوا اور اگر صاع ۴ من اور من ۴۰ استار اور استار ۲/۱ ۲ مثقال ہو تو ہر من ۱۸۰ مثقال ہوگا۔جب استار ۴ ۲/۱ مثقال ہے تو لازم آیا کہ نصف صاع ۱۸۰ استار اور ۱۸۰ استار ۲/۱ ۲ سیر اور ۱۵ استار قدیم وزن ہوا اور ۴ ۲/۱ سیر ایک استار کم موجودہ وزن ہوا۔واللہ تعالیٰ اعلم)

سیر شاہی اور پیسہ اور استار ایک ہی وزن ہے یعنی ساڑھے چار مثقال کہ سوا بیس ماشے ہوئے اور وزن قدیم سے مراد اکبری اور حال سے جہانگیری۔صدر بابِ طہارت میں بھی یہی حساب افادہ فرمایا ہے۔اتنا ہے کہ وہاں مد عراقی وحجازی دونوں کا ان سیروں سے اندازہ کیا اور بعض جگہ تہائی پیسہ کہ کسر کو ڈیڑھ ماشہ ہوئی مسامحۃً ترک فرمادیا ہے۔حدیث قال: 'صاع چہار مد ست و مد بقولے دو رطل ست۔' (یہاں انہوں نے کہا کہ صاع چار مد ہے اور مد دو رطل کا ہوتا ہے۔ت) (یہ قول ہمارے ائمہ کا ہے کہ صاع کو آٹھ رطل لیتے ہیں)

'ودلالت ظاہر احادیث ہم برین است چہ در بعض احادیث وضو بمد واقع شدہ

ودر بعضے بدو رطل وتطبیق دران است کہ مصداق ہر دو یکے باشد وبقولے مد رطل وثلث رطل عراقی ست۔' (یہ قول شافعیہ ہے کہ صاع ۵ ۱/۳ رطل ۴/۱ ۱/۳ رطل)

ورطل بست استار ست واستار چہار ونیم مثقال کہ وزن یک پیسہ است واین حساب ابہامے دارد وما آنرا بوزن این دیار فرود آریم تا واضح گردد

بدانکہ مد بقول اول (حنفی) یک من شرعی ست ومن شرعی چہل استار وآن بوزنِ اکبری کہ سیرش سی پیسہ است یک سیر وثلث سیر بوزن جہانگیر شاہی ابد اللہ فی مراضیہ ملکہ وسلطنۃ کہ سیرے سی وشش پیسہ است یک سیر وچہار پیسہ پس صاع (یعنی عراقی) کہ چہار مد ست پنج سیر وثلث سیر اکبری باشد وبوزن جہانگیری چہار سیر ونیم سیر دو پیسہ کم ومد بقولِ ثانی (شافعی) یک سیر اکبری سہ پیسہ وچیزے کم (یعنی ۳۳ ۱/۳ پیسہ کم ۲۶ ۲/۳ پیسہ ہوا) وسہ ربع سیر جہانگیری چیزے کم (یعنی ثلث پیسہ کم جہانگیری تین پاؤ ۲۷ پیسہ ہے) و صاع (یعنی حجازی) بوزن اکبری سہ ونیم سیر ودو پیسہ (یعنی تہائی پیسہ کم کہ ساڑھے تین سیر اکبری اور دو پیسے کے ۱۰۷ پیسے ہوئے اور صاع حجازی ۱۰۶ ۲/۳ پیسہ) وبوزن جہانگیری سہ سیر یک پیسہ کم (بلکہ ۱ ۱/۳ پیسہ کم کہ تین سیر جہانگیری ۱۰۸ پیسہ ہے) انتہی مزیداً ما بین الھلالین منی۔' (ظاہر احادیث کہ دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ بعض احادیث وضو میں ہے کہ اس کے لیے ایک مد کافی ہے اور بعض احادیث میں دو رطل کا تذکرہ ہے، ان میں تطبیق یوں ہے کہ دونوں کا مصداق ایک ہی ہے۔ایک قول کے مطابق مد رطل اور ثلث رطل عراقی ہے۔(یہ قول شافعیہ ہے کہ صاع ۵ ۱/۳ رطل ÷ ۴ = ۱ ۱/۳ رطل) اور رطل بیس استار اور استار ۴ ۱/۲ مثقال جو کہ ایک پیسہ کا وزن ہے اس حساب میں ابہام ہے۔ہم اس کو اپنے علاقہ کے حساب سے بناتے ہیں تاکہ واضح ہوجائے۔معلوم ہونا چاہیے کہ مد پہلے (حنفی) قول پر ایک من ہے اور شرعی من چالیس استار ہے، یہ اکبری وزن ہے جس میں سیر تیس پیسہ برابر ہے تو مد ایک سیر اور سیر کا ثلث ہوا۔جہانگیر بادشاہ اللہ تعالیٰ اس کے ملک وسلطنت ہمیشہ پسندیدہ فرمائے، کہ اس کا سیر چھتیس پیسہ تو مد ایک سیر اور چار پیسہ برابر ہوا، پس صاع عراقی جو چار مد ہے پانچ سیر اور ایک سیر کا ثلث، اکبری حساب سے ہوا۔اور جہانگیری حساب سے چار سیر اور دو پیسہ کم آدھ سیر ہوا۔اور دوسرے قول (شافعی) کے مطابق مد، ایک اکبری سیر اور تین پیسہ سے قدرے کم یعنی ۳ ۱/۳ پیسہ کم ۲۶ ۲/۳ پیسہ ہوا۔اور جہانگیری حساب سے تین پاؤ سے کم یعنی پیسے کا تہائی حصہ کم جو کہ تین پاؤ سے ۲۷ پیسہ ہے اور صاع حجازی اکبری حساب سے ۳ ۱/۲ سیر ایک پیسہ

کم۔عبارت ختم ہوئی اور قوسین میں اضافہ میری طرف سے ہے۔)

البتہ اشعۃ اللمعات مطبع مصطفائی محمد حسین خاں باب الغسل میں سیر جہانگیری سے صاع عراقی کا حساب ظاہراً خطا سے کاتب سے غلط ہوگیا ہے حیث قال: 'صاع بوزن اکبرشاہی کہ سیرے سی سیر شاہی بود پنج سیر ودہ سیر شاہی ے شود۔' (اکبرشاہی کے حساب سے کہ ایک سیر تیس استار کا ہے۔صاع ۵ سیر سیر ہوا اور دس استار ہے) (یہ صحیح ہے ب اور حساب اول کے مطابق کہ دس سیر شاہی ثلث پیسہ اکبری ہے کما لایخفٰی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) 'وبوزن حال جہانگیری ابد اللہ ملکہ وسلطنیہ کہ سیرے سی وشش سیر شاہی ست چہار سیر ویک پاؤ می شود بیک سیر شاہی کم۔' (اور جہانگیری حساب سے جس میں ایک سیر ۳۶ استار کا ہے عراقی صاع چار سیر ایک پاؤ اور ایک سیر کم۔ت) یہ غلط ہے کہ صاع ۱۶۰ پیسہ ہے اور سوا چار سیر جہانگیری ایک پیسہ کم کے ۱۵۲ ہی پیسے ہوئے آٹھ پیسے کا فرق ہے صحیح وہی ہے جو اوپر گزرا کہ ساڑھے چار سیر جہانگیری ہے دو پیسے کم۔" (۱۶)

حافظ محمد مطیع اللہ قریشی:

خاندانی پسِ منظر: آپ اس معروف علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ جس خاندان کے ساتھ معروف پنجابی صوفی شاعر اور 'سفر العشق یعنی قصہ سیف الملوک' کے خالق میاں محمد بخش قادری کا رشتۂ تلمذ تھا۔حافظ محمد مقیم وہ پہلے بزرگ ہیں جو دہلی سے سموال تشریف لائے، 'بحر الفیض حیدری' کی روایت کے مطابق تفصیل کچھ یوں ہے کہ: حافظ محمد مقیم دہلی میں کسی شیخ محمود سے بیعت تھے، دورانِ سفر آپ کو شدید روحانی قبض ہوگئی، آپ واپس دہلی پہنچے تو شیخ کا وصال ہو چکا تھا، آپ شیخ کی تربت پہ حاضر ہوئے تو شیخ سے آپ کو ٹاہلیانوالہ جہلم شہر میں مقیم میراں سید علی حیدر شاہ کے پاس حاضر ہونے کا حکم ملا۔آپ نے جہلم کے لیے رختِ سفر باندھا تو بقول مصنف 'بحر الفیض حیدری' میراں علی حیدر نے جہلم میں اپنے مریدین سے فرمایا: (۱۷)

دلی تھیں جد حافظ یارو! قدم رکھایا باہر
محفل اپنی اندر میراں بول سنایا ظاہر
کہندے دلیوں باز چھٹا اک کہڑی طرفے بہندا
کھسیا طعمہ ہتھوں بازے زندہ یا مر رہندا

خیر دونوں کی ملاقات ہوئی اور میراں علی حیدر نے تین دن حافظ صاحب کو اپنے پاس رکھا اور چوتھے دن نوازشات فرما کر رخصت کیا۔حافظ صاحب وہاں سے موضع غازی گڑھا میں تشریف لائے لیکن یہ جگہ انہیں پسند نہ آئے لہٰذا سموال شریف میں سکونت اختیار فرمائی۔(۱۸) بعدازاں آپ اپنے صاحبزادے حافظ غلام محمود کو بھی میراں علی حیدر کی خدمت میں لے گئے، شیخ نے تین سال انہیں اپنے پاس رکھا اور نوازشات کے بعد واپس سموال بھیج دیا اس دعا کے ساتھ کہ آپ کی نسل میں سارے حفاظِ قرآن ہوں گے۔(۱۹)

حافظ غلام محمود کے ایک اور بھائی حافظ سلطان محمود تھے، حافظ غلام محمود کے تین صاحبزادے ہوئے، حافظ ناصرالدین، حافظ محمد علی، حافظ نور محمد۔(۲۰) اور یہ تینوں میاں محمد میاں محمد بخش قادری کے اساتذہ میں سے ہوئے ہیں۔(۲۱)

حافظ محمد علی:

آپ خانوادہ سموال کے معروف عالم ہوئے ہیں، آپ کی درج ذیل تصانیف اب تک دریافت ہوئی ہیں، ان میں ایک مطبوعہ (۲۲) اور بقیہ مخطوطات کی صورت میں مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔

رسالہ ذبح فوق العقدہ — حاشیہ قرآن السعدین
قرابادین پنجابی (۲۳) — نسب رسول (منظوم پنجابی) (۲۴)

ان میں سے 'قرابادین پنجابی' کا ایک نسخۂ خطی راقم کے کتب خانہ میں بھی ہے۔حافظ محمد علی کے ایک صاحبزادے ہوئے یعنی حافظ غلام قادر، انہیں غلام قادر کے ہاں حافظ مطیع اللہ اور حافظ ضیاء اللہ پیدا ہوئے۔(۲۵)

ولادت: حافظ صاحب کا سالِ ولادت معلوم نہیں البتہ تیرہویں صدی کے چھٹے عشرے کے ابتدائی سالوں میں حافظ غلام قادر کے ہاں قریشی برادری میں پیدا ہوئے۔(۲۶)

تحصیلِ علوم: علوم متداولہ کی تحصیل بالترتیب گھر، کھائی (ضلع

جہلم) اور بھکھی (ضلع گجرات) میں مختلف اساتذہ سے کی۔(۲۷)

نسبتِ بیعت: اگرچہ آپ کے تمام خاندان کی میراں علی حیدر شاہ کے خانوادہ سے نسبت، مگر جب میراں علی حیدر کے اخلاف نے شیعیت اختیار کی تو آپ نے پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (م ۳۱ اگست ۱۹۵۱ء) سے نسبتِ بیعت استوار کی۔(۲۸)

رشتۂ ازدواج: آپ نے شادی بھی کی اور آپ کے صرف ایک صاحبزادے تھے یعنی حافظ عبدالعزیز، حافظ عبدالعزیز خاصے ماہر کاتب تھے۔

وصال: ۱۳ شعبان ۱۳۵۳ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ سموال شریف میں مزار زیارتگاہِ خلائق ہے۔(۲۹)

تصانیف:

شرح قصیدہ بردہ: آپ نے قصیدہ بردہ شریف کی ایک شرح تحریر کی تھی اور اس کا قلمی نسخہ ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعہ داری کے کتاب خانہ میں ہے۔(۳۰)

حاشیہ ثواقب المناقب: ثواقب المناقب (سالِ تالیف، اندازاً ۱۳۲۴ھ) سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کا ایک اہم ماخذ ہے جسے محمد ماہ صداقت کنجاہی (م ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۵ء) نے تالیف کیا۔ حافظ صاحب نے اس پر مفید حواشی تحریر فرمائے اس کا ایک قلمی نسخہ پیر عبدالرسول برق شاہ نوشاہی (۶ محرم ۱۳۴۳ھ۔ ۱۰ رجب ۱۴۰۵ھ) کے کتابخانہ میں تھا۔(۳۱)

منظوم پنجابی ترجمہ عین الزلالی مصنفہ شیخ بابو: آپ نے عین الزلالی مصنفہ شیخ بابو کا بھی منظوم پنجابی ترجمہ فرمایا تھا، اس کا قلمی نسخہ کہاں ہے اس کی وضاحت ڈاکٹر غلام حسین اظہر نہیں کی۔(۳۲)

تقاریظ:

آپ کے معاصر عالم میاں غلام محی الدین بن میاں محمد حسین حنفی ساکن موضع لعلی قریب سموال کی تالیف ''نور العینین فی الدارین'' میں آپ کی بھی درج ذیل تقریظ شامل ہے:

''میں نے اس کتاب کو اکثر جگہ سے مطالعہ کیا صحیح اور درست پائی ہے، لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ حررہ محمد مطیع اللہ سموال والہ بقلم خود۔''(۳۳)

آپ نے میاں محمد بخش قادری کی ردِ نجدیت میں معروف منظوم پنجابی تصنیف 'ہدایت المسلمین' پہ بھی درج ذیل تقریظ تحریر فرمائی تھی:

''الحمد لله الذی خلق الارض و السماء و الصلوة و السلام علی رسوله محمد المصطفی الذی نزل منزلة الا علی ط ماضل صاحبكم وما غویطوماینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحیط علمه شدید القوی و علی اله و اصحابه الذین هم نجوم الهدی طومصابیح الدجی وبعد فقد طالعت هذا الكتاب المستطاب من الابتداء الی الانتها فوجدته موافقة للقرآن و حدیث خیر الوریٰ طوعقدت بنظره من كذب به فان الجحیم هی الملجاء و من تصدیق به فان الجنة هی الماویٰ طوتیقنت برویة الذی ینكرون عنه یسحبون فی النار علی وجوهم فیقال لهم ذوقامس سقر طوالذین امنوا به فیكون خالداً فی جنات و نهر طفی مقعد صدق عند ملیك مقتدر طوكیف لا وقدالفه حسان العصر طوسحبان الدهر عذب البیان كماء الزلال و فصیح اللسان من اصحاب الكمال المعتقد لكرامات الاولیاء بالبال و الموقن لخرق عادات السمحآء بالكمال الذی رسالته لشق صدور الوهابین كالنبال و كتابه لجرح اكباد النجدیین كالنعال۔سمی حبیب الله صاحب الجاه و الجلال۔وقدقلت فی اختتام تقریظ و ارخت بانصرام تنمیقه علی سبیل الاستعجال بعد قطع رء وس الوهابیین انه لكتاب كریم لا یمسه الا المطهرون قرظته' و اناالفقیر محمد مطیع الله الساكن فی القریة الموسومة بالسموال صانها الله تعالیٰ و اهلها عن الشرو الجدال امین: یارب العلمین!''(۳٤)

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ آپ نے ہی میاں محمد بخش قادری کا جنازہ پڑھایا تھا۔(۳۵) علاوہ ازیں آپ ایک اچھے کاتب

بھی تھے میاں محمد بخش قادری کی معروف تصنیف ''تذکرہ مقیمی'' کے ایک نسخہ مملوکہ میاں محمد اشرف (کھڑی شریف/ آزاد کشمیر) کی کتابت بھی آپ اور آپ کے صاحبزادے حافظ عبدالعزیز کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔

حافظ محمد مطیع اللہ اور اعلیٰ حضرت:

حافظ صاحب نے ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ (بمطابق، ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء) (۳۶)

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں مثلاً زیدی لڑکی کی والدہ نے کسی جگہ ناتا یعنی ساک کردیا اور ان نے لڑکی کی مذکورہ کو کسی قدر زیور اور کپڑا دیا، اپنے زعم میں انہوں نے لڑکی اپنی منکوحہ سمجھ لی، بعد گزرنے دو تین سال کے والدۂ لڑکی کے پاس گئے تاکہ شادی کردیوے اس نے کہا مجھے فرصت نہیں پھر چلے گئے، دوبارہ جس کے ذریعے لیس منگنی کی تھی بھیج کر سوال کیا، پھر والدۂ لڑکی نے انکار کیا، منگنی والوں نے کہا زیور وغیرہ واپس کردو ہم اس سے رہے، غرض وہ اپنے زیورات وغیرہ لے کر واپس چلے آئے اور دعویٰ ناتا چھوڑ دیا۔ اب لڑکی بالغ ہے اور اس کی والدہ مرگئی ہے دوبارہ ناتے والے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم نے ناتا نہیں چھوڑا اور نہ ہم نے زیور لیا وکیل نے لیا ہوا گا۔ آیا بوقتِ منگنی نابالغ کا اس کی والدہ یا چچا یا برادر نے کردیا اس کو بموجب شریعت اختیار فسخ ہے بحکم ولھما الخیار فی غیر الاب والجد (نابالغ اور بالغہ کو غیر باپ دادا کے دیئے ہوئے نکاح میں اختیار ہوتا ہے) لیکن بوقت بلوغ قاضی کے نزدیک بیان دیوے اور قاضی حکم فسخ کرے، چونکہ اس ولایت میں کوئی قاضی نہیں تو کیا اس ملک میں اعلم علماء فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں۔''

محض منگنی کوئی چیز نہیں ان کا منکوحہ سمجھ لینا باطل ہے جب کہ ایجاب وقبول نہ ہوا ہو، اس صورت میں فسخ کی کیا حاجت کہ نکاح ہی نہ تھا جسے فسخ کیا جائے، ہاں اگر ایجاب وقبول ہوگیا تو بے شک صورتِ مذکورہ میں نابالغہ کو خیارِ فسخ ہے۔ اگر بالغہ ہوتے ہی فوراً اسی مجلس میں انکار واعتراض کرے تو دعویٰ فسخ کرسکتی ہے۔ اعلم وافقہ اہلِ بلد بحضور زوج فسخ کرے اور اس کی تنفیذ بذریعہ کچہری کرا لے۔ اور اگر مجلسِ بلوغ میں سکوت کیا تو اب دعویٰ فسخ نہیں کرسکتی نکاح لازم ہو گیا، جبکہ کفو سے ہوا ہو یعنی زوج زوجہ سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس کا نکاح اولیاء کے عرفاً باعثِ ننگ وعار ہو کہ اس صورت میں غیر اب وجد کا کیا ہوا نکاح باطلِ محض ہوتا ہے، جب سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت، والمسائل کلھا مصرحۃ بھا فی عامۃ زبر المذہب کالدر المختار وغیرہ ومسألۃ العالم فی الحدیقۃ الندیۃ عن فتاوی الامام العتابی وقد فصلنا الکل فی فتاونا واللہ تعالٰی اعلم۔ (یہ تمام مسایل مذہب کی عام کتب میں تصریح زدہ ہیں جیسے درمختار وغیرہ اور عالم فقہیہ والا مسئلہ حدیقہ ندیہ میں امام عتابی سے منقول ہے، ہم نے ان تمام کی تفصیل اپنے فتاویٰ میں ذکر کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔)۔'' (۳۷)

مولانا محمد ابراہیم سیاکھوی:

خاندانی پسِ منظر وولادت: بقول مولانا رضاء الحق (نبیرۂ مولانا محمد ابراہیم سیاکھوی) ''ان کے پاس مولانا سیاکھوی کا لکھا ہوا اصل شجرۂ نسب موجود ہے جس میں ان کا شجرہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک بواسطہ حضرت طلحہ پہنچتا ہے۔'' (۳۸) نیز انہوں نے لکھا ہے کہ: ''ان کے شجرۂ نسب میں ایک نام حضرت شاہ دیوان خاکی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی آتا ہے، یہ بزرگ تحصیل گوجر خان کے گاؤں موضع میانہ پوٹھہ میں مدفون ہیں۔'' (۳۹) اب یہاں دو امور وضاحت طلب ہیں ایک تو یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں حضرت طلحہ نام کے کوئی صاحبزادے تھے بھی یا نہیں؟ اور دوسرا یہ کہ حضرت دیوان شاہ خاکی جو کہ موضع کوٹھہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے اور اپنے شیخ حضرت کبیر الدین شاہ دولہ گجراتی سہروردی (م ۱۰۷۵ھ) کے حسب ارشاد تحصیل گوجر خان کے گاؤں میانہ پوٹھہ میں آکر رہائش پذیر ہوئے اور یہیں وفات پائی۔ (۴۰) نسباً گوجر (گوت، گورسی) تھے۔ (۴۱) یہ اختلاف اس لیے بھی آرہا ہے کیونکہ مولانا ابراہیم کے مرتبہ شجرہ کے راوی سیاکھ کے میراثی تھے اور میراثیوں کے روایت

کردہ شجرات اکثر رطب و یابس سے بھرپور ہوتے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد میانہ پوٹھہ سے نقل مکانی کر کے موضع سیاکھ میں آباد ہوئے اور یہیں اندازاً ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں آپ قاضی صدرالدین ولد قاضی خدابخش اور ایمنہ بی بی کے ہاں پیدا ہوئے۔(۴۲)

تحصیلِ علم: آپ نے بنیادی دینی تعلیم اپنے والدِ گرامی قاضی صدرالدین سے حاصل کی بعدازاں بٹھاہر (آزاد کشمیر) میں کچھ کتب پڑھیں مزید تعلیم کے لیے آپ کو روات ضلع اسلام آباد کے مضافات میں کسی استاد کے پاس آپ کو بھیجا گیا۔(۴۳) اب وثوق سے کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ ان کے استاد کون تھے البتہ قاضی عبدالرحمٰن فاروقی (اراضی تحصیل کلرسیداں) جو قاضیانِ پوٹھوہار کے معروف خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں کے بقول اس زمانے میں روات کے مضافات میں موضع توپ کلیال کے میاں سید رسول قریشی معروف استاد ہوئے ہیں جن سے طلباء اکتسابِ علوم کرتے تھے۔(۴۴) قیاس یہی ہے کہ یہی آپ کے استاد ہوں گے۔ اس کے بعد آپ نے تحصیل دینہ ضلع جہلم کے گاؤں گوڑھا اتم سنگھ میں اس وقت کے معروف و معتبر عالم مولانا محمد محی الدین صدیقی (م ۲۲ اپریل ۱۹۱۱ء) سے تکمیل علوم کی ۔مولانا محی الدین کے بارے میاں محمد بخش قادری کے چہیتے مرید ٹھیکیدار ملک محمد قادری جوان کے ہم عصر بھی تھے نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ: "فاضلِ کامل مولانا مولوی محی الدین صاحب محدث مرحوم گڑھا اوتم سنگھ حضرت شاہ مراد صاحب ولی (۴۵) کی اولاد (سے) تھے۔"(۴۶)، آپ کے ایک اور معاصر عالم قاضی محمد رضا کالسوی (م ۱۲ محرم ۱۳۱۷ھ) نے ان کی وفات کی یادداشت کچھ یوں لکھی ہے کہ: "عبدالعزیز کا والد مسمیٰ مولوی محمد محی الدین محدث گھوڑہ (گوڑھا) ۲۲ اپریل ۱۹۱۱ء کو بوقت ...بروز بدھ بعارضۂ طاعون فوت ہو گئے۔"(۴۷) انہیں کے بارے مولانا رضاء الحق نے لکھا ہے کہ: "وہ اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار اور عالمِ بے بدل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت شفیق استاد بھی تھے۔ ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جب تعلیم سے فراغت پائی تو پھر کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا بنا کتاب ملاحظہ کیے طلباء کو پڑھاتے، تمام کتب کے متون ان کے حافظہ میں محفوظ تھے۔"(۴۸)

مولانا سیاکھوی نے ایسے باکمال استاد سے خوب اکتساب کیا اور بعد از تکمیل موضع سیاکھ میں آ گئے۔ دیگر مآخذ میں مولانا سیاکھوی کا بالترتیب سید نیک عالم شاہ نقشبندی (میرپور) اور مولانا عبداللہ کھنباہی سے بھی کسبِ علوم کا ذکر ملتا ہے(۴۹) مگر آپ کے پوتے مولانا رضاء الحق کے بقول: "مولانا عبداللہ کھنباہی کے ساتھ آپ کے صرف برادرانہ مراسم تھے مگر آپ ان کے شاگرد نہیں تھے البتہ مولانا عبداللہ سیاکھوی جو مولانا ابراہیم سیاکھوی کے برادرِ خورد تھے، مولانا عبداللہ کھنباہی کے شاگرد تھے۔" نیز سید نیک عالم سے تلمذ کے بارے بھی انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔(۵۰)

تدریس کا آغاز: اٹھائیس سال تحصیلِ علم میں صرف کرنے کے بعد آپ نے اپنے گاؤں میں درس و تدریس کا آغاز کیا اور تھوڑے عرصے میں ہی آپ کی شہرت ہر چہار طرف پھیل گئی، گرد و نواح اور دور سے طلباء اپنی احتیاجاتِ علوم پوری کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ذیل میں ان کے چند معروف تلامذہ کے اسماء پیشِ خدمت ہیں۔

مولانا حیات علی رٹوی/ مولانا عبداللہ سیاکھوی/ مولانا مفتی عبدالکریم (کوٹ قندوخاں)/ مولانا محمد عثمان (پونچھ) / مولانا عبد الحق (بلوح/تحصیل ڈڈیال)/ مولانا فضل دین (پونچھ) (۵۱)/ مولانا اشرف اصغر (کھوئی رٹہ)۔(۵۲)

ازدواجی زندگی: ۱۷ رجب ۱۳۲۶ھ/ ۱۵ اگست ۱۹۰۸ء بروز اتوار کو آپ کی شادی ہوئی۔ خدا نے آپ کو دو بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا۔ درس و تدریس کا انتظام آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا منظور عالم (م ۱۹۹۴ء) نے سنبھالا اور ایک مدرسہ اپنے والدِ گرامی کے نام پہ قائم کیا جو اب 'جامعہ ابراہیمیہ سیاکھ' کے نام سے آپ کے پوتے مولانا رضاء الحق اور مولانا مسعود الحق کی زیرِ نگرانی کام کر رہا ہے۔ اسی طرح 'جامع الہدیٰ' کے نام ایک ادارہ برطانیہ کے شہر شیفیلڈ میں مولانا رضاء الحق کی زیرِ نگرانی کام رہا ہے۔(۵۳)

وفات: آپ کا ۱۹۵۵ء میں وصال ہوا۔ جب موسمِ سرما میں منگلا ڈیم

کا پانی اترتا ہے تو آپ کا مدفن نظر آتا ہے مگر موسمِ گرما میں آپ کی قبر پانی میں ڈوب جاتی ہے۔(۵۴)

ملفوظات: مولانا محمد عالم رضوی (میرپور) کو زمانۂ طالبِ علمی میں جب وہ جامعہ رضویہ مظہر الاسلام (فیصل آباد) میں محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد (۱۳۲۳ھ - یکم شعبان ۱۳۸۲ھ) کے پاس زیرِ تعلیم تھے، اسی زمانے میں کچھ دن مولانا سیاکھوی کی صحبت بھی نصیب رہی، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ راقم ان کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ کچھ احباب آپ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے کچھ مسایل دریافت کیے، ان کے جانے کے بعد آپ نے راقم کو اپنے پاس بلایا اور محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ کے بارے میں دریافت فرمایا تو میں نے حضرت محدثِ اعظم کا مختصر ذکرِ خیر کیا جس میں اس بات کا بھی ذکر تھا کہ 'محدثِ اعظم اپنے درسِ حدیث میں بعد از درس قصیدہ بُردہ شریف کا ورد فرماتے ہیں اور تمام طلباء بلند آواز سے قصیدہ کا ورد کرتے ہیں اور آپ ہر مصرعے پر سبحان اللہ فرماتے ہیں۔' یہ سن مولانا سیاکھوی فرمانے لگے: 'اگر میری صحت اجازت دے تو میں ان حدیث کے طلباء کے پاس جا بیٹھوں اور درسِ حدیث سنوں، اگر بیٹھا نہ جائے تو لیٹ کے سماعت کروں۔' آپ نے محدثِ اعظم کے بارے فرمایا 'وہ صرف عالم ہی نہیں بلکہ عالم گر بھی ہیں اور موجودہ زمانہ میں شیخ المحدثین بھی ہیں۔ وہ عشقِ رسول کریم ﷺ میں عظیم منصب پر فائز ہیں، میں ان کو خواب میں دیکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا دربار لگا ہوا ہے، اسی دوران ایک دربان پکارتا ہے کہ 'مولانا سردار احمد کو اندر بلاؤ' جب آپ اندر تشریف لائے تو سبھی نے آپ کا استقبال کیا جنہیں میں نہیں جانتا، سرکارِ دو عالم ﷺ کے گرد بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے، سرکار ﷺ نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ فرمایا تو آپ بھی حاضرین میں بیٹھ گئے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ سے گفتگو فرمائی اور آپ کے جوابات سے خوش ہوئے۔''(۵۵)

مزید لکھا ہے۔

''ایک بار چھترو گاؤں میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں سید عنائیت اللہ گجراتی کو بلایا گیا، مولانا گجراتی اور دیگر مدعوین نے تقاریر کیں۔ دوسرے دن کچھ لوگ مولانا سیاکھوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باتوں باتوں میں جلسہ کا تذکرہ شروع ہوگیا۔ اس پر مولانا سیاکھوی نے ان سے مولانا گجراتی کے بیان سے متعلق استفسار فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضراتِ اہلِ سنت و جماعت ان کے بیان پہ سخت رنجیدہ ہیں کیونکہ بقول مولانا گجراتی: 'فی الوقت اس زمین پہ کوئی بھی ولی اللہ نہیں، لوگوں نے ولایت کا ڈھونگ رچا کر پیٹ پوجا کے دھندے چلا رکھے ہیں اور میں یہ کہتا ہوں کہ جتنے بھی اولیاء اللہ ہیں وہ مکہ و مدینہ چلے گئے ہیں۔' اس پر مولانا سیاکھوی نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا 'شاہ صاحب نے غلط بیانی کی ہے اس لیے کہ وہ اولیاء اللہ کی معرفت سے نا آشنا ہیں۔ یاد رکھو! کوئی قریہ، کوئی بستی ایسی نہیں جس میں ولی اللہ نہ ہو خواہ وہ اعلانِ ولایت کرے یا نہ کرے۔''(۵۶)

مزید لکھا ہے۔

آخری عمر میں پیرانہ سالی کی بدولت جب آپ پہ ضعف غالب آگیا اور آپ کے لیے خود سے رفعِ حاجت کے لیے جانا دشوار ہوگیا تو اس زمانے میں میرے والدِ گرامی حاجی پیراں دتہ مرحوم انہیں اٹھا کر رفعِ حاجت کے لیے لے جاتے۔ ایک رات جب والدِ گرامی انہیں رفعِ حاجت کے لیے لے گیے، جب آپ نے مولانا کے استنجا کے لیے مٹی کے ڈھیلے اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ناگاہ ایک بچھو نے آپ کو کاٹ لیا۔ والدِ گرامی درد کی شدت سے بلبلا اٹھے۔ مولانا کے استفسار پر انہوں نے حقیقت گوش گزار کی، واپسی راستے میں آپ نے والدِ گرامی سے افسوس کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا: 'تمہیں یہ تکلیف میری وجہ سے پہنچی، میرے دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس تکلیف کے بدلے آپ کو حج کی سعادت نصیب فرمائے۔' چنانچہ اسی سال والدِ گرامی کو حج کی سعادت نصیب ہوئی۔''(۵۷)

مزید لکھا ہے۔

''ایک بار کچھ حضرات بیعت ہونے کے ارادے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا، آپ نے ان سے

فرمایا: 'تم کل آنا میں تمہیں مولانا محمد فاضل صاحب کے پاس ڈھنگروٹ بھیجوں گا وہی آپ کو بیعت کریں گے وہ اس کا ملانِ زمانہ میں سے ہیں۔' ان لوگوں کے جانے کے بعد میں نے مولانا محمد فاضل کے بارے استفسار کیا تو فرمایا: 'وہ اہلِ سنت کے جید عالمِ دین اور صاحبِ طریقت ہیں نیز ایک یہ بھی سعادت انہیں حاصل ہے کہ وہ مولانا سردار احمد صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں اور بریلی شریف میں ان سے دورۂ حدیث کیا۔'' (۵۸)

مزید لکھا ہے۔

''ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ ڈاک سے کتاب کا پارسل آیا، آپ موصولہ کتاب ملاحظہ فرما رہے تھے کہ میں نے عرض کیا کہ یہ کونسی کتاب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: 'یہ مثنوی مولانا روم ہے۔' میں نے دوبارہ پوچھا یہ کس زبان میں ہے۔' تو فرمایا: 'فارسی میں۔' میں مزید گزارش کی کہ کیا آپ کو فارسی آتی ہے تو بے ساختہ فرمانے لگے: 'محمد عالم! میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میرے نزدیک فارسی، عربی اور اردو تینوں یکساں ہیں۔' اس سے آپ کی علمی مہارت کا باخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔'' (۵۹)

مستجاب الدعا: مولانا محمد اشرف اصغر (۱۸۹۰ـ ۵ مئی ۱۹۷۹ء) موضع ڈھیری صاحبزادیاں (کھوئی رٹہ، آزاد کشمیر) کے رہنے والے تھے اور اہلِ سنت و جماعت کے نہایت معتبر عالم و مفتی اور پنجابی کے زودگو شاعر تھے، موصوف سیاکھ میں ہی مفتی عبدالکریم جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے کے پاس اکتسابِ علم کر رہے تھے کہ کسی وجہ مفتی صاحب کو دیوبند جانا پڑ گیا وہ انہیں مولانا سیاکھوی کی خدمت میں پیش کر گئے۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد اشرف کے پوتے انوار حسین چشتی جو مقامی کالج میں لیکچرر ہیں لکھتے ہیں کہ:

''موصوف (مولانا سیاکھوی) ایک مستند عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پرہیزگار، نیک خصلت اور روحانی شخصیت تھے۔ آپ (مولانا اشرف اصغر) نے ان سے کتب پڑھنا شروع کیں۔ آپ فرماتے تھے کہ مولانا پر دورِ پیری آچکا تھا میں ان کی خوب خدمت کیا کرتا، ایک رات میں میں انہیں دبا رہا تھا وہ سو گیے اور میں دباتا رہا جب کافی دیر کے بعد آنکھ کھلی تو مجھے بس کرنے کو کہا، آپ کا دل خوش ہوگیا اور دلی دعا کام کر چکی تھی۔ دوسری صبح کتاب پڑھانے کے بجائے سنانے کو کہا میں نے عرض کیا کہ یہ ابھی پڑھی نہیں۔ جب پھر حکم دیا تو پھر سنانے میں کوئی مشکل درپیش نہ ہوئی، آپ کی نگاہِ لطف کام کر چکی تھی، پھر تھوڑے ہی عرصہ میں کئی کتب کھنگال دیں۔'' (۶۰)

انہی مولانا اشرف اصغر کی ایک نظم بعنوان 'یادِ رفتگاں' میں مولانا سیاکھوی کا بھی ایک شعر میں ذکر ہے۔

کی کی گن دساں گنن نہیں ہوندے بڑے شان والے باصفا چل گئے
کراں اپنے وقت دی گل یارو! حضرت سیاکھوی عمل کما چل گئے (۶۱)

مولانا اشرف کے مجموعہ کلام 'پھلاں بھری چنگیر' میں پانچ منظوم خطوط بنام مولانا سیاکھوی ملتے ہیں۔ جن میں ایک فارسی، ایک عربی اور تین پنجابی زبان میں ہیں، ان خطوط میں وہ مولانا سیاکھوی سے بھرپور عقیدت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں، مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں:

اتھے خیر تساڈڑی خیر چاہواں رکھے رب اقبال ہزار اتے
آیا خط کہ جو خوش خط آہا چم رکھیا میں ابصار اتے
حمد، شکر، ہزار ہزار آکھاں تساں رحم کیتا خاکسار اتے
پچھے مدتاں یاد غلام کیتا ہویا کرم اے تابعدار اتے (۶۲)

اسی طرح ایک خط میں مولانا سیاکھوی کی خدمت میں دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ کھوئی رٹہ جہاں مولانا اشرف خطیب تھے دو مکاتبِ فکر کے علماء و حضرات ان کے مخالف ہیں ایک اہلِ حدیث اور ایک دیوبندی مگر بفضلِ خدا ابھی تک وہ مکمل ناکام رہے ہیں۔ اگلے شعر میں وہ مولانا سیاکھوی سے دعا کی استدعا کرتے ہیں کہ دو گروہ مخالف ہیں اور بندہ اکیلا ہے۔

الحدیث ، دیوبند جو رکھن بغض ملامی
مگر خدا وند اج توڑی کل رکھی ناکامی
کرو دعا میرے حق وچ مولا کرم کماوے
دشمن، دو، تے حاسد بندے، کوئی نہ طاقت پاوے (۶۳)

اسی طرح ایک خط میں انہیں عید میلاد النبی ﷺ پہ انہیں مدعو کرتے ہیں:

پہلے خط میں واپسی ٹور دتا ہن بھی کراں تاکید دوبار کر کے
تساں آوناں عید میلاد اتے مڑ مڑ کراں اے عرض اصرار کر کے
بالفرض جے موقع ملے ناہیں آؤ بعد بھی وقت گزار کر کے
ویکھاں مکھڑا دکھڑے دور ہون اصغر دے لنوں خوشی دیدار کر کے (۶۴)

بیعتِ طریقت: باوجود کوشش یہ معلوم نہیں ہو پایا کہ آپ کی نسبتِ بیعت کس سے تھی، البتہ آپ کے روحانی رجحانات کے بارے آپ کے پوتے رقمطراز ہیں کہ:

"آپ صوفی منش عالم دین تھے۔ تصوف کی مائل طبیعت اور سیاست و دنیوہ جاہ و حشمت اور خواہشاتِ نفس کے درمیان ایک حد فاصل تھی۔ حافظ محمد عبداللہ صاحب ڈھنگروٹ (ڈھانگری شریف) اکثر آپ کے پاس حاضری دیا کرتے اور ہدیے لاتے تھے۔ اسی طرح خانقاہ نقشبندیہ عیدگاہ (راولپنڈی) کے بانی ضرت حافظ عبدالکریم بغرضِ ملاقات پالکی میں تشریف لائے اور مولوی محمد عبداللہ سیاکھوی (آپ کے برادرِ خورد) کے ہاں قیام فرمایا۔ مولوی محمد ابرہیم صاحب ولائت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے لیکن گمنامی زیادہ مرغوب تھی۔ علماء و مشائخ دور دراز علاقوں سے زیارت کرنے آتے اور آپ (خود) بھی بزرگانِ دین اور وقت کے مشائخ کے پاس تشریف لے جاتے۔ آپ کو کشف کا مقام حاصل تھا۔ بقول اہل خانہ و افرادِ خاندان جنات کی درس و تدریس کا مشاہدہ کیا گیا۔ مقامی اور دیگر دور دراز سے آنے والے عقیدت مند اُن کی کرامات کا تذکرہ اور ذکر کرتے۔ مولانا محمد عبداللہ کھمباہ والے اکثر تشریف لاتے اور دوطرفہ آمدورفت رہتی تھی۔" (۶۵)

مولانا سیاکھوی اور اعلیٰ حضرت:

آپ نے ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (بمطابق، ۲۱ ستمبر ۱۹۱۸ء (۶۶)) کو اعلیٰ حضرت سے ایک استفتاء منگوایا، سوال یہ تھا:

"ایک قطعہ اراضی جو مسجد کے قریب واقع ہے آباؤ اجداد سے خادم آبِ مسجد اس کی کاشت کرتے ہیں اور ماحصل اس کا کھاتے ہیں اور خراج اس کا ادا کر دیتے ہیں اگر خدمتِ ماء چھوڑ دیں تو اہلِ دیہہ دوسرے خادمِ آبِ مسجد کو دیتے ہیں اسی طریق پر قبضہ اراضی مذکور کا بدلتا جاتا ہے، معلوم نہیں ہوتا کہ آباؤ اجداد اہلِ دیہہ نے کس طرح اراضی بالا کو مقرر کیا مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی وقف کیا یا بعدہٗ وقف کیا ہے یا بوجہ اعمال بطور خدمت مذکور دی گئی اور ملک خود باقی، اگر اب موجودہ اہل دیہہ اراضی مملوکہ مشترکہ سمجھ کر اس کے کئی گوشہ پر تعمیرِ مکان امام مسجد کرا دیں اور یہ کہیں کہ یہ اراضی مشترکہ مملوکہ ہمارے آباؤ اجداد کی ہے ہم کو اختیار ہے جو کرے خادم آبِ مسجد صرف مزدوری کا مالک ہے اس کی مزدوری نقد وغیرہ سے ادا کریں، بالاتفاق تعمیر مذکور کرا دیں، آیا یہ عمارت اس قطعۂ اراضی میں جایز ہے یا نہیں؟ چونکہ ہمارے ہاں لوگ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے شروط اور ارکانِ وقف سے واقف نہیں، پس یہ اراضی بالا کس امر پر محمول ہو گی، وقف سمجھی جائے گی یا مملوکہ اہلِ دیہہ متصور ہوگی یا کسی اور طریق پر محمول ہوگی ہر ایک قید قیود مدِ نظر فرما کر باتعجیل جواب باصواب سے ممتاز فرمائیں۔ ہمارے لوگ اکثر جوابہائے سوال دیوبندیوں سے منگواتے ہیں چونکہ یہ فقیروں کی جانب سے بعض مسایل اعتقادی عمل میں گراں خاطر ہیں اس واسطے حضرت کو تکلیف دی گئی۔"

اعلیٰ حضرت نے جواب عطا فرمایا کہ

"اگر وہ زمین بنام وقف مشہور ہو تو بلاشبہ وقف ہے کہ وقف شہرت سے ثابت ہو جاتا ہے اگرچہ پتہ نہ چلے کہ کب اور کس نے وقف کیا جیسا کہ قدیم مساجد کو بلاشبہ وقف ہیں اگرچہ نہیں بتا سکتے کہ کس نے کب بنائیں، درِمختار میں ہے: 'تقبل فیہ الشھادۃ بالشھرۃ، ملخصاً۔' (وقف میں شہرت کی بنیاد پر شہادت مقبول ہے۔)، ردالمحتار میں ہے: 'فی الاسعاف عن الخانیۃ و تصح دعوی الوقف والشھادۃ بہ من غیر بیان الوقف۔' (اسعاف میں خانیہ سے منقول ہے، وقف میں دعویٰ اور شہادت بیان واقف کے بغیر بھی صحیح ہے) اور اگر وقف مشہور نہ ہو نہ اور کسی ذریعۂ شرعیہ سے اس کا وقف ہونا ثابت ہو اور یہ ثابت ہو کہ

فلاں شخص کی ملک تھی اور یہ ثبوت گواہانِ عادل سے ہو تو وہ اس شخص کا ترکہ اور اس کے وارثوں کی ملک ہے جو چاہے کریں اور اگر اس کا بھی ثبوت نہ ہو تو جس طرح سے قدیم سے خادمانِ آب کے قبضے میں چلی آتی ہے یونہی رہے گی، اہلِ دیہہ بلا ثبوتِ شرعی اس پر دعویٰ ملک یا کوئی تصرف جدید نہیں کر سکتے۔ امام ثانی مذہب سیدنا ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں: 'لیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الابحق ثابت معروف۔' (امام کو جائز نہیں کہ بغیر حق ثابت و معروف کے کسی کے قبضہ سے کوئی شے خارج کرے) بلکہ قدیم سے کا یونہی چلے آنا اور کسی کا دعویٰ ملک نہ کرنا حال کے لوگوں کے دعویٰ ملک کو ناقابلِ سماعت کرتا ہے۔ ردالمحتار مسایل شتی میں ہے: 'فی الحامدیة من الولوالجیة رجل تصرف زمانا فی ارض و رجل اخر یری الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولده فتترک علی ید المتصرف۔' (حامدیہ میں بحوالہ ولوالجیہ ہے کہ ایک شخص کچھ عرصہ ایک زمین میں تصرف کرتا رہا اور دوسرا شخص اسے زمین میں تصرف کرتے دیکھتا رہا اور اس پر دعویٰ نہیں کیا پھر اسی حال میں مر گیا تو اس کے بعد اس کے بیٹے کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا لہٰذا وہ زمین حسبِ سابق متصرف کے قبضہ میں رہنے دیں گے) اور جبکہ کسی کی ملک ثابت نہیں، نہ اب دعویٰ ملک سنا جائے اور متعلق مسجد ہونا قطعاً معلوم کہ اسی خادمانِ آب کے تصرف میں رہتی ہے اور وہ مسجد کیا اس کا خراج ادا کرتے ہیں تو مسجد پر وقف ہی سمجھی جائے اور یہ طریقہ کہ اجرتِ آب میں ان کو دی جاتی ہے کہ خراج دیں اور باقی ماحصل اپنی مزدوری میں لیں حرام ہے کہ اجرتِ مجہولہ بلکہ غرور وخطر میں ہے اور مسلمانوں کا کام حتیٰ الامکان صلاح پر محمول کرنا واجب، کما نصوا علیہ قاطبة وغیر ما مقام (جیسا کہ علمائے متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی) تو یہ تعامل قدیم یوں سمجھا جائے گا کہ واقف ہی نے زمین اسی شرط پر وقف کی کہ خادمانِ آب مسجد اس کی کاشت کریں اور محاصل کھائیں اور خراج مسجد کو دیں تو اس طریقے کی تبدیل کسی کے اختیار میں نہیں، فان شرط الواقف کنص الشارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم (واقف کی شرط شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح ہے۔)۔'' (۶۷)

حوالہ جات وحواشی

[۱] بشیر مہدی حسن کی تحقیق کے مطابق اس کا نام 'ہدایت المؤمنین' ہے، جسے اس کے ناشرِ اول اور مصنف کے خلیفہ ٹھیکیدار ملک محمد قادری (۷۔۱۸۴۶۔۲۷ مئی ۱۹۲۳ء) نے اس کی اشاعتِ اول کے وقت اس کا نام 'ہدایت المسلمین' تجویز کیا۔ کتاب ہذا مصنف کے وصال کے بعد اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی۔ راقم کے کتابخانہ میں ایک نسخہ جو ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ کا مکتوبہ ہے اس میں اس کا نام 'ہدایت المؤمنین' ہی مرقوم ہے، جس سے بشیر مہدی حسن کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے (حسن، بشیر مہدی، صاحبِ سیف الملوک کے آثار وافکار: مشمولہ، المعارف: لاہور، خصوصی شمارہ ۴، مارچ، اپریل ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۲)

[۲] آپ نے کتاب مذکور تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی کے گاؤں پنڈوری کے معاصر ہم نام عالم و شیخ میاں محمد بخش پنڈوروی (م ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ) کی فرمایش پہ ترتیب دی تھی۔ (میاں محمد، ہدایت المؤمنین: کاتب، قاضی فیض عالم پسر قاضیصاحب قاضی محمد امین نکڑالی والے، کتابت، ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ در مسجد پنڈ جھاٹلہ (ضلع راولپنڈی)، مخزونہ، نزالی شریف (تحصیل گوجر خان)، کتابخانۂ راقم، ص ۸۷)، میاں صاحب پنڈوروی آپ کے شیخ استفاضہ شیخ احمد تارہ ملی (۱۲۰۱-۱۵ رجب ۱۲۷۸ھ) کے خلیفہ تھے۔

[۳ تا ۶] مولانا کھدباہی کے تمام کوائف کا مآخذ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی مرتبہ سوانحیات (غیر مطبوعہ) ہے۔ مولانا کھدباہی کی نشاندہی (جس میں خاصی مشکل پیش آئی) کے لیے راقم مولانا محمد بشیر صاحب مصطفوی (میرپور)، برادرم مولانا محمد سہیل احمد صاحب سیالوی (دینہ، ضلع جہلم/صوبہ پنجاب) کا نہایت شکرگزار ہے۔ جبکہ برادرم صوفی طارق محمود صاحب (ڈھیری رستم ضلع

میر پور) خصوصی تشکر کے مستحق ہیں کہ جنھوں طویل سفر کیا اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے قلمی سوانحیات کا نسخہ لے کر آئے۔ یہ سچ ہے کہ اگر طارق صاحب کا تعاون شامل نہ ہوتا تو یقیناً یہ مقالہ شاید پایۂ تکمیل نہ پہنچتا۔ موصوف نے مولانا حافظ محمد مطیع اللہ سموالوی اور مولانا ابراہیم سیاکھوی کے احوال کی فراہمی میں بھی راقم کی ہر ممکن مدد کی۔ این سعادت بزور بازو نیست

[۷] چشتی، انوار حسین، حضرت مولانا محمد اشرف اصغر (مصنف کتاب)، مشمولہ، پھلاں بھری چنگیر: کھوئی رٹہ، مرتب خود، فروری ۱۹۹۹ء، اول، ص ۴

[۸ تا ۱۰] عبدالرحمٰن

[۱۱] جہانگیر، حاجی محمد، صد سالہ جہانگیری جنتری: لاہور، جہانگیر بک ڈپو، ۱۹۷۶ء، اول، ص ۸۸

[۱۲ تا ۱۳] عبدالرحمٰن

[۱۴] مصطفوی، مولانا محمد بشیر، ٹیلیفونک گفتگو از راقم: یکم شعبان ۱۴۲۸ھ، نیز سید نیک عالم نقشبندی کے وصال پر آپ نے منظوم پنجابی و فارسی قطعات وصال بھی کہے تھے۔ (نیک عالم شاہ، پیر سید، سی حرفی ہائے نیک عالم شاہ: گل پیڑہ (میر پور)، اخوندزادہ مولوی محمد زبیر رحمانی نقشبندی، رمضان ۱۳۰۷ھ، ص ۳۲-۳۳)

[۱۵] جہانگیر، ص ۴۷

[۱۶] بریلوی، امام احمد رضا خان، العطایا النبویہ فی فتاوی الرضویہ: لاہور، رضا فاؤنڈیشن، ربیع الاول ۱۴۱۷ھ/اگست ۱۹۹۶ء، ۱۰/۲۹۷-۳۰۱

[۱۷] عارف، حافظ سید میراں محمد فاضل شاہ، بحر الفیض حیدری: جہلم، سید مشتاق شاہ خوارزمی، جون ۱۹۸۰ء، سوم، ص ۳۰

[۱۸] میاں محمد زمان (پ ۶ جون ۱۹۲۱ء) جو میاں محمد بخش قادری کے بھائی کی اولاد میں سے ہیں کی روایت کے مطابق: "سموال شریف میاں محمد بخش کے جد روحانی پیرے شاہ غازی (م ۱۱۶۳ھ) کی بددعا کی وجہ سے غیر آباد ہو گیا تھا، حافظ صاحب نے پیرے شاہ غازی کے مزار پہ آ کر ان سے اجازت طلب کی تو پیرے شاہ غازی نے آپ کو آباد ہونے کی اجازت اس شرط کے ساتھ عطا کی کہ راجہ سرخرو خان جس کی گستاخی اور ظلم کی بدولت یہ گاؤں ویران ہوا تھا کی اولاد میں سے یہاں کوئی رہائش پذیر نہیں ہوگا۔ (زمان، میاں محمد، گفتگو از راقم: کھڑی شریف، ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ)

[۱۹] عارف، ص ۳۲

[۲۰] اسلم، حافظ محمد (بعمر ۸۰ سال)، گفتگو از صوفی طارق محمود: سموال شریف، ۱۴ اگست ۲۰۰۷ء

[۲۱] محمد بخش، میاں، قصہ سوہنی مہینوال: جہلم، ملک نور اینڈ سنز پبلشرز، اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۶۴

[۲۲] 'قرابادین پنجابی'، آپ کی وہ منظوم پنجابی تالیف ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۶ء میں لاہور سے شایع ہوا جب کہ دوسرا ۱۳۰۴ھ میں اسلامیہ پریس لاہور، اور تیسرا بلا سن مطبع مصطفائی لاہور سے شایع ہوئے۔ (شہباز ملک، ڈاکٹر، پنجابی کتابیات: اسلام آباد، اکادمی ادبیات، مئی ۱۹۹۱ء، ۱/۴۴۱)

[۲۳] اظہر، ڈاکٹر غلام حسین، میاں محمد بخش (شخصیت اور فن): بھمبر، راجہ اصغر رضا، نومبر ۱۹۸۹ء، دوم، ص ۴-۵

[۲۴] قلعہ داری، ڈاکٹر احمد حسین قریشی، تاریخ گجرات: لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۵ء، ص ۱۴۹

[۲۵] اسلم

[۲۶ تا ۲۸] اسلم: زمان، میاں محمد، گفتگو از راقم: کھڑی شریف، ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

[۲۹] برطابق کتبۂ قبر

[۳۰ تا ۳۲] اظہر، ص ۵

[۳۳] حنفی، میاں غلام محی الدین، نور العین فی الدارین: جہلم، مطبع سراج المطابع، یکم مئی ۱۹۱۳ء، ص ۵۲

[۳۴] محمد بخش، میاں، ہدایت المسلمین (مشرح): شارح، مولوی محبوب علی ابن قاضی سلطان علی، مظفر آباد، نظامت اوقاف، ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۷-۱۸۸

[۳۵] مصطفوی: اسلم

[۳۶] جہانگیر، ص ۵۶

[۳۷] بریلوی: محرم ۱۴۱۸ھ/مئی ۱۹۹۷ء، ۱۱/۷، ۶۴۷۔ ۶۴۸

[۳۸] رضاالحق، مولانا (الف)، ٹیلیفونک گفتگو از راقم: ۲۷ اگست ۲۰۰۷ء

[۳۹] ایضاً (ب)، ای۔ میل بنام راقم: ۳۱ اگست ۲۰۰۷ء

[۴۰] دانش، زیارب علی، سی حرفی معارف سلطانی: موہڑہ ہیراں (ضلع میرپور آزاد کشمیر)، شاعر خود، جولائی ۱۹۸۹ء، اول، ص ۵

[۴۱] نقیبی، صوفی نثار احمد (پ ۲۹ مارچ ۱۹۴۵ء)، ٹیلی فونک گفتگو از راقم: ۳ ستمبر ۲۰۰۷ء

[۴۲ تا ۴۳] رضاالحق (ب)

[۴۴] فاروقی، قاضی عبدالرحمن، ٹیلیفونک گفتگو از راقم: ۳ ستمبر ۲۰۰۷ء

[۴۵] شاہ مراد صدیقی (م ۱۱۱۴ھ) خانپور ضلع چکوال میں جان محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کی نسبتِ بیعت شیخ محمد قادری (م ۱۱۳۰ھ) سے تھی جو خطۂ پوٹھوہار کے معروف صوفی شیخ عبداللہ قادری معروف بہ دیوان حضوری (۲۹ شعبان ۹۷۴-۲۰ شوال ۱۰۷۲ھ) کے پوتے تھے۔ شاہ مراد بیک وقت فارسی اردو اور پنجابی کے قادرالکلام شاعر تھے، یہ خصوصیت آپ ہی کے حصہ میں آئی کہ آپ پنجابی غزل کے موجد ہیں، ۱۹۰۸ء میں 'کلامِ شاہمراد' کے نام سے آپ کا کلام سراج الدین صدیقی چشتی حیدری نے مرتب کر کے شائع کرایا۔ ان کا کچھ غیر مطبوعہ کلام راقم کے کتابخانہ میں محفوظ ہے۔

[۴۶] ملک محمد، میاں، سوانحعمری حضرت میاں محمد صاحب: مشمولہ، سفرالعشق یعنی قصہ سیف الملوک و بدیع الجمال: جہلم، سراج المطابع، ۱۹۱۴ء، ص ۴۹۹

[۴۷] کالسوی، قاضی محمد رضا، یادداشت بر ورقِ زاید یکے از کتاب کہ در ملکیت او بود: مملوکہ راقم

[۴۸] رضاالحق (ب)

[۴۹] نقشبندی، سید مراد علی شاہ حنفی مختصر سوانحیات مع چند ملفوظات و مکتوبات: مشمولہ، مجموعہ سی حرفی ہائے: میرپور، سید مراد علی شاہ حنفی نقشبندی، (۱۳۸۴ھ)، ص ۴

[۵۰] رضاء الحق (الف)

[۵۱] رضاء الحق (ب)

[۵۲] چشتی، ص ۴

[۵۳ تا ۵۴] رضاء الحق (ب)

[۵۵ تا ۵۹] رضوی، مولانا محمد عالم، یادداشتیں بفرمائش مولانا محمد بشیر مصطفوی: میرپور

[۶۰] چشتی، ص ۴

[۶۱] چشتی، ص ۱۴۰

[۶۲] ایضاً، ۱۵۹

[۶۳] ایضاً، ص ۱۶۰

[۶۴] ایضاً، ص ۱۶۱

[۶۵] رضاالحق (ب)

[۶۶] جہانگیر، ص ۵۶

[۶۷] بریلوی: جمادی الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ/ستمبر ۱۹۹۹ء، ۱۶/۷، ۴۷۔ ۴۷۴

خصوصی تشکر: مقالۂ ہٰذا کی تکمیل کے سلسلہ میں درج ذیل حضرات کا مشکور نہ ہونا احسان فراموشی ہو گی: میاں محمد زمان، علامہ محمد بشیر مصطفوی، مولانا عبدالرحمن، صوفی طارق محمود، مولانا رضاء الحق، مولانا محمد سہیل احمد سیالوی، زبیر احمد قاضی، پروفیسر انوار حسین چشتی، مولانا محمد وسیم

استدراک:

مقالۂ ہٰذا میں شامل مولانا سیاکھوی کے استاد مولانا محمد محی الدین قریشی محدث گڑھوی بھی ان علمائے کرام میں شامل ہیں کہ جنہیں ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو مرزا غلام احمد قادیانی نے بذریعہ ایک اشتہار دعوت مع ضمیمہ (مطبوعہ: ضیاء الاسلام پریس قادیان) چیلنج کیا تھا۔ (۱)

حوالہ:

۱۔ بہاولپوری، مولوی عبداللطیف (مرتبہ)، مجموعۂ اشتہارات: ربوہ، الشرکت الاسلامیہ، ۳/۲۴۰

زینۃ البلاد "شام" میں افکار و تعلیماتِ رضا کی تابانیاں

از: مولانا محمد سہیل احمد سیالوی☆

ماہ شوال المکرّم ۱۴۲۷ھ میں راقم الحروف کو چودہ دن کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام، صحابۂ عظام اور علماء وصلحاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سرزمین "شام" میں جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میری اس خواہش کی تکمیل میں میرے محترم ومکرم بزرگ حضرت صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری زید مجدہ العالی (صدر، ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل) اور میرے مخلص دوست، علم پرور عالمِ دین حضرت مولانا ڈاکٹر حافظ محمد اشفاق جلالی دامت برکاتہم العالیہ کی تشویق وتحریک کا بہت دخل ہے۔ پہلے راقم نے پاکستان میں موجود شام کے سفارت خانے کے ذریعے ویزا حاصل کرنے کی کوشش کی تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ طلباء اور دینی رہنماؤں کے لیے کسی بھی قسم کا ویزہ دینے سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔ اس دوران شرف ملت رحمہ اللہ تعالیٰ کے لختِ جگر حضرت ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی مدظلہ العالی سے مشاورت کی انہوں نے مفید مشورے عطا فرمائے، حضرت صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری زید مجدہ نے شام میں موجود پاکستانی عالمِ دین، مولانا عامر اخلاق صدیقی حفظہ اللہ تعالیٰ کو فون کر کے میرا تعارف نہایت شاندار الفاظ میں کیا اور فرمایا کہ یہ میرے صاحبزادے کی طرح ہیں، انہیں آپ ہر صورت میں ویزا دلوائیں اور شام کے علماء، صلحاء و مشائخ کرام سے ان کی ملاقات کروائیں مستقبل میں ہمیں ان صاحبزادے سے بہت کام لینا ہے۔ پھر سید صاحب نے مولانا عامر صاحب زید مجدہ کا فون نمبر عطا فرما کر ان سے میرا براہ راست رابطہ کروایا، بالآخر انہی مولانا کی مخلصانہ کوششوں کی وجہ سے مجھے شام کا ویزہ بھی ملا اور انہی کی عنایاتِ خسروانہ کے سائے میں مجھے چودہ دن رہنے کی سعادت حاصل ہوئی اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب حضرات کو دارین میں اعلیٰ ترین جزاء سے نوازے۔

میرے اس سفر کے جملہ مقاصد علمی، روحانی اور تحقیقی تھے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں اس مختصر مدت میں کما حقہ ان مقاصد کو حاصل کر سکا تاہم میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ سفر مجھے اس طرح کے مزید اسفار پر ابھارتا رہے گا اور اس کی حسین یادیں تادیر دل ودماغ کو معطر رکھیں گی۔ یہ وہ مقدس سرزمین ہے جس کے بارے میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے شام پہ سایہ کناں رہتے ہیں۔ دوسرے مقام پہ فرمایا کہ جب تک شام میں خیر رہے گی پوری دنیا میں خیر رہے گی اور جب یہاں شر آئے گا پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آجائے گی۔ یہ مقدس سرزمین انبیاء وصالحین کے مزارات اور مشاہد سے بھری ہوئی ہے۔ ایک ہزار سال سے زیادہ پرانے، جامع مسجد اموی کے قدیم در ودیوار اور اس کے اندر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مزارِ مقدس، محبِ محبوب رب العالمین، کشتۂ عشقِ مصطفیٰ ﷺ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سید الاولیاء، شیخ اکبر حضرت محیی الدین ابن العربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام العلماء حضرت سیدنا عبد الغنی نابلسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فقہِ شافعی کے مجدد، حضرت سیدنا امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صاحب در مختار، امام علاؤ الدین حصکفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علامہ ابن عابدین شامی رضی اللہ عنہ اور دیگر درجنوں اکابر علماء وصلحاء کے مزارات سرزمین شام کے ماتھے کا وہ جھومر ہیں جو اسے دیگر بلاد واوطان سے ممتاز کرتے ہیں۔ شام کے علماء میں تواضع، انکساری، علم کی تڑپ، تحقیق وجستجو کا ذوق قابلِ تقلید حد تک موجود ہے۔ طلباء میں خوش اخلاقی اور حصولِ دین کا جذبہ ہمارے مدارس کے طلباء کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ مدارس میں حکومت کا معین کردہ نصاب پڑھایا جاتا ہے، علماء حکومتی نظام تعلیم میں پوری طرح شامل ہیں لیکن حکومتی نصابِ تعلیم کو علماء دینی ضروریات کے اعتبار سے کافی خیال نہیں کرتے، اور طلباء کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ ان کے پاس الگ پڑھیں، یوں مساجد میں اور شیوخ کی بیٹھکوں میں علمی محفلیں آباد ہیں۔ کہیں صحیح بخاری اور سنن ترمذی کا درس ہو رہا ہے تو کہیں ہدایہ اور درمختار پڑھائی

☆ استاذ فقہ وعربی ادب، جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ، گجرات، پاکستان۔

جارہی ہیں۔ کہیں میراث اور کہیں علم کلام کی بحثیں گرم ہیں۔ یہ سارا کام علماء بغیر کسی معاوضے اور فیس کے کر رہے ہیں۔ طلباء میں اساتذہ کے ادب واحترام کی جو کیفیت شام میں دیکھنے کو ملی وہ ہمارے یہاں مفقود ہو چلی ہے۔

ہندوستان کے علماء کا علوم عقلیہ کے اعتبار سے تَوَفُّق بلادِ شام میں ہر دور میں مسلم رہا ہے۔ اب بھی شام کے علماء، منطق و فلسفہ وغیرہ علوم عقلیہ میں بہت کم دست رس رکھتے ہیں اور ان فنون میں علماء پاک و ہند کی برتری تسلیم کرتے ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ علوم ان علماء کی توجہ کا خاص مرکز ہیں۔ ایک خاص علم جس کی طرف وہاں کے علماء وطلباء کو راقم نے خاص طور پر منعطف دیکھا وہ علمِ کلام ہے۔ عقائد کے مختلف منظوم متون وہاں نہ صرف پڑھائے جارہے ہیں بلکہ بعض طلبہ انہیں از بر بھی کرتے ہیں۔ حمص کے ایک نوجوان عالمِ دین جن سے دو تین دفعہ شرف ملاقات ملا، اس فن سے خصوصی شغف رکھتے تھے، انہوں نے خود اس فن میں ایک منظومہ تحریر کیا ہے، جو ابھی تک طبع نہیں ہوا۔ میری گزارش پر انہوں نے اس کے دس سے زائد اشعار سنائے جن میں اعلیٰ درجے کی لطافت، سلاست اور معنویت تھی۔ میں نے جب اس موضوع پر انہیں چھیڑا تو انہوں نے علم کلام پر لکھے گئے ایک درجن سے زائد منظومات اور ان کے مصنفین کے اسماء گرامی مجھے یوں سنائے جیسے یہ سب اچھی طرح ان کی نظر سے گزر چکے ہیں۔ فرقۂ مجسمیہ کے رد میں ان لوگوں کی تحقیق بہت عمدہ ہے (یاد رہے کہ ابنِ تیمیہ بھی تجسیم کے قائل تھے)۔

شام میں آکر اہلِ سنت کے جن علماء کو یہاں کے علمی طبقہ میں متعارف پایا ان سب میں قدرِ مشترک ان کا تحریری کام ہے، لہذا میں یہ بات کہنا چاہوں گا کہ بلا شک وشبہ تدریس اور تقریر کے شعبے اہم ترین حیثیت کے حامل ہیں تاہم بین الاقوامی سطح پر اہل سنت و جماعت کے نظریات کی ترویج کے لیے تحریری کام اور وہ بھی عربی میں بے حد ضروری ہے۔

شام میں جن علماء سے بکثرت علماء وطلباء کو متعارف پایا ان میں سے نمایاں ترین اشخاص تین ہیں، ممکن ہے وقت کی قلت کی وجہ سے میرے مشاہدہ میں وسعت نہ آسکی ہو۔

(۱) امامِ اہلِ سنت فاضلِ بریلوی نور اللہ مرقدہ

فاضلِ بریلوی نور اللہ مرقدہ کے حسنِ نیت اور اخلاص وللّٰہیت کی برکت ہے کہ رب ذوالجلال نے ان کے معطر ذکر کی خوشبوئیں پوری دنیا میں بکھیر دی ہیں۔ شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا ملک ہو جس میں فاضل بریلوی کا نام اور ان کا کام نہ پہنچا ہو، درجنوں سکالرز ان کی انوکھی تحقیقات پہ ایم فل اور ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں، شام کی صورتِ حال بھی کچھ ایسی ہی ہے یہاں آکر جس انصاف پسند عالمِ دین یا طالبِ علمِ دین سے سوال کیا {هل تعرف الشيخ احمد رضا الهندي؟} (کیا آپ شیخ احمد رضا ہندی سے متعارف ہیں؟) تو اس نے اثبات میں جواب بھی دیا اور آپ کے بارے میں توصیفی کلمات بھی کہے۔ اس میں بلا شک و شبہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا اور ان دیگر مخلص اداروں اور افراد کی کاوشوں کا دخل بھی ہے جو مشنِ اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کے لیے دن رات سرگرم عمل ہیں۔

اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کی عربی تصانیف کی مقبولیت:

شام میں کسی کتاب کی طباعت آسان کام نہیں ہے اس کے لیے بہت سے قانونی اور حکومتی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، اور اوقاف کی اجازت کے بغیر کوئی کتاب طباعت کے مراحل سے نہیں گزر سکتی اس لیے فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب ابھی تک یہاں سے چھپ تو نہیں سکیں تاہم اکثر علماء کے پاس اعلیٰ حضرت کے عربی یا معرب رسائل فوٹو سٹیٹ کی شکل میں موجود ہیں۔ شام میں فوٹو سٹیٹ کا معیار اتنا اچھا ہے کہ پاکستان کی پریس کی معمول کی پرنٹنگ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ آپ فوٹو سٹیٹ والے کو کتاب دیں وہ بہترین فوٹو کاپی کر کے جلد بنا کر آپ کو دے دے گا۔ دوسرے ملکوں کی کتابیں جن کی مانگ زیادہ ہوتی ہے یہاں کے تاجرانِ کتب ان کی کئی کئی سو فوٹو کاپیاں بنوا کر رکھ لیتے ہیں اس طرح طباعت کے بغیر شائقینِ علم کی پیاس بجھتی رہتی ہے۔ دمشق میں کتابوں کی تجارت کا بڑا مرکز

''الحلبوني'' ہے۔ کراچی کے دوست مولانا عمران قادری مجھے وہاں لے گئے۔ وہاں ایک بہت بڑا مکتبہ ''دارالبیروتی'' ہے اس میں ایک زاویہ اعلیٰ حضرت کی کتب کے لیے خاص ہے۔ مکتبہ کے سیلز مین نے بتایا کہ ہم شیخ احمد رضا کی کتابیں کئی کئی سو کی تعداد میں فوٹو سٹیٹ کر کے رکھتے ہیں لیکن قلیل عرصے میں وہ شائقینِ علم کی لائبریریوں کی زینت بن جاتی ہیں۔ اور شیلف خالی ہو جاتے ہیں۔

اسکالرز اور محققین کی نگاہ میں اعلیٰ حضرت کی قدر و منزلت:

جامعات کے اساتذہ اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کسی مسئلے پر ریسرچ کرتے ہوئے اس بات کی تلاش میں رہتے ہیں کہ اس موضوع پر شیخ احمد رضا خان کی کوئی کتاب ملے۔ کچھ عرصہ پہلے وہاں کے بعض علماء کو قادیانیت کے خلاف مواد کی طلب ہوئی تو انہوں نے وہاں موجود پاکستانی طلباء سے پوچھا کہ اس موضوع پر شیخ کا کیا کام ہے؟ مولانا عامر اخلاق صدیقی، مولانا محمد عمران قادری اور مولانا فرقان وغیرہ علماء نے انہیں {محمد خاتم النبیین} اور {القادیانیة} کتابیں پیش کیں جو اعلیٰ حضرت کے اس موضوع پر لکھے گئے رسائل کی تعریب ہے۔

بعض علماء جو روحانیت سے بہرہ ور ہیں اور تصوف سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں ان کے نزدیک اعلیٰ حضرت کا تصور ایک عالمِ دین سے بڑھ کر ایک مرشدِ روحانی اور منبع فیوض الٰہی کا ہے۔ مولانا عمران قادری نے راقم کو بتایا کہ ایک دفعہ میرے ایک شامی استاذ نے مجھے فرمایا کہ فتاویٰ رضویہ کی تمام جلدیں مجھے دو، میں اپنے لیے فوٹو سٹیٹ کروانا چاہتا ہوں میں نے عرض کیا کہ وہ تو اردو میں ہے آپ اس کو کس طرح پڑھ سکیں گے؟ اس پر شیخ نے فرمایا کہ میں اسے بطورِ تبرک گھر میں رکھنا چاہتا ہوں۔ جو بعض مباحث عربی میں ہیں انہیں ہی پڑھ لیا کروں گا۔

کچھ عرصہ قبل شام کے ایک ادارے نے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جو {حاشیة الامام ابن عابدین الشامی علی الدر المختار} کو از سر نو مدون کرے گی، اور اس پر اب تک پوری دنیا میں جو کام ہوا ہے اس کو ترتیب دے گی۔ اس میں فاضل بریلوی کا جلیل القدر حاشیہ {جد الممتار} بھی شامل کیا گیا ہے۔ اور آپ کے تفصیلی سوانح بھی شاملِ اشاعت ہوں گے۔

شام میں کتبِ اعلیٰ حضرت کی ترسیل میں ''برکاتی فاؤنڈیشن'' کے اراکین نے بھی عظیم خدمات سرانجام دی ہیں، مولانا عمران قادری کے بقول مذکورہ فاؤنڈیشن نے لاکھوں کی کتابیں یہاں مفت تقسیم کی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ عرب ممالک میں شام وہ ملک ہے جہاں کم و بیش تیس ممالک کے طلباء تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اس لیے یہاں کتبِ اعلیٰ حضرت کی ترویج گویا ان تمام ممالک کے طلباء و علماء کو افکارِ اعلیٰ حضرت سے روشناس کرائے گی۔

دمشق کے قابلِ ذکر دینی تعلیمی اداروں میں سے ایک ''معہد الفتح الاسلامی'' ہے۔ اس کی بنیاد شام کے عظیم محقق، عالم ربانی شیخ صالح فرفور نے رکھی تھی اب ان کے بیٹے اس ادارے کو چلا رہے ہیں، ان میں سے شیخ شہاب الدین فرفور اور شیخ ولی الدین فرفور بارہا پاکستان آ چکے ہیں اور افکار و تعلیماتِ اعلیٰ حضرت سے اچھی طرح روشناس ہیں۔ شیخ شہاب الدین فرفور امام احمد رضا کانفرنس میں بھی شرکت کر چکے ہیں اسی طرح مفتی دمشق فضیلۃ الشیخ الدکتور عبدالفتاح البزم اور ''معہد الفتح الاسلامی'' کے استاذ، درویش صفت عالم شیخ عدنان درویش حفظہ اللہ تعالیٰ بھی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی دعوت پر سالانہ کانفرنس میں تشریف لا چکے ہیں، ان سے تقریباً ہر روز ملاقات ہوتی رہی۔ انتہائی ملنسار، شفیق اور مہمان نواز ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت سے خصوصی شغف رکھتے ہیں۔ ان حضرات گرامی قدر کے مقالات معارف رضا (عربی) سالنامہ میں شائع ہو چکے ہیں۔

تصانیفِ فاضلِ بریلوی کی درس و تدریس:

کسی عالم کی نظر میں کسی کتاب کی پسندیدگی کی انتہا یہ ہے کہ وہ اس کتاب کو شاملِ نصاب کرے اور اس کو باقاعدہ اور یہ شاملِ درس

کرے۔ الحمد للہ فاضل بریلوی کی عربی تصانیف کو عرب کے علماء کے ہاں اتنی پذیرائی ملی ہے کہ شام کے علماء نے انہیں شاملِ درس کیا ہے۔ چنانچہ شام کے مقتدر عالمِ دین، فضیلۃ الشیخ عبدالہادی الخرسا حفظہ اللہ تعالیٰ نے {الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ} اور {المعتقد المنتقد} سبقاً سبقاً طلبہ کو پڑھائیں اور درجنوں طلبہ نے ان کتب میں پھیلے ہوئے "معارفِ رضا" کو سمیٹا۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

فاضل بریلوی کی تصانیف پر علمائے شام کی تقاریظ:

جوں جوں فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کی تصانیف عالیہ شام پہنچ رہی ہیں علماء، محققین اور اسکالرز کے ان سے استفادہ کا دائرہ وسیع تر ہو رہا ہے۔ ان میں سے بہت سے علماء ایسے ہیں کہ انہوں نے جب اعلیٰ حضرت کی تصانیف پڑھیں تو تقریظ کی صورت میں اعلیٰ حضرت کی بارگاہِ علم میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ شیخ عبدالہادی الخرسا حفظہ اللہ تعالیٰ جن کا ابھی ذکر گزرا انہوں نے اعلیٰ حضرت کے رسالہ مبارکہ {شمول الاسلام} پر جو ایمانِ ابوین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیہما وبارک وسلم کے موضوع پر ہے، تقریظ لکھی اور اس کی تحقیق و تخریج بھی کی۔ شام کے عالم دین شیخ سلیمان حفظہ اللہ تعالیٰ نے {الفضل الموہبی} کے دو تہائی حصے کی تحقیق و تخریج کی، اس پہ تقریظ بھی لکھی اور اس کی طباعت کا اہتمام بھی فرمایا، شام میں مقیم پاکستانی طلباء نے کویت کے عالمِ دین ڈکتور احمد جی الکردی سے {جد الممتار} پہ لکھی جانے والی ان کی تقریظ بھی حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے علماء تحریری صورت میں اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کو سلامِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

(۲) شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نور اللہ مرقدہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بعد علمائے پاک و ہند (اہلِ سنت) میں سے جس شخصیت کا ادب و احترام اور علمی رعب و وقار شام کے علماء و طلباء کے دلوں میں جاگزیں پایا وہ شرفِ ملت کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ نے جس خلوص و للٰہیت کے ساتھ خدمتِ دین اور مسلک حقہ مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کا فریضہ سرانجام دیا اس پر آپ کی یہ خداداد مقبولیت ایک شاہد ناطق ہے اور {ثم یوضع لہ القبول فی الارض} کا جیتا جاگتا مظہر ہے۔ آپ کے وہاں متعارف ہونے کی ایک بڑی وجہ آپ کی لازاوال تحریر {من عقائد اھل السنۃ} ہے۔ وہاں کے علماء نے نہ صرف اسے شرفِ قبول سے نوازا ہے بلکہ فضیلۃ الشیخ عبدالہادی الخرسا حفظہ اللہ تعالیٰ اس کا درس دے رہے ہیں، اس درس میں شامل ترکی کے ایک نوجوان طالب علم سے مولانا عمران قادری نے ملاقات کروائی انہوں نے بتایا کہ ترکی میں ان کے والد گرامی کا مدرسہ ہے، اور وہ {من عقائد اھل السنۃ} کا ترکی زبان میں ترجمہ کروا رہے ہیں تاکہ اس مدرسہ میں اسے شاملِ نصاب کیا جائے۔

شرفِ ملت نور اللہ مرقدہ کی دوسری وجہِ شہرت آپ کا وہ تقویٰ ہے جس کی جھلک وہاں کے بعض علماء نے پاکستان میں ادارۂ تحقیقات کی سالانہ کانفرنسوں میں آکر دیکھی۔ وہاں کے علماء آپ کی سادگی، متانت اور طہارتِ قلبی سے اس قدر متاثر ہیں کہ جنہوں نے دیکھا وہ تو ثنا گو ہیں ہی جنہوں نے نہیں دیکھا وہ بھی متاسف ہیں کہ ہم اتنے بڑے عالمِ ربانی کی زیارت سے محروم رہ گئے۔ وہاں کے علماء کی شدید خواہش تھی کہ آپ وہاں جلوہ افروز ہوں لیکن آپ کی علالتِ طبع کی بناء پر ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ جب آپ کے وصال کی جانکاہ خبر وہاں پہنچی تو "معہد الفتح الاسلامی" کے اساتذہ اور طلباء نے اسباق کا سلسلہ روک کر آپ کی بلندیٔ درجات کے لیے دعا کی۔ ہندو پاک کے علماء اہلِ سنت میں سے اعلیٰ حضرت کے بعد آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کے صاحبزادے جناب ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی مدظلہ سے گزارش ہے کہ وہ وقت نکال کر شام کا دورہ فرمائیں اپنے والد گرامی کی اسناد وہاں لے کر جائیں اور وہاں کے علماء سے اسناد کا تبادلہ کریں، شرفِ ملت کی دیگر تصانیف کی تعریب فرما کر انہیں اور آپ کے ترجمۃ القرآن کو وہاں متعارف کروائیں بالخصوص احسان الٰہی ظہیر کی البریلویہ کے رد میں لکھی ہوئی علامہ شرف قادری صاحب کی کتاب

کا وہ حصہ جس میں اعلیٰ حضرت پر اعتراضات کا جواب ہے۔

(۳) شیخ الحدیث مولانا عبدالرزاق بھتر الوی حفظہ اللہ تعالیٰ

آپ بھی وہاں کے علمی حلقے میں خاصے متعارف ہیں۔ اور آپ کی وجہ تعارف، مختصر القدوری، نور الایضاح اور کنز الدقائق پر آپ کے تحقیقی اور گرانقدر حواشی ہیں۔ ''الحلبونی'' کے مکتبوں پر راقم نے ان حواشی کی فوٹوسٹیٹ کاپیاں فروخت کے لیے رکھی ہوئی دیکھیں۔ ''معہد الفتح الاسلامی'' کے ایک استاذ نے کلاس کے دوران یہ فرمایا کہ نور الایضاح پر حضرت کا حاشیہ اس لائق ہے کہ طلبہ کو سبقاً پڑھا جائے، استاذ موصوف نے اس کی نئے سرے سے کمپوزنگ کروائی، اس کی تحقیق و تخریج کی اور پھر ٹیلی فون پر پاکستانی لڑکوں کی وساطت سے طباعت کی اجازت حاصل کی، انشاء اللہ عن قریب یہ حاشیہ اور دیگر حواشی وہاں طبع ہوجائیں گے۔ یاد رہے کہ مولانا بھتر الوی، مراح الارواح، اور تلخیص المفتاح پر بھی حواشی لکھ چکے ہیں، ہدایہ شریف پر عربی حاشیہ لکھ رہے ہیں جس کی پہلی جلد طبع ہوچکی ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کی عظیم الشان تفسیر ''نجوم الفرقان'' کے نام سے سپردِ قلم فرمارہے ہیں۔ جس کی سات جلدیں تادم تحریر معرض طباعت میں آچکی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے علم وقلم اور توفیقات میں برکات عطا فرمائے۔

شام میں فروغِ مسلکِ رضا کے لیے چند تجاویز و گزارشات:

شام میں مسلکِ اعلیٰ حضرت جو درحقیقت مسلکِ سلف صالحین ہے اس کے فروغ کے لیے ابھی بہت کام کی ضرورت ہے۔ ماضی میں ہمارے علماء کے اس طرف توجہ نہ فرمانے کی وجہ سے فرقِ باطلہ نے وہاں خوب اپنا کام دکھایا ہے۔ اس کے ازالہ کے لیے لگاتار کوشش انتہائی ضروری ہے۔

(۱) اس سلسلے میں سب سے بنیادی کام علماء کے وفود کا تبادلہ ہے۔ ہمارے وہ علماء جو عربی بول چال میں کچھ بھی شغف رکھتے ہوں انہیں سالانہ بنیادوں پر شام بھیجا جائے، اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اکثر علماء عمرہ وزیارت حرمین شریفین کے لیے جاتے رہتے ہیں، اگر وہ اس کے ساتھ ہی یہ پروگرام بھی ترتیب دیں تو بہت کم اخراجات میں یہ کام ہوسکتا ہے۔ علماء جانے سے قبل فقہ، حدیث، تفسیر، اصول اور دیگر فنون میں اپنی اسناد کمپوز کروا کر ان کے کچھ نسخے ساتھ لے کر جائیں اور وہاں جس کو اس لائق سمجھیں اسے اسناد دیں اور وہاں کے اکابر علماء سے اسناد حاصل کریں یوں طرفین کے علماء کا باہم تعارف ہوگا، اور علمائے اہلِ سنت کا نام عرب دنیا کے علمی ایوانوں میں پہنچے گا۔ اس سلسلے میں شرف ملت نور اللہ مرقدہ کی مطبوعہ سند {الجواہر الغالیۃ فی الاسانید العالیۃ} سے مدد لی جاسکتی ہے۔

(۲) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر علمائے اہلِ سنت کی عربی تصانیف کی شایانِ شان اشاعت کی جائے اور عرب دنیا میں ان کی ترسیل کی جائے۔ اسی طرح عہد حاضر کے عرب علماء کی عربی تصانیف کا اردو میں ترجمہ کیا جائے، اس سے بھی ان کو قریب لانے میں خاطر خواہ مدد ملے گی۔

(۳) پاکستان کے دینی مدارس مل کر وہاں کے علماء کو ایک ماہ یا کم وبیش مدت کے لیے اپنے ہاں بلائیں، ان سے طلبہ اور اساتذہ کو مستفید ہونے کا موقع دیں، یوں عرب علماء ہمارے دینی مدارس اور ہمارے علماء سے متعارف ہوں گے، اور ہمارے علماء وطلباء ان سے مستفیض ہوسکیں گے، خاص طور پر عربی بول چال اور جدید اصولِ تحقیق کی تدریس کے حوالے سے یہ کام انتہائی نفع بخش ثابت ہوسکتا ہے۔ جب چند مدارس مل کر یہ کام کریں گے تو اس میں اخراجات بھی سب پر تقسیم ہوجائیں گے اور زیادہ بوجھ ڈالے بغیر اہلِ علم کا طبقہ ان سے مستفید ہوسکے گا۔

(۴) ادارہ تحقیقات کی سالانہ کانفرنسوں میں جو عرب علماء آتے ہیں۔ اجلاس سے فراغت کے بعد انہیں ہوٹلوں میں ٹھہرانے کی بجائے انہیں قریبی مدارس کا وزٹ کروایا جائے، علمائے کرام سے ان کی نشستیں ہوں، اور ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ان کی آمد سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے تاکہ وہ ایک اچھا تاثر لے کر واپس لوٹیں۔ اس سلسلے میں مدارس کے مہتمم حضرات بالخصوص تنظیم المدارس کے اربابِ حل وعقد کو آگے آنے اور ادارہ کے ساتھ دستِ تعاون بڑھانے کی ضرورت ہے۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

مولانا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ

ڈاکٹر غلام یحییٰ مصباحی

پورا نام محمد امجد علی ہے۔ محمد امجد علی محلہ کریم الدین پور قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (یو۔پی) میں ۱۲۹۶ھ/۹۔۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام مولانا حکیم جمال الدین، دادا کا نام مولانا خدا بخش اور پردادا کا نام مولانا خیرالدین تھا۔ ان کے والد ماجد اور جد امجد فن طب اور علم وفضل میں با کمال تھے۔ ابتدائی کتابیں جد امجد سے پڑھیں اس کے بعد اپنے چچیرے بھائی مولانا محمد صدیق صاحب سے علوم فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھ کر انہیں کے مشورہ سے مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری (م ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) سے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدرسہ حنفیہ جون پور میں داخل ہوئے۔ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد مولانا وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) سے مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حاضر ہوئے اور حدیث کا درس لیا اور ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں سند حاصل کی۔ ۱۳۲۳ھ میں حکیم عبد الولی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے علم طب حاصل کیا۔ ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۲۷ھ تک مولانا وصی احمد سورتی کے مدرسہ میں درس دیا اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں طب کا کام کیا بعد میں اپنے استاد مولانا وصی احمد سورتی کے کہنے پر طب کا کام چھوڑ کر مولانا احمد رضا بریلوی کے مدرسہ مظہر اسلام بریلی میں درس وتدریس کا کام انجام دینے لگے۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی صحبت مین رہ کر ان کے علم میں وسعت پیدا ہوئی اور اس وقت کے فقیہوں میں ان کا شمار ہونے لگا۔

مولانا امجد علی بڑے ذہین تھے ذاتی اور خداداد خوبیوں کا یہ عالم تھا کہ خود فرماتے ہیں: ''کسی کتاب کا یاد کرنے کی نیت سے تین دفعہ دیکھ لینا کافی ہوتا تھا۔'' حافظہ کی یہ قوت خدا کسی کسی کو بخشتا ہے ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ زمانہ طالب علمی ہی سے وہ اپنی علمی صلاحیتوں کی داد حاصل کرتے آئے اور آخر عمر تک خراج تحسین حاصل کیا۔

انہوں نے ابتدا ہی سے درس کا اہم فریضہ اپنے لیے چنا اور اسی پیشہ کو اپنی نجات سمجھا۔ ایک لمبے عرصے تک مدرسہ منظر اسلام بریلی میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیے اور ۱۹۲۴ء میں صدر المدرسین کی حیثیت سے دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر (راجستھان) چلے گئے۔ ۱۹۳۲ء میں پھر بریلی واپس آئے اور کچھ دنوں کے بعد نواب حاجی غلام محمد خاں شروانی رئیس ریاست دادوں، علی گڑھ کی دعوت پر مدرس اول کی حیثیت سے دار العلوم حافظیہ سعیدیہ میں ان کا تقرر ہوا جہاں سات سال تک بحسن وخوبی درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اس کے بعد ایک سال مظہر العلوم کچی باغ، بنارس میں بھی رہے۔ پھر آخر کار ۱۹۴۵ء تک منظر اسلام بریلی میں درس دیا اور پوری زندگی درس وتدریس کی نظر ہوئی۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے جو ایک زمانہ میں حیدر آباد دکن میں صدر امور مذہبی رہ چکے تھے ۱۳۵۶ھ کے سالانہ جلسۂ امتحان کے موقع پر اپنی تقریر میں مولانا امجد علی صاحب کی مہارتِ درس اور تبحر علمی کا اعتراف کیا اور کہا کہ ''مولانا امجد علی صاحب پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں ایک ہیں جنہیں میں منتخب جانتا ہوں۔''[۱]

غرض کہ مولانا امجد علی صاحب مختلف درس گاہوں کے تجربہ کار عالم تھے۔ جدید ضرورتوں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ نصاب تعلیم کا بھی انہیں بخوبی تجربہ تھا اسی لیے فروری

۱۹۲۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نصاب کی تشکیل کے سلسلہ میں جن اہم مدرسین سے رابطہ قائم کیا گیا ان میں مولانا صاحب کا بھی نام تھا۔ ان کا شمار ان کے دور کے اعلیٰ پایہ کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔ درس کے لیے جن خوبیوں کو اہم مانا جاتا ہے وہ مولانا کا شعائر زندگی بن گئی تھیں۔ حدیث وتفسیر کے علاوہ مختلف علوم وفنون کا درس بھی اس طرح دیتے کہ طلباء بخوبی سمجھ جاتے۔

مولانا امجد علی صاحب جہاں ایک باکمال مدرس اور خطیب تھے وہیں اعلیٰ مرتبہ مصنف بی تھے۔ ان کی زبان سادہ، سہل اردو زبان تھی۔ انہوں نے اسلام کی خوب اشاعت کی اور اجمیر کے زمانہ قیام میں نومسلم راجپوتوں میں تبلیغ کا کام بھی بخوبی انجام دیا۔

مولانا امجد علی صاحب کی تقریر خالص علمی مضامین اور قرآن و حدیث کی تفسیر وتفصیل پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ فقہی جزئیات نوک زبان پر رہتی تھی ان ہی خصوصیات کی بنا پر مولانا احمد رضا خاں نے ان کو "صدر الشریعہ" کا لقب دیا۔

اجمیر کے قرب وجوار میں راجہ پرتھوی راج کی اولاد تھی جو اگرچہ مسلمان ہوچکی تھی لیکن ان میں فرائض وواجبات سے غفلت اور مشرکانہ رسوم بہت زیادہ پائی جاتی تھیں۔ مولانا امجد علی صاحب کے ایماء پر ان کے شاگردوں نے ان میں تبلیغ کا پروگرام بنایا تبلیغی جلسوں کا خوشگوار اثر ہوا، اور ان لوگوں میں مشرکانہ رسوم سے اجتناب اور دینی اقدار اپنانے کا جذبہ پیدا ہوگیا اس کے علاوہ اردگرد کے بڑے شہروں اور قصبات مثلاً نصیر آباد، لاڈنوں، جے پور، جودھپور، پالی مارواڑ اور چتوڑ وغیرہ میں بھی خود مولانا اور ان کے تلامذہ نے تبلیغی سرگرمیاں برابر جاری رکھیں۔ مولانا کی تقریر ایسی جامع اور مؤثر ہوتی تھی کہ علماء اور مشائخ جھومتے اور داد تحسین دیتے تھے۔

تصنیف وتالیف:

مولانا امجد علی صاحب ایک صاحب قلم ادیب تھے حالانکہ دوسری مصروفیات کے مقابلے میں تصنیف وتالیف کا کام بہت نہیں ہوا لیکن جو کچھ بھی کام کیا وہ ان کی علمی صلاحیت اور اردو دانی پر بیّن ثبوت ہے۔ تلاش وتحقیق کے بعد ان کی جو تصنیفات دستیاب ہوئیں ان کی تعداد ۲۵ تک پہنچتی ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حاشیہ شرح معانی الآثار	(قلمی نسخہ، زبان عربی)	
(۲) فتاویٰ امجدیہ جلد اول	مطبوعہ الہ آباد، ۱۹۷۹ء	(اردو)
(۳) فتاویٰ امجدیہ جلد دوم	مطبوعہ اکتوبر، ۱۹۸۳ء	(اردو)
(۴) اسلامی اخلاق وآداب	مطبوعہ اکتوبر، ۱۹۸۶ء	(اردو)
(۵) بہار شریعت	پہلا حصہ	(اردو)
(۶) بہار شریعت	دوسرا حصہ	(اردو)
(۷) بہار شریعت	تیسرا حصہ	(اردو)
(۸) بہار شریعت	چوتھا حصہ	(اردو)
(۹) بہار شریعت	پانچواں حصہ	(اردو)
(۱۰) بہار شریعت	چھٹا حصہ	(اردو)
(۱۱) بہار شریعت	ساتواں حصہ	(اردو)
(۱۲) بہار شریعت	آٹھواں حصہ	(اردو)
(۱۳) بہار شریعت	نواں حصہ	(اردو)
(۱۴) بہار شریعت	دسواں حصہ	(اردو)
(۱۵) بہار شریعت	گیارہواں حصہ	(اردو)
(۱۶) بہار شریعت	بارہواں حصہ	(اردو)
(۱۷) بہار شریعت	تیرہواں حصہ	(اردو)
(۱۸) بہار شریعت	چودہواں حصہ	(اردو)
(۱۹) بہار شریعت	پندرہواں حصہ	(اردو)
(۲۰) بہار شریعت	سولہواں حصہ	(اردو)
(۲۱) بہار شریعت	سترہواں حصہ	(اردو)

(۲۲)بہارِشریعت آٹھارواں حصہ (اردو)
(۲۳)بہارِشریعت انیسواں حصہ (اردو)
(۲۴)بہارِشریعت بیسواں حصہ (اردو)
(۲۵)اردو کا قاعدہ (بچوں کے لیے)

حاشیہ شرح معانی الآثار:

مولانا امجد علی اعظمی نے امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۲۱ھ) کی معرکتہ الآرا تصنیف ''شرح معانی الآثار'' پر حاشیہ لکھنا شروع کیا تھا۔ کثرتِ کار کے سبب یہ کام صرف پہلی جلد تک چل سکا مگر جتنا ہوا اس کی تفصیل یہ ہے کہ جلد اول کا نصف حاشیہ باریک قلم سے ۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں ۳۶،۳۵ سطریں ہیں قادری منزل میں دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی کے دفتر میں اس حاشیہ کا قلمی نسخہ موجود ہے انہوں نے دادوں ضلع علی گڑھ میں قیام کے دوران یہ حاشیہ عربی زبان میں لکھنا شروع کیا اور سات ماہ کی مختصر مدت میں نصف اول پر مبسوط حاشیہ لکھ دیا۔

فتاویٰ امجدیہ:

دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے یہ مصنف کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے ۷ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ سے لے کر ۸ شوال ۱۳۶۷ھ تک صادر کئے ہیں پہلی جلد کتاب الطہارت سے شروع ہو کر کتاب الحج پر ختم ہوتی ہے جو ۴۰۳ صفحات پر مشتمل ہے دوسری جلد ''کتاب النکاح'' سے شروع ہو کر ''حدود و تعزیر کا بیان'' پر ختم ہوتی ہے یہ ۴۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

مولانا امجد علی صاحب سے مختلف زبانوں میں لوگوں نے سوال کئے اور فتوے پوچھے انہوں نے سفر میں، حضر میں، وطن میں اور باہر ہر جگہ بے شمار فتوے لکھے اور بیان کئے ان میں سے بعض اہم حصے دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہے لیکن آخر میں انہوں نے ایک یا دو جلدیں خاص کرا اپنے فتاوی کے لیے سفید کاغذ کی تیار کرائیں اور اس میں اپنے فتاوے اندراج کرائے، اور ان فتاوے کی اکثر و بیشتر نقلیں مولانا سردار احمد (محدث پاکستان) کے ہاتھوں کی گئی ہیں۔ مولانا عبد المنان کلیمی فاضل اشرفیہ مبارکپور نے ان کو فقہی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا اور مولانا مفتی شریف الحق صاحب نے ان فتوؤں پر اپنے مفید حواشی کا اضافہ کیا۔ مولانا امجد علی کے یہ فتاوے دلائل و ترجیحات و عبارات فقہیہ پر مشتمل ہیں۔ ان فتاوے کی زبان نہایت سادہ ہے اور کم الفاظ میں زیادہ کہنے کی کوشش کی گئی ہے جس کو بہت سراہا گیا اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

بہارِشریعت:

مولانا امجد علی اعظمی کی وہ کتاب جو دوسرے مصنفین کی جملہ تصانیف پر بھاری ہے وہ ان کی معرکتہ الآرا تصنیف ''بہار شریعت'' ہے اس کتاب کے سبب وہ زندہ جاوید ہوئے اس کتاب میں انہوں نے فقہ حنفی کو اردو قالب میں ڈھال کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اس سے فائدہ حاصل کرنے والوں میں علماء عوام دونوں شامل ہیں مصنف فقہ اسلامی اور مسائل شرعیہ کو مکمل طور پر بیس جلدوں میں سمیٹنا چاہتے تھے مگر عمر نے ساتھ نہ دیا اور سترہ حصے لکھنے کے بعد دنیائے دار فانی سے ۲ ذی قعدہ، ۶ ستمبر ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء دوشنبہ کو ۱۲ بج کر ۶ منٹ پر انتقال کر گئے اور وصیت کر گئے کہ اگر میری اولاد یا تلامذہ یا علمائے اہل سنت میں سے کوئی صاحب اس کا قلیل حصہ جو باقی رہ گیا ہے اس کو پورا کردیں۔ چنانچہ ان کے شاگرد اور دیگر علماء بہار شریعت کے باقی تین حصے ۱۸، ۱۹، ۲۰ ضبط تحریر میں لاچکے ہیں جو چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ مصنف کی وصیت کے مطابق یہ خیال رکھا گیا ہے اور اس میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ مسائل کے ماخذ کتب کے صفحات کے نمبر اور جلد نمبر بھی لکھ دیئے ہیں تاکہ اہل علم کو ماخذ تلاش کرنے میں آسانی ہو اکثر کتب فقہ کے حوالہ جات نقل کردیئے ہیں جن پر آج کل فتوی کا مدار ہے حضرت مصنف کے طرز تحریر کو حتی الامکان برقرار

رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فقہی موشگافیوں اور فقہا کے قیل وقال کو چھوڑ کر صرف مفتی بہ یعنی جس پر فتویٰ ہے اقوال کو سادہ اور عام فہم زبان میں لکھا گیا ہے۔

بہار شریعت (حصہ ۱۸) کے مصنف مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری شیخ الحدیث، مولانا وقار الدین نائب شیخ الحدیث و مولانا قاری محبوب رضا خاں بریلوی مفتی دار العلوم امجدیہ کراچی ہیں۔ اس کا موضوع جنایات (خون بہا، قصاص، ایکسیڈنٹ وغیرہ) ہے۔ اس میں سنہ طباعت کا ذکر نہیں ہے اور نہ مطبع کا ذکر ہے البتہ ناشر کا نام قادری بک ڈپو، نومحلہ مسجد، بریلی ہے۔ اس کتاب میں صفحات ۱۱۹ اور کل مسائل ۶۵۸ ہیں۔

بہار شریعت (۱۹/رواں حصہ): یہ حصہ مطبوعہ ہے اس کے مصنف مولانا امجد علی کے شاگرد مولانا سید ظہیر احمد زیدی ہیں۔ اس کتاب کے ۴۷ صفحات ہیں۔ ابتدائے کتاب میں مولانا عبد المصطفیٰ ازہری اور مولانا قاری رضاء المصطفیٰ کے تذکرے تحریر ہیں۔ اس کے بعد مؤلف کتاب بہار شریعت ۱۹/رواں حصہ ظہیر احمد زیدی کا ایک تعارف مکرمی جناب ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (ہمدرد یونیورسٹی، نئی دلی) نے تحریر فرمایا ہے جس میں مصنف سے متعلق اپنے تاثرات، تجربات اور مشاہدات مختصر انداز میں بیان کئے ہیں پھر ایک مقدمہ ہے جسے مؤلف ہی نے قلمبند فرمایا ہے۔ مؤلف کی ص ۴۷ پر تحریر کے مطابق بہار شریعت ۱۹واں حصہ کی تالیف مورخہ ۲۹/رشوال ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۰/رستمبر ۱۹۸۰ء یوم چہارشنبہ اختتام کو پہنچی۔ اس کتاب میں کل ۸/راحادیث اور ۴۴۵ مسئلے ہیں وصایا کے مباحث پر یہ کتاب مشتمل ہے اس کا اختتام ذمی کی وصیت کے بیان پر ہوتا ہے۔

بہار شریعت (۲۰/رواں حصہ): مولانا امجد علی صاحب کی حسب وصیت اس حصہ کے مصنف مولانا وقار الدین مفتی و نائب الشیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ، کراچی ہیں۔ یہ مطبوعہ ہے اس کے ۶۴ صفحات ہیں۔ یہ حصہ وراثت کے بیان میں ہے مسائل بیان کرنے سے پہلے بسلسلۂ وراثت آیات قرآنی اور ۱۷/راحادیث مذکور ہیں تقریباً اس میں ۱۷۲ مسائل کا بیان ہے۔ ان سب کے ناشر کا نام قادری بکڈپو، نومحلہ مسجد، بریلی ہے۔ ان میں سنہ طباعت اور مطبع کا ذکر نہیں ہے۔

مولانا امجد علی صاحب کی بہار شریعت کے سترہ حصوں کا تجزیہ اس طرح ہے۔

بہار شریعت پہلا حصہ: اس حصہ میں عقائد سے متعلق مباحث ہیں۔ کتاب میں ۱۲۳ عقیدے بیان کئے گئے ہیں۔ جن مسائل پر گفتگو کی گئی ہے ان کی تعداد ۱۲۵ ہے اہم عقیدوں کے سُرخیاں اس طرح ہیں۔

ذات وصفات باری تعالیٰ، عقائد نبوت، ملائکہ، جن، جنت و دوزخ، ایمان وکفر، امامت وولایت، عالم برزخ اور معاد و محشر وغیرہ۔ جہاں مصنف نے معاد و محشر کا ذکر کیا ہے۔ وہاں انہوں نے اس کے ضمن میں ۲۸ نشانیاں شمار کرائی ہیں۔

بہار شریعت دوسرا حصہ: یہ کتاب، کتاب الطہارت کے ابواب و فصول پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱۸۹/راحادیث اور ۲۶۴ مسائل کا ذکر ہے۔ وضو، غسل، تیمم، حیض، نفاس، استحاضہ، موزوں پر مسح، نجاستوں اور استنجا کا بیان اس کے مباحث ہیں۔

اس حصہ کی تکمیل غالباً ۱۳۳۵ھ میں ہوئی اس کے آخر میں ایک ضمیمہ بھی ہے جو حقہ سے متعلق کئے گئے اعتراضات کا جواب ہے جس کے آخر میں اس دور کے جلیل القدر علماء کی تصدیقات بھی ہیں۔

بہار شریعت تیسرا حصہ: نماز جیسی اہم عبادت سے شروع ہوکر احکام مسجد کے بیان پر ختم ہوتی ہے اس میں کل ۳۴۲/احادیث اور ۸۴۲ مسائل ہیں۔ اس کے اہم مباحث اس طرح ہیں۔ نماز، وقت نماز، اذان، شرائط نماز، طریقۂ نماز، مسئلہ درود، بعد نماز ذکر و دعا، تلاوت قرآن مجید، قرأت میں غلطی، امامت، جماعت، مکروہات اور احکام مسجد وغیرہ، کتاب کے آخر میں مولانا احمد رضا

بریلوی کی تقریظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب رمضان ۱۳۳۷ھ میں مکمل ہوئی۔

بہارِ شریعت چوتھا حصہ: اس کتاب میں وتر کا بیان، وتر کے فضائل، سنن ونوافل کا بیان، نماز استخارہ، تراویح کا بیان، قضا نماز کا بیان، سجدۂ سہو، سجدۂ تلاوت، نماز مسافر، نماز مریض، نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز استسقاء، نماز خوف، کتاب الجنائز، بیماری کا بیان، قبرو دفن، تعزیت، شہید کا بیان وغیرہ جیسے اہم مسائل درج کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں کل ۱۷۶/احادیث اور ۸۱۰ مسائل کا ذکر ہے۔ ۱۳۳۷ھ ہی میں غالبًا یہ حصہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔

بہارِ شریعت پانچواں حصہ: اس کتاب کی ابتدا زکوٰۃ کے مسائل سے ہوتی ہے اور مسائلِ اعتکاف پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔ اس میں ۲۵۳/احادیث اور ۵۳۰ مسائل ہیں۔

بہارِ شریعت چھٹا حصہ: اس حصہ میں ۱۱۵/احادیث اور ۷۵۴ مسائل ہیں یہ حصہ حج کے فضائل ومناسک پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں حج کے جن مسائل کی سرخی قائم کی گئی ہے اس کی ترتیب اس طرح ہے۔ حج کا بیان، میقات کا بیان، احرام کا بیان، داخلی حرم محترم ومکہ مکرمہ ومسجد الحرام، طواف وسعی صفا و مروہ وعمرہ کا بیان، منیٰ کی روانگی اور عرفہ کا وقوف، مزدلفہ کی روانگی اور اس کا وقوف، منیٰ کے اعمال اور حج کے بقیہ افعال، قیران کا بیان، تمتع کا بیان، جرم اور ان کے کفارے کا بیان، محصر کا بیان، حج فوت ہونے کا بیان، حج بدل کا بیان، حج کی منّت کا بیان، فضائل مدینہ طیبہ۔

بہارِ شریعت ساتواں حصہ: یہ حصہ نکاح کے مسائل پر مشتمل ہے اس میں ۴۸ احادیث اور ۴۱۸ مسائل کا ذکر ہے اس کے اہم موضوعات اس طرح ہیں۔

نکاح کا بیان، محرمات کا بیان، دودھ کے رشتے کا بیان، ولی کا بیان، کفو کا بیان، نکاح کی وکالت کا بیان، لونڈی غلام کے نکاح کا بیان، نکاح کافر کا بیان، باری مقرر کرنے کا بیان، حقوق الزوجین، شادی کے رسوم۔

بہارِ شریعت آٹھواں حصہ: یہ کتاب ۱۲۱ احادیث اور ۷۴۲ مسائل پر مشتمل ہے اس میں طلاق کے مسائل مع کلیات و جزئیات بیان کئے گئے ہیں اس کی تکمیل ۲۲/ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ کو ہوئی اس میں مندرجہ ذیل مسائل کو دل نشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

طلاق کا بیان، صریح کا بیان، اضافت کا بیان، غیر مدخولہ کی طلاق کا بیان، کنایہ کا بیان، تعلیق کا بیان، استثناء کا بیان، طلاق مریض کا بیان، رجعت کا بیان، ایلا کا بیان، خلع کا بیان، کفارہ کا بیان، نفقہ کا بیان، یہ اس کتاب کی اہم سرخیاں ہیں اس کے ضمن میں اس کے متعلقہ مسائل کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کا اختتام جس مسئلہ پر ہوتا ہے وہ جانور پر بوجھ لادنے سے متعلق ہے۔

بہارِ شریعت نواں حصہ: اس حصہ میں درج ذیل مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔

آزاد کرنے کا بیان، مدبر ومکاتب وام ولد کا بیان، قسم کا بیان، قسم کے کفارہ کا بیان، منت کا بیان، مکان میں رہنے اور جانے سے متعلق قسم کا بیان، کھانے پینے کی قسم کا بیان، کلام کے متعلق قسم کا بیان، طلاق دینے اور آزاد کرنے کا بیان، خرید وفروخت و نکاح وغیرہ کی تقسیم، نماز وروزہ وحج کی قسم کا بیان، لباس کے متعلق قسم کا بیان، حدود کا بیان، کہاں حد واجب ہے کہاں نہیں، زنا کی گواہی دے کر رجوع کرنا، شراب پینے کی حد کا بیان، راہزنی کا بیان، حدقذف کا بیان، تعزیر کا بیان، چوری کی حد کا بیان، ہاتھ کاٹنے کا بیان، کتاب السیر غنیمت کا بیان، غنیمت کی تقسیم کا بیان، استیلائے کفار کا بیان، مستامن کا بیان، عشر وخراج کا بیان، جزیہ کا بیان، مرتد کا بیان۔

اس میں کل ۱۱۸/احادیث اور ۶۵۶ مسائل ہیں س کی تکمیل ۱۲/رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ میں ہوئی۔

بہار شریعت دسواں حصہ: اس حصہ کی تکمیل ۱۵/رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ کو ہوئی۔ اس میں ۲۵/احادیث اور ۵۹۱ مسائل کا ذکر ہے اس کی ابتدا لقطہ کے بیان سے ہوتی ہے اور اختتام وقفہ مریض پر ہے اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مباحث اس میں ہیں۔

لقیط کا بیان، مفقود کا بیان، شرکت فاسدہ کا بیان، شرکت کا بیان، وقف کا بیان، کس چیز کا وقف صحیح ہے، معارف وقف کا بیان، اولاد یا اپنی ذات پر وقف کا بیان، مسجد کا بیان، قبرستان وغیرہ کا بیان، وقف میں شرائط کا بیان، تولیت کا بیان، اوقاف کے اجارہ کا بیان، دعویٰ اور شہادت کا بیان۔

بہار شریعت گیارہواں حصہ: اس حصہ میں ۹۶/احادیث اور ۶۶۷ مسائل ہیں خرید و فروخت کے بیان سے اس حصہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اور اس کا اختتام بیع صرف کے مسئلہ پر ہوتا ہے اس کے علاوہ کتاب کی درج ذیل سرخیاں اہم ہیں۔

خیار شرط کا بیان، خیار عیب کا بیان، بیع فاسد کا بیان، بیع مکروہ کا بیان، اقالہ کا بیان، رابحہ و تولیہ کا بیان، بیع وثمن میں تصرف کا بیان، قرض کا بیان، سود کا بیان، حقوق کا بیان، استحقاق کا بیان، بیع مسلم کا بیان، استصناع کا بیان، بیع صرف کا بیان۔

بہار شریعت بارہواں حصہ: اس حصہ میں ۴۱/احادیث اور ۵۶۸ مسائل ہیں شروع کتاب میں کفالت کی اصطلاحی تعریف ہے اس کے بعد کفالت کے مسائل بیان کئے گئے ہیں پھر بالترتیب درج ذیل موضوعات پر عالمانہ سنجیدہ گفتگو ہے۔

حوالہ کا بیان، قضا کا بیان، انکار کے مسائل، تحکیم کا بیان، گواہی کا بیان، شہادت میں اختلاف کا بیان، شہادت علی الشہادت کا بیان، گواہی سے رجوع کرنے کا بیان، وکالت کا بیان، خرید و فروخت میں توکیل کا بیان، وکیل بالخصومت اور وکیل بالقبض کا بیان، وکیل کو معزول کرنے کا بیان۔

بہار شریعت تیرہواں حصہ: اس کا آغاز "دعویٰ کے بیان" سے ہوتا ہے اس میں ۱۲/احادیث اور ۶۰۰ مسائل ہیں اس کے دوسرے موضوعات یہ ہیں۔

حلف کا بیان، تحالف کا بیان، دعویٰ دفع کرنے کا بیان، دو شخصوں کے دعویٰ کرنے کا بیان، دعوائے نسب کا بیان، اقرار کا بیان، استثناء اور اس کے متعلقات کا بیان، نکاح و طلاق کا اقرار، وصی کا اقرار، اقرار مریض کا بیان، اقرار نسب، صلح کا بیان، دعوائے دین میں صلح کا بیان، تخارج کا بیان، غصب و سرقہ و اکراہ میں صلح، کام کرنے والوں میں صلح، بیع میں صلح، صلح میں خیار، جائداد غیر منقولہ میں صلح، یمین کے متعلق صلح وغیرہ۔

اس کتاب کے آخر میں صلح سے متعلق کچھ احادیث اور آیات ہیں جو شاید درمیان کتاب میں صلح کے موضوع پر لکھنے سے رہ گئے تھے۔

بہار شریعت کا چودھواں حصہ: اس حصہ میں ۲۴/احادیث اور ۴۳۲ مسائل ہیں مندرجہ ذیل موضوعات پر اس کتاب میں تفصیلی بحث ہے۔

مضاربت کا بیان، ودیعت کا بیان، عاریت کا بیان، ہبہ کا بیان، ہبہ واپس لینے کا بیان، اجارہ کا بیان، دایہ کے اجارہ کا بیان، اجارۂ فاسد کا بیان، ضمان اجیر کا بیان، اجارہ فسخ کرنے کا بیان، ولا کا بیان۔

بہار شریعت پندرہواں حصہ: اس حصہ میں ۸۴/احادیث اور ۶۶۵ مسائل ہیں اکراہ کے بیان سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ حجر، بلوغ، ماذون، غصب، مغصوب چیز میں تغیر، طلب شفعہ، شفعہ کے مراتب، شفعہ باطل ہونے کی وجہ، تقسیم مہایاۃ، مزارعت، معاملہ، ذبح، حلال و حرام جانور، قربانی، عقیقہ، قربانی کے جانوروں کا بیان اس کتاب کے دوسرے موضوعات ہیں۔

بہار شریعت سولہواں حصہ: اس حصہ میں ۸۲۶/احادیث

اور ۵۴۴ مائل ہیں اس کتاب میں جن مسائل کو موضوع قلم بنایا گیا ہے وہ یہ ہیں:

خطر و اباحت، پانی پینے کا بیان، ولیمہ، ضیافت، ظروف، خبر کہاں معتبر ہے، لباس، عمامہ، جوتا، انگوٹھی اور زیور کا بیان، برتن چھپانے اور سونے کے وقت آداب، بیٹھنے، سونے اور چلنے کے آداب، دیکھنے اور چھونے کا بیان، مکان میں جانے کے لیے اجازت لینا، سلام، مصافحہ، معانقہ، چھینک اور جماہی، خرید وفروخت کا بیان، آداب مسجد وقبلہ، قرآن مجید پڑھنے کے فضائل، عیادت، علاج، لہو ولعب، اشعار، جھوٹ، بغض وحسد، غصہ وتکبر، سلوک کا بیان، ہجر وقطع تعلق کی ممانعت، پڑوسیوں کے حقوق، اللہ کے لیے دوستی و دشمنی، حجامت بنوانے و ناخن ترشوانے کا بیان، ختنہ، زینت، مسابقت کسب، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ریاوسمعہ اور زیارتِ قبور کا بیان، ایصال ثواب مجالسِ خیر، آداب سفر وغیرہ۔

بہار شریعت سترہواں حصہ: تحری کے بیان سے اس حصہ کا آغاز ہوتا ہے اس میں ۶۹/احادیث اور ۳۶۰ مسائل ہیں اس حصہ کی تکمیل اربیع الآخر ۱۳۱۷ھ میں ہوئی یہ مصنف کی اس سلسلے کی آخری کڑی ہے اس میں درج ذیل مباحث کا ذکر ہے۔

احیاء اموات، شراب و اشربہ، شکار، جانوروں سے شکار، زمین، شئی مرہون کے مصارف کا بیان، مرہون میں تصرف، کس چیز کو رہن رکھ سکتے ہیں، باپ یا وصی کا نابالغ کی رہن رکھنا، رہن میں جنایات کا بیان، کہاں قصاص واجب ہوتا ہے، اطراف میں قصاص کا بیان۔

مصنف نے بہار شریعت میں اعتماد ویقین کے ساتھ مسائل بیان کئے ہیں اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ انہوں نے مسائل کا جس انداز سے احاطہ کیا ہے بلاشبہ وہ انہیں کا حصہ ہے۔ سارے بیان کئے ہوئے مسائل کی نشاندہی اور پھر اس کا تجزیہ کرنا اور دلائل اور لب ولہجہ کے اعتبار سے اس کی اہمیت واضح کرنا وقت طلب کے ساتھ ساتھ دقت طلب بھی ہے مگر مصنف نے اس مشکل کو آسان کردیا۔ مثلاً مصنف نے طہارت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کتاب میں جگہ جگہ آب مطلق اور آب مقید سے بحث کی ہے انہوں نے اس کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ حقہ کا پانی پاک ہے۔ اگرچہ رنگ و بو مزہ میں تغیر آجائے اس سے وضو جائز ہے بقدر کفایت اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں۔

اسلامی اخلاق وآداب:

مولانا امجد علی اعظمی کی یہ تصنیف اسلامی اخلاق وآداب پر ایک بہترین کتاب ہے جو مسلم معاشرہ کے لئے لائحہ عمل ہے۔ یہ مجموعی اعتبار سے ۳۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت زرق الماسی قادری رامپوری نے کی ہے۔ جدید ترتیب، تصحیح، تعلیق، تقدیم مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی استاد عربی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی ہے۔ یہ کتاب اکتوبر ۱۹۸۶ء میں دو ہزار چھپی تھی۔ ناشر المجمع الاسلامی فیض العلوم محمد آباد گوہنہ ہے۔

ان تمام اخلاقی وآدابی مسائل کو احادیث کی روشنی میں بیان کیا ہے اس کی زبان سہل، سادہ اور عام فہم ہے احادیث کے اردو ترجمے پیش کیے گئے ہیں۔ کھانے سے متعلق ۱۶۵ احادیث ہیں اس کے علاوہ باقی مختلف موضوعات پر کل ۸۰۶/احادیث کریمہ درج ہیں۔ اسلوب بیان دلکش، سادہ اور اردو زبان عام بول چال سے بالکل قریب ہے۔

مولانا امجد علی صاحب کے یہ اردو کارنامے دنیائے اردو ادب میں ایک اہم مقام رکھنے کے قابل ہیں۔ اور اردو کے سرمائے میں ایک اضافہ ہیں۔ ان کے ان کارناموں کی بدولت انہیں اردو کا ایک ممتاز ادیب کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔

حوالہ جات

[۱] تذکرۂ علمائے اہل سنت، محمود احمد قادری، مطبوعہ کان پور ۱۳۹۱ھ، ص ۵۳

............☆☆☆............

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مفتی غلام جان ہزاروی

ازقلم: حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی نے مسلکِ اہلِ سنت کی ترویج واشاعت کے لیے کچھ خوش نصیب افراد کو اپنی خلافت کے اعزاز سے سرفراز فرمایا تھا۔ انہی خوش نصیب افراد میں سے ایک فقیہ عصر الحاج ابوالمظفر مفتی غلام جان ہزاروی بھی ہیں۔ مفتی صاحب اپنی ذات میں ایک تحریک اور شریعت وطریقت کی ایک چلتی پھرتی تصویر تھے۔ ان کے حالات ایک عہد کی تاریخ اور ہمارے لیے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور میں مختصراً ان کے حالات پیشِ خدمت ہیں:

ولادت وخاندان:

حضرت مفتی غلام جان ہزاروی صوبہ سرحد کے ضلع ہزارہ کے ایک دور افتادہ قصبہ اوگرہ میں ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔[۱] آپ کے والد مولانا احمد جی اور دادا مولانا محمد عالم صاحبِ علم بزرگ تھے۔ لوگ ان کے علم وفضل کے قدردان تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت محمد بن حنفیہ کے توسط سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے۔ آپ کے اجداد میں ایک بزرگ میر قطب شاہ صاحب تھے۔ انہوں نے ہندوستان پر حملے کے وقت سلطان محمود غزنوی کی مدد کی تھی۔ فتح ہند کے بعد سلطان نے آپ کو سرحد اور پنجاب کا کچھ علاقہ بطور انعام دیا۔ جسے آپ نے اپنے پانچ لڑکوں میں تقسیم کردیا اور خود غزنی چلے گئے[۲]۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی پھر گجرات، چھوہر شریف، صوابی، بھتر ال، فتح جنگ، آگرہ، ٹونک اور رام پور میں مختلف مدارس میں مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں مرکزِ علم و عرفان بریلی شریف حاضر ہوگئے۔ یہاں آپ نے شمس العلماء مولانا ظہور الحسن فاروقی اور صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی سے درسِ نظامی کی آخری کتابیں پڑھ کر صحاح ستہ کا درس لیا۔ ۱۳۴۲ھ کے جلسۂ دستار بندی میں امام احمد رضا بریلوی نے دستار بندی فرمائی۔ اور سندِ فضیلت عطا فرمائی[۳]۔

تدریس:

دارالعلوم منظرِ اسلام میں طالب علمی کے دوران ہی شرحِ جامی جیسی کتاب تدریس کے لیے آپ کے سپرد کردی گئی۔ آپ نے احسن انداز میں تدریس فرمائی۔ طلبہ آپ کے اسلوب تدریس سے مطمئن ہوئے اور علمِ نحو میں آپ کی مہارت کا شہرہ ہوگیا[۴]۔ فراغت کے بعد منظرِ اسلام ہی میں آپ کا بطور مدرس تقرر ہوگیا۔ یہاں تدریس کے ساتھ ساتھ آپ اعلیٰ حضرت کے حکم پر مسجد بی بی جی بریلی میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے[۵]۔ بریلی سے حضرت مولانا خواجہ محمود تونسوی کی دعوت پر تونسہ شریف تدریس کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر ایک سال مکھڈ شریف میں تدریس فرمائی۔ خان محمد امیر خان رئیس شھیلیہ ضلع ہزارہ نے آپ کو قاضی مقرر کردیا۔ تین سال بعد آپ دارالعلوم نعمانیہ لاہور بحیثیت صدر مدرس ومفتی تشریف لے آئے اور عرصۂ دراز تک یہاں تدریس وافتاء کی خدمات انجام دیں[۶]۔

بیعت وخلافت:

زمانۂ طالب علمی سے ہی آپ نے مرشدِ کامل کی تلاش شروع کردی تھی۔ چنانچہ اعوان شریف ضلع گجرات کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ قاضی سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔ قاضی صاحب کو کشفِ قبور اور کشفِ قلوب دونوں حاصل تھے۔ انہوں نے تحصیلِ علم کی تلقین فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ انہوں نے پھر فرمایا "بیٹا علم پڑھو بعدِ تحصیلِ علم جہاں چاہو بیعت کر لینا۔" آخر قدم بوسی کے بعد آپ واپس ہو گئے۔

حضرت خواجہ صاحب کے اس ارشاد میں ایک اشارہ تھا کہ ان کا روحانی حصہ کہیں اور ہے۔ چنانچہ جب بریلی شریف تحصیلِ علم کے ارادے سے پہنچے تو امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ زیارت کا واقعہ آپ نے خود ان الفاظ میں بیان فرمایا: "میں نے سن رکھا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب علمائے دیوبند کی تکفیر فرماتے ہیں جس سے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ اتنے بڑے علماء کی تکفیر کیوں کرتے ہیں۔ دیوبند تو علم کا مرکز ہے۔ چنانچہ اس خیال سے جب میں بریلی شریف جا پہنچا۔ تو اعلیٰ حضرت اس وقت ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لا رہے تھے۔ جیسے ہی میری نگاہ اعلیٰ حضرت کے چہرے پر پڑی تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہے۔ یہ شخص جو کہتا ہے درست کہتا ہے۔ چنانچہ نماز کی ادائیگی کے بعد دست بوسی کا شرف حاصل کیا[۷]۔ کچھ عرصے بعد اعلیٰ حضرت کی علمیت اور زہد و تقویٰ سے متاثر ہو کر شرفِ بیعت بھی حاصل کر لیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس عاشقِ صادق اور مخلص مرید کی سچی عقیدت علمی مہارت اور تصوف و طریقت میں دلچسپی کو دیکھتے ہوئے خلافت بھی عطا فرما دی۔

امام احمد رضا بریلوی سے عقیدت و محبت:

اپنے شیخ کامل سے مفتی صاحب کو کتنی محبت تھی اس کا اندازہ آپ کی قلمی یادداشتوں میں القاب و آداب کے ساتھ لکھے ہوئے شیخ کامل کے نام سے ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، پیرِ بے نظیر، مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملتِ طاہرہ، صاحب تصانیفِ کثیرہ، امام العلماء، قدوۃ الفقہاء، رأس الاتقیاء، محب الغرباء والفضلاء، عالم تمام، سیفِ بے نیام، منبع احسان، مولانا و مرشدنا مولوی احمد رضا خاں صاحب طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ[۸]۔

وعظ و تقریر:

آپ کا وعظ سادہ مگر مدلل ہوتا تھا۔ آپ چونکہ ایک سچے عاشقِ رسول تھے۔ اس لیے محبت رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے الفاظ سامعین کے دلوں میں عشقِ مصطفیٰ کی دنیا بساتے چلے جاتے تھے۔ یہی وہ دولت تھی جس کی کشش سامعین کو آپ کی مجلسِ وعظ میں کھینچ کر لے آتی تھی۔ وعظ کے دوران آپ کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ ادھر نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا نام پاک آپ کی زبان پر آتا اور ادھر آنکھوں سے اشک بہنے لگتے۔ دار العلوم نعمانیہ کے سالانہ جلسہ میں آپ کی تقریر ہوا کرتی تھی۔ جسے سننے کے لیے لوگ دور دور سے آتے تھے۔

حج و زیارت:

مدینہ طیبہ حاضری اور حج بیت اللہ کے لیے آپ اوائلِ عمری سے ہی مضطرب رہتے تھے۔ کبھی کہتے کہ کب وہ مبارک ساعت ہوگی کہ یہ گناہ گار مدینۃ الرسول حاضر ہوگا اور کبھی کہتے کہ کاش اگر پر ہوں تو اڑ کر چلا جاؤں۔ جو خوش نصیب اس مبارک سفر کے لیے روانہ ہوتا اسے الوداع کرنے کے لیے دور تک ساتھ جاتے اور بارگاہِ رسالت میں نہایت ہی عاجزی سے غلامانہ سلام عرض کرنے کے لیے کہتے۔ اسی طرح جب حجاج کرام واپس لوٹتے تو ان سے حرمین شریفین کے حالات بکمال ذوق و محبت سے سنتے اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو رواں ہو جاتے۔ آخر ۱۳۴۵ھ میں تقریباً ۲۹ سال کی عمر میں بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ طیبہ حاضری کا

عزم بالجزم کرلیا۔ چنانچہ جب دار العلوم نعمانیہ میں شعبان میں امتحان کے بعد مدرسین کو چھٹیاں ہوگئیں تو آپ حج کے لیے تیار ہوگئے۔ پہلے شہرِ مرشد بریلی شریف حاضری دی۔ پھر اجمیر شریف حاضری دیتے ہوئے بمبئی پہنچ گئے۔ یہاں آپ کے شاگردِ رشید مولانا محمد اعظم بھی ہمراہ ہوگئے۔ بذریعہ بحری جہاز جدہ پہنچے۔ آپ نے جدّہ سے مکہ مکرمہ اور مکہ معظمہ سے عرفات پھر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تمام سفر پاپیادہ طے کیا[۹]۔ آپ نے بیت اللہ شریف کے اندر حاضری کا شرف بھی حاصل کیا۔ مدینہ طیبہ میں مواجہۂ اقدس میں اپنا لکھا ہوا مندرجہ ذیل کلام پیش کیا۔

یارسولِ خدا سلام علیک
یاحبیبِ خدا سلام علیک
آیا ہوں ہند سے مدینہ میں
میں ہوں تم پر فدا سلام علیک
میرے احباب رشتہ دار جو ہیں
پہنچے ان سے سدا سلام علیک
تم پہ قربان جان و دل سے ہوں
تو میرا ناخدا سلام علیک [۱۰]

دیگر

کرو مجھ پر عنایت کی نظر ہر بار یا حضرت
وہ کافی ہے نظر مجھ کو میرے سرکار یا حضرت
غلامِ ہندی مزارِ اقدس پہ آیا ہند سے چل کر
غلامی ہو قبول اس کی ملے دیدار یا حضرت

مدینہ طیبہ قیام کے دوران قضائے حاجت کے لیے شہر سے باہر جاتے اور جب گنبد خضرا نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تو پھر قضائے حاجت کرتے۔ آپ نے حرمین شریفین حاضری کی تمام روداد اپنے شاگرد مولانا محمد اعظم کی خواہش پر تحریر فرمائی اور اس کا نام نور العینین فی سفر الحرمین'' رکھا۔ اس سفرنامہ میں آپ نے اُس دور کے حج اور حرمین طیبین کی بڑے احسن انداز میں منظر کشی کی ہے۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان تمام منازل کا حال اور آبادی کی تفصیل بھی تحریر فرمادی ہے۔

تصانیف:

آپ نے تدریس و تبلیغ اور وعظ و ارشاد کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود آٹھ کتب تحریر فرمائیں جن میں سے پانچ یعنی فتاویٰ غلامیہ، نور العینین فی سفر الحرمین، سیف رحمانی علیٰ راس القادیانی، دیوانِ غلامیہ، نغمۂ شہادت غیر مطبوعہ جبکہ القول المحتاط فی جواز الحیلة والاسقاط اور رسالہ اذان علی القبر وتعدد الجمعه فی مساجد المصر مطبوعہ ہیں[۱۱]۔

اخلاق وعادات:

آپ نہایت ہی منکسر المزاج اور سادگی پسند تھے۔ لباس سادہ لیکن عالمانہ زیبِ تن فرماتے تھے۔ اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، کسی سے مدد نہ لیتے تھے۔ صوفی اللہ دین نقشبندی کا بیان ہے کہ ''ایک مرتبہ مفتی صاحب گھر کے لیے ٹال سے لکڑیاں خود ہی اٹھا کر لا رہے تھے۔ میں نے عرض کی حضور آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں، ہم خدام جو حاضر ہیں آپ ہمیں ارشاد فرمادیا کریں۔ یہ کہہ کر لکڑیاں آپ سے لینا چاہیں۔ آپ نے نہ دیں اور فرمایا یہ اپنا کام ہے لہٰذا خود ہی کروں گا۔ مزید فرمایا اللہ دین! کیا قیامت کے دن میرا بوجھ اٹھالوگے؟ حضرت کے یہ الفاظ سن کر میں حیران رہ گیا۔ اللہ اکبر! نیک لوگوں کے خیالات کتنے نیک و پاکیزہ ہوتے ہیں اور اتنے عالم و فاضل ہونے کے باوجود اپنے کام میں عار محسوس نہیں کرتے۔'' مفتی صاحب بیواؤں، یتیموں اور فقیروں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ ان

لوگوں کے ماہانہ وظائف مقرر تھے جو کہ خود ان کے گھر جا کر دیا کرتے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دیتے تھے۔ وصال کے بعد وظیفہ حاصل کرنے والے افراد کے خود بتانے سے پتہ چلا۔ نمازِ عشاء کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سوتے پھر جلد ہی اٹھ کر ذکر وفکر میں مشغول ہو جاتے تھے [۱۲]۔

دینی غیرت وحمیت:

شریعت کی خلاف ورزی نہ خود کرتے نہ کسی کو کرنے دیتے۔ رمضان المبارک میں دن کے وقت دکانداروں کو اشیائے خورد نوش فروخت کرنے سے منع کرتے۔ جو نہ مانتا اسے سخت سزا دیتے۔ دور طالب علمی میں گجرات کی جس مسجد میں آپ امامت فرماتے تھے، معلوم ہوا اس کے قریب ہی چند لوگ حقہ نوشی کر رہے ہیں۔ آپنے دو شاگردوں کو ساتھ لیا۔ اور وہاں پہنچ کر روزہ خوروں کو اتنا مارا کہ عصا ٹوٹ گیا۔ سب روزہ خوروں نے معافی مانگی، اجتماعی توبہ کی اور یہ حق کی ہیبت تھی کہ کسی کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی [۱۳]۔ بدمذہبوں پر بہت سخت تھے۔ گستاخوں اور بے ادبوں سے کسی قسم کی رواداری اور تعلقِ خاطر نہ رکھتے تھے۔

مقبولیت:

آپ کے تقویٰ وطہارت، زہد وعبادت اور علمیت وعبقریت کا شہرہ سمتوں میں تھا۔ دور دور سے طالبانِ علم اور جویانِ حق فیض پانے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ہندو، سکھ اور عیسائی بھی محض زیارت کے لیے آتے تھے۔ ایران سے آپ کو پیشکش ہوئی۔ لیکن یہ آپ کی للّٰہیت وقناعت تھی کہ تاعمر اپنی تعمیر کردہ مسجد حنفیہ رضویہ اندرون ٹکسالی گیٹ نزد دار العلوم نعمانیہ میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ علماء وعوام دینی مسائل میں آپ سے رجوع کرتے تھے اور فتویٰ لیتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ غلامیہ'' دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس کی پہلی جلد کے صفحات ۵۷۶ اور دوسری جلد کے صفحات ۳۸۵ ہیں۔ اس سے فتاویٰ کی کثرت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ عام پیرانِ طریقت کے برعکس فوراً مرید نہیں فرماتے تھے اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو بیعت کر لیتے۔ اس کے باوجود آپ کے مریدین سینکڑوں میں ہیں۔ بریلی شریف میں بھی بہت سے لوگ آپ کے ذریعہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ مین داخل ہوئے۔

ملّی خدمات:

اگرچہ آپ کے شب وروز تدریس کے لیے وقف تھے لیکن قوم پر جب بھی کوئی مشکل مرحلہ آیا، آپ نے آگے بڑھ کر مدد کی۔ تحریکِ پاکستان کی آپ نے مکمل حمایت فرمائی۔ قراردادِ پاکستان کی پُرزور تائید کی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس جس میں بائیس ہزار علماء ومشائخ اور تقریباً دو لاکھ سنی مسلمانوں نے شرکت کی تھی اور یہ اعلان کیا گیا تھا کہ '' آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء ومشائخ اہلِ سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیثِ نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔ [۱۴]'' اس یادگار سنی کانفرنس میں حضرت مفتی صاحب نے شرکت فرمائی تھی [۱۵]۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء میں جب تحریکِ ختمِ نبوت چلی تو اس میں بھی مفتی صاحب نے حصہ لیا تھا۔ آپ جمعیت علمائے پاکستان کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔

سفرِ آخرت:

وصال سے چند روز قبل مفتی صاحب نے وراثت کی تقسیم کا مسئلہ لکھ کر اپنے صاحبزادے حضرت مولانا قاضی محمد مظفر اقبال رضوی کے سپرد فرمایا، ختم شریف پڑھنے کا حکم دیا، دعائے خیر فرمائی۔ قاضی محمد مظفر اقبال صاحب رخصت کی یہ تیاریاں دیکھ کر اور جدائی کا تصور کر کے

رونے لگے تو انہوں نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا ''یہ دنیا ناپائیدار ہے، سب نے جانا ہے، دین پر قائم رہنا اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے مسلکِ حقہ کو اپنائے رکھنا''۔[۱۶]

یہ وصیت فرمانے کے چند دن بعد بروز ہفتہ ۲۵ محرم الحرام/ یکم اگست ۱۹۵۹ء کو خدام سے باتیں کرتے ہوئے اچانک اپنا رخ قبلہ کی طرف کرلیا اور اپنے بڑے بیٹے سے معانقہ و مصافحہ کیا۔ پھر کلمہ طیبہ اور صلوٰۃ وسلام کا ورد کرتے ہوئے عین اس وقت جب مؤذن نے ظہر کی آواز بلند کی تو آپ نے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔[۱۷]

آپ کے انتقال فرماتے ہی رحمت کی گھٹائیں چھا گئیں اور بارش برسنا شروع ہوگئی۔ مریدین ومعتقدین وفات کی خبر سنتے ہی جمع ہوگئے۔ تمام رات قرآن کریم اور درود شریف پڑھا جاتا رہا۔ اگلے روز اتوار کو ہزاروں معتقدین اور علمائے کرام کے جلو میں جنازہ اٹھایا گیا۔ جنازہ کی نماز قبرستان میانی صاحب سے ملحق جنازہ گاہ میں ہونا قرار پائی تھی۔ سخت گرمی کے ایام تھے لیکن جب جنازہ یونیورسٹی گراؤنڈ کے پاس پہنچا تو بادل چھاگئے اور بوندا باندی ہوئی۔ سینکڑوں علمائے کرام جنازے میں شریک تھے جن میں مفتی عزیز احمد بدایونی، مولانا عبد العزیز مزنگوی، شارح بخاری مولانا غلام رسول رضوی، مولانا علامہ محمود احمد رضوی، مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی، مولانا سید انور شاہ، مولانا علامہ مہر دین، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی نمایاں تھے۔ نماز جنازہ کی امامت خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا علامہ ابو البرکات سید احمد قادری اشرفی نے فرمائی۔ پھر حسب وصیت شہیدِ ناموس رسالت غازی علم دین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی جنوبی جانب مفتی صاحب کو سپردِ خاک کیا گیا۔[۱۸]

محافلِ ایصالِ ثواب:

اگلے دن مسجد حنفیہ رضویہ اندرون ٹکسالی گیٹ میں قل شریف کی محفل ہوئی۔ قرآن خوانی کے بعد حضرت مولانا سید ابو البرکات شاہ صاحب نے شجرہ شریف پڑھا اور دعا فرمائی۔

بریلی شریف میں حضرت مفتی صاحب کی رحلت کی خبر نہایت غم و اندوہ کے ساتھ سنی گئی۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی نے مرکزی دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی میں محفلِ ایصالِ ثواب منعقد کی اور مرحوم کے لیے جنت الفردوس و پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا فرمائی۔ مولانا ساجد علی خاں صاحب نے تقسیم شیرینی کا انتظام فرمایا۔ [۱۹]

قطعۂ تاریخِ وصال و مادہ ہائے تاریخ:

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ''معارف آگاہ'' مفتی اعظم (۱۹۵۹ء) تاریخ عیسوی اور ''فوت شد مفتی جہاں'' (۱۳۷۹ھ) تاریخ ہجری کہی ہے۔[۲۰] جناب محمد عبد القیوم طارق سلطانپوری نے احقر راقم الحروف کی درخواست پر ۲۰ مادہ ہائے تاریخ اور ایک قطعۂ تاریخ وصال ارشاد فرمایا ہے۔ یہاں قطعۂ تاریخ وصال کے چند منتخب اشعار پیش خدمت ہیں۔ مکمل قطعہ ان شاء اللہ العزیز حضرت مفتی غلام جان ہزاروی کی سوانح میں شائع کیا جائے گا جو عنقریب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوگی۔

امامِ اہلِ سنت کا خلیفہ
وہ ریحانِ ریاضِ اعلیٰ حضرت
بلند اس کا مقامِ علم و دانش
مسلّم اس کی تدریسی مہارت
شریعت کے حقائق سے وہ آگاہ
وہ تھا دانائے اسرارِ طریقت
اولو العزمی کا، پیکر راستی کا
وہ تصویرِ جہاد و استقامت تھا
نصب العین اس کی زندگی کا

عروجِ دین و استحکامِ ملت
وہ اپنی ذات میں تھا اک ادارہ
بہت کی دینِ حق کی اس نے خدمت
لحد ہو مہبطِ انوار اس کی
الٰہی ہو چمن زار اس کی تربت
''فرید المرتبت باجاہ'' اس کی
۱۳۷۹ھ
رقم طارق نے کی تاریخ رحلت
وصالِ عبد حق آگاہ کا سال
کہا طارق نے نقشِ فوز و عظمت [۲۱]
۱۹۵۹ء

عرس مبارک:

حضرت مفتی غلام جان ہزاروی علیہ الرحمۃ کا عرس مبارک ہر سال آپ کے بلند اقبال صاحبزادے مولانا قاضی محمد مظفر اقبال رضوی کے زیرِ اہتمام نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوتا ہے۔ مولائے کریم سے دعا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے طفیل ہمیں مسلکِ اہلِ سنت کی ترویج و اشاعت اور ملت کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

حوالہ جات

[۱] محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۹۶، رفاقتی کتب خانہ، کانپور ۱۳۹۶ھ

[۲] محمد مظفر اقبال رضوی، مولانا، مختصر حالاتِ زندگی مفتی غلام جان ہزاروی، ص ۱ (قلمی)

[۳] محمد امیر شاہ گیلانی، تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، ص ۳۴۰، عظیم پبلشنگ ہاؤس، پشاور ۱۹۷۲ء

[۴] محمد غلام جان ہزاروی، مفتی، قلمی یادداشت، ص ۸۹ (قلمی)

[۵] محمود احمد قادری، مولانا، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۹۷، رفاقتی کتب خانہ، کانپور

[۶] محمد مظفر اقبال رضوی، مولانا، مختصر حالاتِ زندگی مفتی غلام جان ہزاروی، ص ۴، (قلمی)

[۷] محمد مظفر اقبال رضوی، مولانا، قلمی یادداشت، ص ۳

[۸] محمد غلام جان ہزاروی، مفتی، قلمی یادداشت، ص ۸۶

[۹] محمد مظفر اقبال رضوی، مولانا، مختصر حالاتِ زندگی مفتی غلام جان ہزاوی، ص ۵ (قلمی)

[۱۰] محمد غلام جان ہزاروی، مفتی، نور العینین فی سفر الحرمین، ص ۴۰۶ (قلمی)

[۱۱] محمد عبد الحکیم شرف قادری، مولانا، تذکرہ اکابرِ اہل سنت، ص ۳۰۰، فرید بک اسٹال، لاہور

[۱۲] محمد مظفر اقبال رضوی، مولانا، مختصر حالات زندگی مفتی غلام جان ہزاروی، ص ۶، قلمی

[۱۳] محمد غلام جان ہزاروی، مفتی، قلمی یادداشت، ص ۸۰

[۱۴] محمد جلال الدین قادری، مولانا، تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، ص ۲۵۰

[۱۵] ایضاً ص ۲۱۸

[۱۶] محمد مظفر اقبال رضوی، مولانا، قلمی یادداشت

[۱۷] ایضاً ص ۸

[۱۸] ایضاً ص ۸

[۱۹] رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ، ۷ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

[۲۰] محمد عبد الحکیم شرف قادری، مولانا، تذکرہ اکابرِ اہل سنت، ص ۳۰۰

[۲۱] مکتوب جناب عبد القیوم طارق سلطانپوری بنام مقالہ نگار

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا سید محمد حسین میرٹھی۔ حیات وخدمات

ازقلم: حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی

اسلام کی تبلیغ، مسلکِ اہل سنت کی اشاعت اور سلسلہ کے اجراء کے لیے جن مریدین و معتقدین میں زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، حضرات مشائخ انہیں اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ جو کہنہ مشق مفتی، اور جلیل القدر محدث ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلۂ عالیہ قادریہ کے عظیم بزرگ تھے، نے بہت سے اہل افراد کو اپنا خلیفہ بنایا انہیں میں سے ایک ہمارے ممدوح حضرت مولانا سید محمد حسین میرٹھی علیہ الرحمۃ بھی ہیں سطور ذیل میں ان کے جو حالات ہمیں دستیاب ہوئے ترتیب وار پیش کیے جارہے ہیں۔

ولادت وتعلیم:

مولانا سید محمد حسین میرٹھی ۳۰ راگست ۱۸۷۳ء کومرکزِ اہلِ سنت بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔[۱] تعلیم کہاں تک حاصل کی اور کس سے حاصل کی اس بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ البتہ ان کے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے ابتدائی عمر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ کی نقل کا کام ۱۳۱۲ھ میں چند سال انجام دیا ہے۔[۲] یقیناً اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ مبارکہ کی نقل کا کام کوئی اعلیٰ درجے کا پڑھا ہوا ہی انجام دے سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت سے عقیدت ومحبت:

مولانا سید محمد حسین میرٹھی کو اپنے شیخ طریقت سے بے حد محبت تھی۔ خدمتِ اقدس میں حاضری کے لیے بے تاب رہتے۔ جب تک بریلی شریف قیام رہا تب تک تو زیارت کا حصول آسان رہا۔ جب میرٹھ چلے گئے تو وہاں سے بھی کسی نہ کسی بہانے زیارت کے لیے حاضر ہوتے رہتے۔ بوقتِ زیارت نہایت مؤدب رہتے۔ کوئی حاجت ہوتی تو بیان نہ کرتے۔ اکثر اعلیٰ حضرت کشف کے ذریعے سے مشکل کا حل فرمادیتے یا خود ہی سید صاحب سے دریافت کر لیتے۔

مولانا محمد حسین میرٹھی اعلیٰ حضرت کے فرمانبردار تھے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت نے جب خلافت عطا فرما کر تبلیغ دین اور اشاعتِ مسلک اہل سنت کے لیے میرٹھ جانے کا حکم دیا تو فوراً سرِ تسلیم خم کردیا۔ آبائی شہر بریلی شریف کو چھوڑ کر میرٹھ جا پہنچے۔ یونہی ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے انہیں لکھنؤ ایک کتاب کے قلمی نسخے کو نقل کرنے بھیجا تو ۱۸۵ جز کی کتاب نقل کر کے لے آئے۔ انہی دنوں اعلیٰ حضرت نے آپ کو تین خطوط تحریر کیے۔ تیسرے خط میں آپ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا:

نور دیدۂ محبت ومروت مولانا مولوی محمد حسین سلمہ المولیٰ تعالیٰ فی الدارین۔[۳] ان الفاظ پر مولانا محمد حسین میرٹھی نے جو تبصرہ کیا وہ شیخ طریقت سے غایت محبت پر دلالت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "ایک سچے ولی اللہ کے قلم سے یہ الفاظ نکلے ہیں تو اب ان شاء اللہ تعالیٰ میں ہمیشہ آرام سے رہوں گا اور ہر کام میں کامیاب رہوں گا اور چونکہ قبر بھی دارین ہی میں ہے۔ اس لیے وہاں کے مصائب سے بھی نجات کا ذریعہ ہے۔ اس وجہ سے وہ خط محفوظ کرلیا۔[۴]

اعلیٰ حضرت کا کرم:

مولانا سید محمد حسین میرٹھی کی اس محبت کی وجہ سے اعلیٰ حضرت ان پر بے حد لطف وکرم فرماتے تھے۔ اور بہت اعتماد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب دار العلوم دیوبند کا پہلا سالانہ جلسہ دستار بندی منعقد ہوا تو اعلیٰ حضرت نے مہتمم مدرسہ دیوبند کے نام اپنا مکتوب سید صاحب کے ذریعہ بھیجا تھا جس میں دیوبندی عقائد کی وضاحت طلب کی گئی تھی۔[۵] ایک مرتبہ سید صاحب سخت بیمار ہوگئے۔ اعلیٰ حضرت کو خطوط لکھے لیکن جواب نہ آیا۔ آخر ایک صاحب کے ہاتھ دستی رقعہ بھیجا جس میں لکھا "یہ تو میں جانتا ہوں کہ حضور نہایت ہی عدم

الفرصت ہیں لیکن کیا ہم خدام کا اتنا بھی حق نہیں کہ ہمارے مرتے وقت آپ کام آجائیں۔" وہ پرچہ اعلیٰ حضرت کو بعد نمازِ جمعہ مسجد میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اسی وقت تار دیا جو شام کو میرٹھ پہنچا لکھا تھا "گھبراؤ مت، اچھے ہو جاؤ گے"۔ صبح ہفتہ کو گرامی نامہ آیا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

"میں نے تمہارے خطوط کا جواب نہیں دیا، اس میں مصلحت تھی ورنہ میں ہر وقت بطریق روحانی تمہارے ساتھ ہوں۔"[۶]

اعلیٰ حضرت کے حالات کا بیان:

شیخ طریقت کا ذکر سید صاحب کے لیے غذائے روح کا درجہ رکھتا تھا۔ اس لیے کثرت سے کرتے تھے۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کی ترتیب شدہ حیاتِ اعلیٰ حضرت میں جگہ جگہ آپ کے بیان کردہ واقعات ملتے ہیں۔ کہیں آپ اعلیٰ حضرت کے نماز پڑھنے کا انداز بیان کرتے ہیں۔[۷] تو کہیں حافظہ کی مضبوطی کا ذکر کرتے ہیں۔[۸] کہیں اعلیٰ حضرت کا ایک ایک وقت میں چار چار حضرات کو دینی سوالات کے جوابات لکھوانے کا منظر بیان کرتے ہیں[۹]، تو کہیں بیماری کے عالم میں بھی فتویٰ لکھوانے کا تذکرہ کرتے ہیں[۱۰]، کہیں اتباعِ سنت کا ذکر کرتے ہیں[۱۱]، تو کہیں حاضر جوابی بیان کرتے ہیں[۱۲]، کہیں ریاضی دانی کا منظر بیان کرتے ہیں[۱۳]، تو کہیں حاضر باشوں کی فقہ دانی کا نقشہ کھینچتے ہیں۔[۱۴]

اعلیٰ حضرت کی کرامات کو بیان کرتے ہوئے وہ اپنی آپ بیتی بھی بیان کرتے چلے جاتے ہیں کہیں وہ اپنے ہاتھ میں سخت درد کے باوجود ایک بہت بڑی کتاب نقل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے درد کا ہمیشہ کے لیے کافور ہونا بیان کرتے ہیں۔[۱۵] تو کہیں اعلیٰ حضرت کا لنگر کھا کر تین دن مطلق بھوک پیاس محسوس نہ ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔[۱۶] کہیں اعلیٰ حضرت کی نظرِ کرم سے سخت مشکل کام حیران کن طریقے سے انجام پانے کی بات چھیڑتے ہیں[۱۷]، تو کہیں جان لیوا بیماری سے شفایابی کو صرف اعلیٰ حضرت کے تعویذ کی برکت قرار دیتے ہیں[۱۸]۔ کہیں وہ اعلیٰ حضرت کا مسلسل اکتیس روز کچھ نہ کھائے بغیر خدمتِ دینی کا واقعہ بیان کر کے حیران کرتے ہیں[۱۹] تو کہیں اعلیٰ حضرت پر سخت دھوپ میں بادل سایہ فگن ہونے کا منظر بیان کر کے تازہ ایمان کر دیتے ہیں[۲۰]۔ الغرض حیاتِ اعلیٰ حضرت میں جگہ جگہ آپ کے بیان کردہ واقعات جہاں مشامِ جاں کو معطر کر دیتے ہیں۔ وہیں شیخ طریقت کے سوانح حیات سے آپ کی دلچسپی پر دلالت کرتے ہیں۔

ذریعۂ معاش:

اعلیٰ حضرت کے حکم پر تبلیغ دین و اشاعتِ مسلکِ اہلِ سنت کے لیے صرف بیس سال کی عمر میں جب آپ میرٹھ تشریف لے گئے۔ تو فکر معاش لاحق ہوئی۔ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ "میں نے ایک خضاب تیار کیا اور ایک طلسمی پریس ایجاد کیا اور بریلی شریف جا کر اعلیٰ حضرت کے سامنے دونوں چیزیں پیش کر کے دعا کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت نے خضاب کے متعلق فرمایا کہ "اس روسیاہی سے بچئے" اور پریس چلانے کی اجازت بھی دی اور دعا بھی فرمائی۔[۲۱]

مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں پروفیسر محمد ایوب قادری کی درج ذیل تحریر مکمل درست معلوم نہیں ہوتی:

حافظ محمد حسین رہنے والے تو دراصل بریلی کے تھے۔ مگر تجارتی سلسلے میں میرٹھ میں رہ پڑے تھے۔ بڑے جہاندیدہ بزرگ تھے۔ طلسمی پریس کے سلسلے میں سارا برصغیر چھان مارا تھا۔[۲۲]

ہم ابتدائی سطور میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ میرٹھ میں سید صاحب کی تشریف آوری تجارتی سلسلے میں نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حکم پر محض تبلیغ دین کے لیے تھی جبکہ طلسمی پریس کا سلسلہ اعلیٰ حضرت کی دعا و اجازت سے ضمناً گزر اوقات کے لیے شروع کیا تھا جو بڑی کامیابی سے چل نکلا تھا۔ مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی نے سید صاحب کا نام امام احمد رضا کے صاحب ثروت معتقدین میں لکھا ہے۔[۲۳]

دینی خدمات:

سید صاحب نے میرٹھ کے محلہ خیر نگر میں کرایہ پر مکان لیا اور شہر کی ممتاز جامع مسجد خیر المساجد کو نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے منتخب کیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مسلکِ اہل سنت کی تبلیغ کے لیے سید صاحب کو میرٹھ میں مستقل رہائش رکھنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ میرٹھ میں علمائے دیوبند کے اثرات زیادہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدارسِ عربیہ اور بعض مساجد میں ان کی نمائشی حنفیت، فاتحہ و نذر و نیاز میں ان کی شرکت نے عوام کی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے تھے [۲۴]۔

سید صاحب نے جامع مسجد خیر المساجد کے خطیب مولانا شاہ محمد حبیب اللہ سے رشتۂ مودت و اخلاص قائم فرمایا۔ آپ ہی کی رفاقت میں مولانا موصوف اور مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت کا شرف حاصل کیا اور کچھ عرصہ بعد خلافت و اجازت سے بھی نوازے گئے۔ ان دو حضرات بالخصوص حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی کی دینی خدمات سے اکثر لوگ آگاہ ہیں۔ اس تناظر میں اعلیٰ حضرت کے حکم پر سید صاحب کے میرٹھ جانے کی حکمت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔

سید صاحب کی مشاورت سے ہی حضرت مولانا شاہ محمد حبیب اللہ میرٹھی نے خیر المساجد میں عظیم الشان تین روزہ جلسہ عید میلاد النبی ﷺ کا آغاز فرمایا [۲۵]۔ یونہی سید صاحب کی تحریک و تعاون اور چند دیگر صاحب ثروت حضرات کی امداد سے مولانا شاہ محمد حبیب اللہ نے میرٹھ میں مسلم دار الیتامیٰ والمساکین کی بنیاد رکھی جس میں یتامیٰ و مساکین کو رہائش کے ساتھ ساتھ خوراک، لباس اور تعلیم بھی مفت فراہم کی جاتی تھی۔ [۲۶]

کراچی آمد:

قیامِ پاکستان کے بعد آپ کراچی تشریف لے آئے اور گلبہار کالونی میں عظیم الشان مسجد غوثیہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کے صاحبزادے مولانا سید احمد حسین میرٹھی نے لمبا عرصہ یہاں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیے۔ اب سید صاحب کے پوتے مولانا سید ارشاد حسین مسجد غوثیہ ٹرسٹ کے چیئرمین ہیں۔

وصال:

جو بھی دنیا میں آیا ہے اس نے ایک نہ ایک دن ہمیشگی کے گھر جانا ہے۔ سو وہ وقت آن پہنچا ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ/ ۲۳ اگست ۱۹۶۴ء کو آپ نے دارِ فنا سے دارِ بقا کی جانب رحلت فرمائی۔ مفتی ظفر علی نعمانی علیہ الرحمہ کی اقتداء میں ہزاروں افراد نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ پھر پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

راقم کی درخواست پر ملک کے عظیم شاعر جناب عبد القیوم طارق سلطان پوری صاحب نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخِ رحلت کہا ہے۔

ہُویدا اس سے ہے اُس کی سعادت
بریلی میں ہوئی اس کی ولادت
پلا وہ علم و عرفاں کی بقا میں
یہ اس کا اوجِ بخت و حسنِ قسمت
شرفِ بیعت کا پایا اُن سے اس نے
کہا جاتا ہے جن کو اعلیٰ حضرت
وہ مردِ حق وہ شیدائے محمد
مجدد وہ امامِ اہلِ سنت
نبی کا شیفتہ احمد رضا خاں
وہ صدرِ بزمِ جانِ رحمت
اس عبدِ حق کو، مردِ باصفا کو
ملا مرشد سے اعزازِ خلافت
مبلّغ تھا وہ دینِ مصطفیٰ کا
بلند اختر تھا وہ مسعود فطرت
وہ ہوجائے گا اس کا مرتبہ داں
پڑھی جس نے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''
۱۳۸۴ھ

وقار و زیب شہر علم و عرفاں
کہا طارق نے اس کا سال رحلت
متفکر فکر سے رحلت کی تاریخ
کہی ہے "حسنِ فیضانِ رشادت"
۱۹۶۴ء

حوالہ جات

[۱] محمد ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج۱، ص ۹۴

☆ تاریخ ولادت مولانا محمد حسین میرٹھی کے اس بیان سے اخذ کی گئی ہے: "آج ۱۴ رشوال ۱۳۶۶ھ/ ۱۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو میری عمر دو ماہ کم ۴۷ سال کی ہے۔" جبکہ عیسوی تقویم کے حساب سے سن ولادت مقرر کیا گیا ہے۔

[۲] ایضاً، ص ۹۴ (پروفیسر محمد ایوب قادری نے آپ کے نام کے ساتھ حافظ لکھا ہے جس کا مطلب ہے کہ آپ حافظِ قرآن تھے)

[۳] غلام جابر شمس مصباحی، ڈاکٹر، کلیات مکاتیب رضا، ص ۲۲۴ (یہ تینوں خطوط کلیات میں موجود ہیں)

[۴] محمد ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۹۸۶

[۵] محمد عارف اللہ قادری، مولانا، شاہ، اذکار حبیب رضا، ص ۱۳

[۶] محمد ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۹۹۱

[۷] ایضاً، ص: ۹۴

[۸] ایضاً، ص: ۱۰۱

[۹] ایضاً، ص: ۱۰۲

[۱۰] ایضاً، ص: ۱۱۱

[۱۱] ایضاً، ص: ۱۰۷

[۱۲] ایضاً، ص: ۲۲۷

[۱۳] ایضاً، ص: ۲۴۱

[۱۴] ایضاً، ص: ۲۶۳

[۱۵] ایضاً، ص: ۹۸۳

[۱۶] ایضاً، ص: ۹۸۲

[۱۷] ایضاً، ص: ۹۸۷

[۱۸] ایضاً، ص: ۹۹۰

[۱۹] ایضاً، ص: ۹۹۳

[۲۰] ایضاً، ص: ۹۹۴

[۲۱] محمد عارف اللہ قادری، مولانا، شاہ، اذکار حبیب رضا، ص ۱۴

[۲۲] محمد ایوب قادری، پروفیسر، فاضل بریلوی کے تین غیر مطبوعہ خطوط، شمولہ انوار رضا، ص ۱۲۷

[۲۳] یٰسین اختر مصباحی، مولانا، امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات، ص ۷۹

[۲۴] محمد عارف اللہ قادری، مولانا، شاہ، اذکار حبیب رضا، ص ۱۳

[۲۵] ایضاً ص ۱۴

[۲۶] ایضاً ص ۱۹

[۲۷] مکتوب جناب عبد القیوم طارق سلطان پوری بنام راقم الحروف

زہے یہ صولت و رعب و جلال احمد رضا خاں کا
کہ منکر بھی ہے مداحِ خصال احمد رضا خاں کا

عدو کو بھی نظر آئی جلالت اعلیٰ حضرت کی
اگر انصاف سے دیکھا کمال احمد رضا خاں کا

لرز جاتے ہیں منکر آج بھی سنتے ہی نام اُن کا
اگرچہ ہوچکا ہے انتقال احمد رضا خاں کا

بفضل عقیدت اللہ مجھے بھی ہے عقیدت اعلیٰ حضرت کی
ہے میرے گوشۂ دل میں خیال احمد رضا خاں کا

امام احمد رضا کی تصنیف الزلال الانقی من بحر سبقة الاتقی کا فنی اور علمی جائزہ

از: ڈاکٹر محمد اشفاق جلالی

☆ امام احمد رضا نے عربی نثر نگاری کے میدان میں جو جوہر دکھائے ہیں اس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی ہے۔ اس برق رفتار قلم کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ نے عربی زبان میں ۲۹۱ کتب مختلف موضوعات پر سپرد قلم کیں بعض اوقات ایک ہی نشست میں مکمل کتاب لکھ ڈالی لیکن روانی میں کبھی ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔

☆ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ کثرتِ کار کے سبب آپ نے دونوں ہاتھوں سے لکھنا شروع کردیا دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں قلم سے دو مضمون بیک وقت صفحہ قرطاس کی زینت بنتے اور کسی بے ترتیبی کا شائبہ تک نہ ہو پاتا۔

☆ عربی زبان و ادب میں آپ کی اعلیٰ مہارت سے متاثر ہو کر علمائے حرمین شریفین نے نہ یہ کہ آپ کی تصانیف پر تقاریظ لکھیں بلکہ آپ سے اسناد و اجازات بھی حاصل کیں۔ الجوہرۃ المضیئۃ پر دو روز میں بلیغ شرح النيرة الوضية فی شرح الجوهرة المضيئة لکھی اس پر تعلیقات و حواشی کا اضافہ بعد میں الطرة الرضية على النيرة الوضيئة نام سے لکھا۔

عرب علماء آپ کی عربی زبان میں مہارت کو دیکھ کر پکار اٹھے:

فوجدتها شذرة من عسجد و جوهرة وعقود درر وزبرجد قد نظمها بيد الاجادة فی سلك اصابة الصواب

"یہ تو خالص سونے کی ڈلی ہے یا یاقوت و زبرجد اور موتیوں کی لڑیوں کا دانہ ہے جسے قابلِ قدر ہاتھوں نے صراط مستقیم کی لڑی میں پرو دیا ہے۔"

☆ امام احمد رضا کو عربی زبان کا ذوق ہی نہیں بلکہ اس سے عشق تھا کیونکہ یہ لسان القرآن اور لسان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ عربی زبان سے بے پناہ لگاؤ کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے ہر رسالہ بلکہ تحریر کا ہر خطبہ عربی میں تحریر کیا خواہ وہ رسالہ عربی میں تحریر کیا گیا یا فارسی میں۔

☆ اپنے ہر رسالے کا نام، اس کے سنِ تحریر کی مناسبت سے عربی میں ہی لکھتے تھے۔ ہر رسالہ کا اس کے موضوع کے مطابق خطبہ تحریر کرتے ہیں۔

☆ آپ ایک بہترین ادیب تھے آپ کی عربی زبان و ادب میں مہارت اور برجستگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن علمائے عرب نے آپ سے کسی مسئلے پر استفسار کیا تو آپ نے فی الفور عربی زبان میں اس مسئلے کے جواب میں جو اپنی عدیم المثال رائے پیش کی اس کی ایک تاریخی حیثیت ہے۔ آج وہ جواب الدولة المكية بالمادة الغيبية، كفل الفقيه الفاهم فی احكام قرطاس الدراهم کی صورت میں عربی زبان و ادب کا ایسا شہ پارہ ہیں جو ارباب علم و دانش پر مخفی نہیں۔

☆ عربی زبان میں برجستگی کا عالم یہ تھا کہ بہت زود نویس چار آدمی نقل کرنے بیٹھتے اور امام احمد رضا ایک ایک ورق تصنیف فرما کر نقل کرنے کو مرحمت فرماتے۔

☆ امام احمد رضا جہاں ایک عظیم فقیہہ، مفتی، محدث و مفسر تھے وہاں وہ اردو، فارسی اور عربی زبان و ادب پر بھی یکساں عبور رکھتے تھے عربی زبان و ادب میں ان کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ ان کی عربی تحریر دیکھ کر اہل عرب کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ ہندی نژاد عالم یا ادیب کی تحریر ہے۔

☆ امام احمد رضا نے ترجمہ کے علاوہ قرآن کی تفسیر بھی لکھی۔ جس میں نکتہ آفرینی سے کام لیا ہے۔ اس سلسلے میں بعض اہم تفاسیر پر

کے حواشی اور بعض آیات قرآنیہ کی تفسیر موجود ہے۔

حاشیہ الدر المعوز

الاتقان فی علوم القرآن

حاشیہ تفسیر خازن

حاشیہ تفسیر بیضاوی

☆ بعض آیات پر مستقل تفسیری تصانیف لکھیں۔

انوار العلم فی معنی میعاد استجب لکم

انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شئ

النفحۃ الفائحہ من مسک سورۃ الفاتحہ

الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی۔

☆ یہ مخطوطہ الزلال الانقی جس کو ہم نے تحقیق علمی اور دراسۃ نقدیہ کے لئے منتخب کیا اس کا موضوع افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہے اس سے قبل یہ مخطوط تحقیق وتزئین کے زیور سے آراستہ نہیں ہوا۔ اس کی بعض خصوصیات اور ادبی محاسن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

مخطوط کے نسخ:

اس مخطوط کے تین نسخہ ہیں جن کو بندۂ ناچیز ایڈیٹ کیا ہے اور اور ان کا تقابلہ جائزہ لیا ہے۔

(۱) ایک نسخہ جو کہ مؤلف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے وہ محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد کی لائبریری میں فیصل آباد موجود ہے۔ یہ نسخہ علامہ جلال الدین قادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کھاریاں کے ذریعے حاصل ہوا۔

(۲) دوسرا نسخہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی انٹرنیشنل کی لائبریری میں ہے جو صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری دامت برکاتہم العالیہ کے ذریعے حاصل ہوا۔

(۳) تیسرا نسخہ جو بریلی شریف سے مطبوع ہے اور جو مفتی اختر رضا خان بریلوی دامت برکاتہم العالیہ کے ترجمہ کے ساتھ طبع ہوا۔ یہ نسخہ شیخ الحدیث علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ کے ذریعہ حاصل ہوا۔

☆ مؤلف نے اپنی کتاب کو ایک خطبہ دو مقدمات تین شبہات اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے مقدمہ میں سورہ حجرات کی آیت نمبر ۱۳ کی تفسیر کی ہے اور دوسرے مقدمہ میں سورہ واللیل کی آیت نمبر ۱۷ تا ۲۱ کی تفسیر بیان فرمائی۔ اس کے بعد تفضیلیہ کے تین بڑے اہم شبہات نقل کئے ہیں اور ان کا دلائل نقلیہ، عقلیہ، منطقیہ، فلسفیہ اور بلاغیہ سے مسکت جواب دیا ہے۔ اور خاتمہ میں مسئلہ تفضیل کے قطعی یا ظنی ہونے پر گفتگو فرمائی ہے اور اقوال مفسرین، محدثین اور متکلمین ذکر کرتے ہوئے ان کے اقوال کے درمیان تطبیق بیان کی ہے۔

☆ اس کتاب کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ مؤلف نے اس عظیم الشان کتاب کو صرف پانچ دن میں تحریر فرمایا ہے۔ مؤلف خطبۂ کتاب میں فرماتے ہیں: فاختلست الفرصۃ خمسۃ ایام من آخر الشھر المبارک ذی الحجۃ الحرام حتی جاء ت بحمد اللہ کما تروق الناظر۔

☆ کتاب کا نام اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ اپنے موضوع پر دلالت بھی کر رہا ہے اور سنِ تالیف ۱۳۰۰ھ بیان بھی بیان کر رہا ہے۔

☆ یوں تو پوری کتاب ہی فصاحت وبلاغت کا ایک بحرِ بے کراں ہے لیکن خطبہ کتاب فصاحت وبلاغت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔

☆ مؤلف نے خطبہ میں حمد وثناء، صلوۃ وسلام کے بعد جس انداز میں براعۃ استہلال کا اظہار فرمایا ہے اس کا جواب نہیں۔ مؤلف نے خطبہ میں کتاب لکھنے کا پس منظر، کتاب کے بارے میں استخارہ کرنے، کثرتِ مشاغل، عدم فرصت اور کتاب کی اہمیت کو بڑے خوبصورت اور احسن پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ اور کتب تفاسیر تک عدم دستیابی کا ذکر بھی کیا ہے اور اس حقیقت کو بھی بیان کیا ہے کہ مؤلف کی علوم دینیہ میں یہ پندرہویں تصنیف ہے۔

☆ مؤلف نے اسی موضوع یعنی تفضیل شیخین پر اپنی جلیل القدر کتاب مطلع القمرین فی ابانۃ سبقت العمرین کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔

☆ مؤلف نے اپنے والد گرامی اور اپنے دادا جان کا بڑے خوبصورت اور ادبی انداز میں تعارف کراتے ہوئے جو اپنے اشعار نقل کئے ہیں ان میں جس انداز کے ساتھ تشبیہات کنایات استعارات استعمال فرمائے ہیں وہ مؤلف کی عربی شاعری پر مہارت تامہ کا پتہ دے رہے ہیں۔ ان اشعار کو پڑھیئے اور حظ لیجئے۔ حضرت مولانا نقی علی خان کے بارے میں اشعار:

فواللہ لم یبلغ ثنائی کما لہ
ولکن عجزی خیر مدحی لمالہ
فذ البحر لولا ان للبحر ساحلا
وذالبدر لولا البدر یخشی مالہ

حضرت مولانا رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اشعار:

اذا لم یکن فضل فما النفع بالنسب
وھل یصطفی خبث وان کان من ذھب
ولکننی ارجو الرضا منك یا رضا
انت علی فازولی یا عالی الرتب

آخری اشعار عربوں کے اس شعر کی مثل ہے:

اذا کان الطباع طباع سوء
فلا أدب یفید ولا ادیب

یہ کتاب مسئلہ تفضیل کو بڑی تفصیل کے ساتھ واضح کرتی ہے اور اس موضوع پر اٹھنے والے ہر سوال کا شافی جواب دیتی ہے بنیادی طور یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے اتقی کی تفسیر پر مشتمل ہے جس سے اجماعی طور پر مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب میں جہاں قرآن واحادیث اور اجماع امت کی روشنی میں مسئلہ تفضیل کو واضح کیا ہے وہاں ضمناً پورے تفسیری مواد کا ناقدانہ جائزہ بھی لیا ہے اور اس پر ایک مختصر مگر جامع تبصرہ فرمایا ہے ۔کتب سیرت پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور واضح کیا ہے کہ کتب تفسیر میں جس طرح ہر چیز قابل قبول نہیں اسی طرح کتب سیرت میں بھی وقت نظری کی ضرورت ہے اور جانچ پڑتال کے بغیر کسی واقعہ کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

☆ مؤلف نے فتوی نویسی کے اصول بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ جب تک کوئی مفتی کثرتِ مراجعت، ثقہ فقہاء کی مجلس میں حاضری اور بڑے اساتذہ فن کی صحبت میں ایک زمانہ نہیں گزارتا وہ اس فن میں کامل نہیں ہوسکتا اور یہ واضح کیا کہ متونِ فقہ سے بہت سارے مفتی دھوکہ کھا جاتے ہیں اور وہ مقید کو مطلق سمجھ بیٹھتے ہیں اس سلسلہ میں اپنے زمانہ کے بعض معروف مشار الیہ مفتیوں کے آٹھ غلط فتاوی کی نشان دہی بھی فرمائی۔

☆ مؤلف اس کتاب میں جب اسماء الرجال پر گفتگو کرتے ہیں تو اس فن کے ماہر نظر آتے ہیں ابو عبیدہ معمر بن مثنی معروف لغوی جس نے اتقی کا معنی تقی کیا پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کیف نترك ظاھر قول اللہ تعالی بقول رجل لا یکون معصوما ولا صحابیا ولا تابعیا بل ولا سنیا۔

مفسرین کا تعاقب:

امام احمد رضا کی اجتہادی صلاحیتوں اور فکر رسا کی داد دئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ صرف اٹھائیس برس کی عمر ہے اور وسعت مطالعہ اور دقت نظر کا یہ عالم ہے کہ امام فخر الدین الرازی امام علامہ قاضی بیضاوی اور شاہ عبد العزیز محدث کا تعاقب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ امام بیضاوی کے بارے میں فرماتے ہیں: اذزل قلمہ۔

امام ابو بکر باقلانی نے بارے میں فرماتے ہیں: کیف تمسک ھھنا بالمفھوم مع انه یخالف أئمته۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے فرمایا: اتقی کو تقی کے معنی میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے۔ اور قرآن تو عربی زبان میں اترا امام احمد رضا فرماتے ہیں میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالی سے ہے رہی وہ بات جو شاہ صاحب نے ذکر اتقی بمعنی تقی ہونا ممنوع ہے کیا تم نہیں دیکھتے اللہ کا فرمان: ھو الذی یبدو الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیه یہاں اھون بمعنی ہین ہے۔

علم وادب کا ایک جہاں آباد ہے الفاظ کا انتخاب، برموقع تراکیب اور برمحل برجستہ ضرب الامثال کا استعمال عربی زبان وادب اور عبارت کے زیر و بم اور مد و جزر سے خوب آگہی، اس کتاب کی زینت ہیں۔ مصنف نے یہ کتاب صرف ۲۸ برس کی عمر میں لکھی لطف کی بات یہ ہے کہ خود اس کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فهذه ان شاء الله منحة عالية............

مذکورہ عبارت میں درج ذیل صنائع پائی جاتی ہیں: صنائع لفظیہ (۱) جناس مضارع (۲) جناس لاحق (۳) تجنیس تام (۴) تجنیس خط (۵) سجع ترصیع (۶) سجع متوازی (۷) الموازنۃ (۸) لزوم مالا یلزم اعنات، تشدید، التزام

صنائع معنویہ: (۱) المطابقۃ ، الطباق ، التضاد (۲) ملحق بالتضاد (۳) التقسیم (۴) مراعاۃ النظیر (۵) التضمین والاقتباس

☆ یہ کتاب گراں قدر عطا اور بیش بہا متاع اور ربانی رحمت ہے نہ کہ شیطانی وسوسہ، اور یہ اوراق دیکھو تو تھوڑے ہیں اور انہیں پاؤ تو گرانقدر ہیں اور پڑھو تو آسان اور سمجھو تو سہل، اور انصاف لو تو سنواریں اور تعصب برتو تو جدار ہیں، اور یہ جنات عالیہ ہیں جن کے خوشے جھکے ہوئے ہیں، ان میں اونچے تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور قالین بچھے ہوئے اور چاندنیاں ہیں پھیلی ہوئی، اس کی ضیا فضلا کو مقبول و منظور اور اس کی زینت یہ ہے کہ اہل حسد اسے قبول نہ کریں۔ اس میں سب باغوں کے ہر قسم کے پھل ہیں۔ تحقیق کے انگور اور تدقیق کی تروتازہ کھجور اور حقائق کے ناریل اور دقائق کے بادام، یہ اپنے پھل دو بار دیتی ہے ایک بار سنیوں کے لئے ایسا پھل جو شہد کی طرح میٹھا ہو اور دوسری بار گمراہوں کے لئے ایسا پھل جو ان کے لئے مہلک زہر ہو۔ اس میں حکمت کے چشمے ہیں سلسبیل کی حکایت کر رہے ہیں، اگر تو سیرابی چاہتا ہے تو اٹھ راستہ تلاش کر۔

سیرت نگاری کے اصول:

کتب سیرت میں بعض واقعات ایسے داخل کر دیئے گئے جن کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی عظمت پر حرف آئے، نہ صرف ان کی نشاندہی فرمائی بلکہ ان کتب سیرت کا بھی ذکر فرمایا جن میں ان واقعات کا رد ہے مثلاً دلائل النبوۃ امام بیہقی، قاضی عیاض کی شفاء، امام خفاجی کی نسیم الریاض، ملا علی قاری کی شرح شفاء، امام قسطلانی کی مواہب اللدنیہ۔

☆ یہ کتاب مختلف علوم و فنون جیسے اصول تفسیر، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم الکلام، علم العقائد، فن اسماء الرجال، علم منطق اور تطبیق بین المتعارضین، علم مناظرہ، علم جرح و تعدیل اور آئمہ کبار سے اختلاف کا متواضع انداز کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

☆ یہ کتاب اس ایک اہم اور بنیادی مسئلہ تفضیل پر بحث کرتی ہے اور اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتب کی لفظاً و معنیً جامع ہے۔

☆ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ مصنف کو انشاء وادب میں مہارت تامہ حاصل ہے جیسا کہ مصنف نے اس کتاب کی ابتداء میں اپنا اپنے والد گرامی اور اپنے داداجان کا نام بڑی مہارت سے خطبہ کا حصہ بنا دیا ہے۔

علمائے عرب و عجم نے اس موضوع پر قیمتی کتب تصنیف کی ہیں چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے:

۞ عمدة التحقيق في بشائر آل الصديق شيخ ابراهيم المالكي

۞ فضائل الصديق للعشاري

☆ جب ہم ان کتب پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان مصنفین نے اپنی وسعت و استطاعت کے مطابق موضوع کا حق ادا کرنے اور قارئین تک وافر معلومات پہنچانے کی گرانقدر سعی کی ہے۔ لیکن جس کتاب کی تحقیق کا ہم ارادہ رکھتے ہیں وہ جہاں علم وآگہی کا نایاب سرمایہ ہے اور عرب و عجم میں اس موضوع پر

لکھی گئی کتاب میں سے منفرد اور ممتاز مقام کی حامل ہے یہ عربی زبان وادب کا ایک حیرت انگیز نمونہ بھی ہے اور علوم وفنون کا ایک پرکشش مخزن بھی۔ مختصر یہ کہ مذکورہ موضوع کے حوالے سے اس جیسی کتاب اس سے پہلے لکھی گئی نہ ہی بعد میں جیسا کہ مؤلف نے خود اس ضمن میں فرمایا۔

حتی جاء ت بحمد اللہ کما تروق النا ظر وتجلوا البصائر......

یہاں تک کہ یہ کتاب بحمد اللہ ایسی ظاہر ہوئی جیسی کہ تم دیکھتے ہو جو دیکھنے والے کو خوش کرتی، بصیرتوں کو جلا بخشتی ہے، اور ایسے خوشتر معانی (جو کانوں سے ٹکرائے) سے پردے ہٹاتی ہے جو خوبانِ بے نیاز آرائش کے چہرے ہیں اور تحقیق کی نفیس صورتیں اور تدقیق کی دلہنیں ہیں جنہیں مجھ سے پہلے کسی آدمی نے چھوا نہ کسی جن نے۔

☆ اگر اس مخطوط کو ادبی پہلو سے دیکھا جائے یہ ادبی شہ پاروں کا ایک گنجینہ ہے اس کی عبارات کی دھنک میں عمدہ تشبیہات اور نفیس استعارات کے ایسے رنگ بھرے ہوئے ہیں جو قلب ونظر میں عجیب تاثیر پیدا کرتے ہیں اور قاری کے اندر ایک فکری تحریک پیدا کرتے ہیں۔ مصنف نے ایسے مترادفات کا استعمال بکثرت کیا ہے جو تعبیرِ حقائق اور تبیینِ دقائق میں اہم کردار ادا کرتے ہیں مصنف نے مسلم بینات کے باغیچوں سے استدلات کی کلیاں لے کر اس گلدستۂ دانش میں سجادی ہیں۔ یہ کتاب فنی اور لغوی دولت سے مالا مال نظر آتی ہے۔

☆ اس کتاب کا محور اور اس کی تمام تر عبارات کا مطاف آیات کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم اور وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی میں مذکور اتقی کا معنی بیان کرنا ہے۔

☆ مصنف نے قرآن وحدیث سے مؤید دلائل اور مسکت عقلی اور منطقی براہین سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کی ہے۔ یہ مخطوط جہاں اس باب میں فصل الخطاب ہے وہاں اپنے مصنف کی تبحر علمی، ذہانت وفطانت، ژرف نگاہی، وسعت مطالعہ اور قوی قوت استدلال کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔

☆ مصنف نے اگرچہ اختصار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیا لیکن موضوع کا حق ادا کردیا ہے یہ مخطوط فصاحت وبلاغت اور شستہ اسلوب کا حسین مرقع ہے۔

☆ یہ کتاب علمی جواہر کا خزینہ ہے اور ادب عربی کی کئی انواع پر مشتمل ہے جیسے علم صرف، علم اشتقاق، علم نحو، علم لغت اور علم بدیع۔ مثال کے طور پر ہم ان فنون ادبیہ میں اسے ایک کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ مصنف نے تقدیم خبر کے نکات بیان کئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

دعائے صحتیابی

ناشر رضویت حضرت علامہ مولانا ابوداؤد صادق صاحب مدظلہ العالی (سرپرست اعلیٰ، ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ''، گوجرانوالہ، پاکستان) سخت علیل ہیں۔ قارئین کرام سے ان کی جلد صحتیابی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم ودائم رکھے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ (مدیر)

تھیسس ریویو

تبصرہ نگار: سلیم اللہ جندران

تھیس کا عنوان:

A Comparative Study of Modern Educationists Vs Ahmad Raza Hanfi's Educational Thoughts

تھیس رائٹر: محمد افضل صدیقی

تھیس سپروائزر: اسسٹنٹ پروفیسر عبدالغفار گوھر

تھیس کی تکمیل کا مقام: یونیورسٹی آف ایجوکیشن فیصل آباد کیمپس (پنجاب، پاکستان)

سالِ تکمیل: ۲۰۰۷ء

تعدادِ صفحات: ۲۰۱ (دوسوایک)

لیول (درجہ): ایم۔ایڈ

ریویو رائٹر (تبصرہ نگار): سلیم اللہ جندران (پی۔ایچ۔ڈی اسکالر)

امام احمد رضا خان (۱۸۵۶۔۱۹۲۱ء) کی قرآنی، فقہی، ادبی، اصلاحی، سیاسی اور تاریخی خدمات پر باقاعدہ تحقیقی کام کا آغاز ۱۹۶۸ء میں ہوا تھا جبکہ آپ کے تعلیمی افکار پر تحقیقی کام کا آغاز باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ ۱۹۸۰ء میں شروع ہوا جب ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل [بانی مولانا سید ریاست علی قادری علیہ الرحمہ (وفات ۱۹۹۲ء)] کراچی میں ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اور علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۹۹۶ء) کی سرپرستی میں رضویات پر تحقیقی و تصنیفی کام کی ابتداء ہوئی۔ عوام میں آپ کی زیادہ پہچان مذہبی اور فقہی رہنما کی حیثیت سے تھی اس لیے آپ کی مذہبی اور دینی خدمات پر تحقیقی کام زیادہ ہوا ہے آپ کے تعلیمی افکار پر تحقیقی کام مقابلتاً ایک دہائی بعد شروع ہوا۔

جنوبی ایشیا میں ہند و پاک کی علمی و دینی سطح پر امام احمد رضا حنفی قادری کی فکر کے نمایاں اثرات منتقل ہوئے ہیں۔ امام احمد رضا خاں کی حیات وخدمات، احوال وآثار (رضویات) پر تحقیق کا کام ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ اب عالمِ عرب بلکہ عالمِ اسلام تک متعارف ہو رہا ہے جہاں تک آپ کے تعلیمی افکار پر تحقیق کا تعلق ہے راقم کے مشاہدہ کے مطابق سرکاری شعبہ کی یونیورسٹیز اور کالجز میں تعلیمی فکرِ رضا کی مناسبت سے اب تک ماسٹر درجہ کے سولہ (۱۶) تھیسز لکھے جا چکے ہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی طرف سے شائع ہونے والے رسائل وجرائد میں امام احمد رضا خاں کی تعلیمی فکر پر مبنی اردو/انگریزی باون (۵۲) مضامین چھپ چکے ہیں۔ تعلیمی افکارِ رضا سے متعلقہ شائع شدہ کتب اور کتابچہ جات کی تعداد آٹھ (۸) ہے۔ ماہنامہ "معارفِ رضا" اور "نوائے اساتذہ" تعلیمی افکارِ رضا پر خصوصی نمبرز بھی پیش کر چکے ہیں۔

برادر مکرم محمد افضل صدیقی صاحب کے ایم۔ایڈ تھیس (مقالہ) کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ تعلیمی افکارِ رضا کی مناسبت سے کسی یونیورسٹی کی طرف سے انگریزی زبان میں تحریر کیا جانے والا یہ پہلا تھیس ہے۔ نیز اس مقالہ میں امام احمد رضا خان (۱۸۵۶ھ۔۱۹۲۱ء) کے تعلیمی افکار کے ماڈرن ماہرینِ تعلیم کے افکار کے موزانہ سے اس مقالہ کی افادیت مزید بڑھ گئی ہے۔ اس سے قبل تعلیمی فکرِ رضا پر انگریزی زبان میں متعدد مضامین تو شائع ہو چکے ہیں مگر باقاعدہ طور پر ڈگری کے حصول کیلئے کسی ایسے تھیس (بزبانِ انگریزی) کا علم نہیں ہوسکا۔

مقالہ کا پہلا باب تعارف پر مبنی ہے اس میں بیانِ مسئلہ، مطالعہ کے مقاصد، سٹڈی کی افادیت، مفروضہ جات اور حدودِ کار بیان کی گئی ہیں۔ مقالہ کے دوسرے باب میں روسو (۱۷۱۲ء۔۱۷۷۸ء)، جان ڈیوی (۱۸۵۹ء۔۱۹۵۲ء)، پستالوزی (۱۷۴۶ء۔۱۸۲۷ء) اور احمد رضا خان (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کے تعلیمی افکار اور اُن کا آپس میں موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرا باب طریقۂ تحقیق پر مبنی ہے۔ ستائیس (۲۷) آئیٹمز پر مبنی سوالنامے کے ذریعے محقق نے فیصل آباد

سٹی کے پندرہ مردانہ اور پندرہ زنانہ تعلیمی اداروں سے پچاس مرد اور پچاس خواتین اساتذہ کا Convenient Sampling کے ذریعے انتخاب کر کے اپنی سٹڈی سے متعلقہ معلومات حاصل کی ہیں۔ چوتھے باب میں حاصل شدہ مواد کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ پانچواں باب خلاصہ، حاصلات، نتائج اور سفارشات پر مبنی ہے۔

مقالہ کے اہم نتائج یہ تھے: چورانوے (۹۴%) اساتذہ نے یہ رائے دی کہ ماڈرن مغربی ماہرینِ تعلیم کے افکار مغربی طرزِ زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ سو فیصد (۱۰۰%) اساتذہ کی متفقہ رائے یہ تھی کہ امام احمد رضا خاں کے تعلیمی افکار اسلامی طرزِ زندگی اُجاگر کرتے ہیں۔ پچاسی فیصد اساتذہ کی آراء کے مطابق تعلیمی افکارِ رضا مغربی ماہرین تعلیم کے افکار سے مختلف ہیں۔ نوے فیصد (۹۰%) اساتذہ کا یہ نقطۂ نظر تھا کہ امام احمد رضا خاں کے تعلیمی افکار نفسیاتی اصولوں پر مبنی ہیں۔ بانوے (۹۲%) اساتذہ کا یہ موقف تھا کہ امام احمد رضا خان کے تعلیمی افکار عصرِ حاضر کے تعلیمی نظام کیلئے قابلِ عمل اور مفید ہیں۔

جہاں تک بچے کی آزادی کا تعلق ہے پچانوے فی صد (۹۵%) شرکائے سٹڈی کی یہ رائے تھی کہ ماڈرن ماہرین تعلیم کا نظریہ یہ ہے کہ:۔

"Child is free of all restrictions".

بہر حال مغربی ماہرین تعلیم کے افکار کی مناسبت سے مندرجہ ذیل findings اہمیت کی حامل ہیں:۔

"Majority of the respondents were of the view that modern educationists' educational thoughts are based on psychological principles." (Thesis page 172)

"Most of the respondents don't favour this opinion that modern educationists' educational thoughts are not based on psychological principles." (Thesis page 173)

ان نتائج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں شرکائے مطالعہ کی سو فی صد (۱۰۰%) یہ متفقہ رائے تھی کہ امام احمد رضا خاں حنفی کے تعلیمی نظریات اسلامی طرزِ زندگی کی عکاسی کرتے ہیں وہاں ماڈرن ماہرینِ تعلیم کے افکار کے اس پہلو کو بھی اکثریت کی طرف سے پسند کیا گیا ہے کہ وہ نفسیاتی تقاضوں اور اصولوں کو مدنظر رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس مطالعہ کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ اسلامی نظریاتی مملکت کیلئے تعلیمی بقا اور ترقی اسلامی ماہرینِ تعلیم کے افکار میں ہی مضمر ہے۔ بہر حال ساتھ ساتھ گنجائش اور ضرورت بھی محدود پیمانے پر کی گئی اس سٹڈی سے ظاہر ہے کہ ماڈرن مغربی ماہرین تعلیم کے افکار کے وہ پہلو جو کہ دینِ اسلام سے متصادم نہ ہوں انہیں اپنانے میں کوئی حرج نہیں خاص طور پر پاکستانی نظامِ تعلیم کو طلبہ کے نفسیاتی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

اِس تھیسس کے متن (text) میں درج شدہ تمام حوالہ جات (Citations) کو اگر تھیسس کے آخر میں دیئے گئے کتاب نامہ (Bibliography) کی فہرست کے مطابق مکمل طور پر درست (tally) کردیا جائے تو یہ کام قابلِ اشاعت ہے اور مستقبل کے محققین کیلئے یہ مزید رہنمائی فراہم کرسکتا ہے۔ مقالہ نگار نے اڑتیس (۳۸) ماخذوں سے استفادہ کیا ہے۔ اگر اس مطالعہ کی تکمیل کے دوران بنیادی ماخذوں (Primary Sources) سے زیادہ استفادہ کیا جاتا تو اس تحقیقی کام کا معیار زیادہ بلند ہو جاتا۔ نیز مقالے کا یہ بھی پہلو توجہ طلب ہے کہ اس کے دوسرے باب میں امام احمد رضا خاں کی حیات و خدمات اور کارناموں پر کافی مواد پیش کیا گیا ہے مگر مقالے کے اصل موضوع کی مناسبت سے امام احمد رضا خان اور ماڈرن ماہرین تعلیم کے تعلیمی افکار سے متعلقہ مواد زیادہ شامل کیا جاتا تو تعلیمی قارئین کیلئے زیادہ مفید ثابت ہوتا۔ مزید برآں مقالہ میں یہ بھی بیان کیا جانا ضروری تھا کہ جن شرکاء مطالعہ سے امام احمد رضا خاں اور ماڈرن ماہرین تعلیم کے تعلیمی افکار کے بارے میں سوالات پوچھے گئے آیا وہ ہر دو کے تعلیمی افکار کے بارے میں خود اچھی طرح شناسا تھے؟

اِس مقالہ کے نگران اسسٹنٹ پروفیسر عبدالغفار گوہر صاحب اس تحقیقی کام کی تکمیل پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ موصوف اِس سے قبل خود بھی تعلیمی افکارِ رضا پر ریسرچ آرٹیکل پیش کر چکے ہیں۔ جو کہ معارفِ رضا جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ء، شمارہ نمبر ۳۸ تا ۴۰ (صفحات

۲۰۹) میں شائع ہو چکا ہے۔ نگرانِ موصوف رضویات اور تعلیم سے گہری شناسائی رکھتے ہیں اور تعلیم کے موضوع پر متعدد مضامین اور کتب رقم کر چکے ہیں۔ محترم گوہر صاحب کی زیرِ نگرانی مکمل ہونے والا محمد افضل صدیقی صاحب کا مقالہ اس حوالہ سے خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اِسے صرف دستاویزی تحقیق (Documentary Research) تک ہی محدود نہیں رکھا گیا بلکہ فیلڈ ورک کے تحت تعلیمی میدان سے وابستہ پچاس مرد اور پچاس خواتین اساتذہ کی آراء سے بھی آراستہ کیا گیا ہے۔ اس طریقِ تحقیق سے نتائج کی افادیت اطلاقی پہلو کے طور پر بڑھ گئی ہے۔

مندرجہ بالا ایم۔ ایڈ سٹڈی میں امام احمد رضا خاں کی تعلیمی فکر کا تقابل و توازن ماڈرن مغربی ماہرین تعلیم کے افکار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اگر تعلیمی فکرِ رضا کا تقابلی جائزہ علامہ محمد اقبال، سید علی ہجویری، مجدد الف ثانی کے افکار سے کیا جائے تو یہ بھی تحقیقی نقطۂ نظر سے نہایت سود مند کام ہوگا اور تفہیم فکرِ رضا مزید آسان اور نمایاں ہوگی۔ عصرِ حاضر کی ضروریات کے حوالہ سے تعلیمی فکرِ رضا کے مندرجہ ذیل موضوعات پر مزید کام کی گنجائش اور ضرورت ہے:۔

(i) اسلامی دُنیا سے تعلیمی پسماندگی دور کرنے کا روڈ میپ: فکرِ رضا کی روشنی میں

(ii) فکرِ رضا کی روشنی میں قومی تعلیمی پالیسی سازی

(iii) اسلامی تعلیم کے فروغ و ارتقاء کیلئے امام احمد رضا خاں کی مساعیٔ جلیلہ کا جائزہ

(iv) The Case-Study of Dar-ul-Ulum Manzar-i-Islam Braily (Estb. 1904)

(v)Imam Ahmed Raza Khan as an Educationist

(vi) Imam Ahmed Raza Khan's Educational Reflections: Relevance Today

(vii)A Vision of Tomorrow's School in the Light of Imam Ahmed Raza's Educational Views

(viii)The Responsibilities of 21st Century's Teacher: Imam Ahmed Raza Khan's Point of View

(ix) Selection of Rizviyyat for Educational Curricula

(x)Imam Ahmed Raza Khan's Role for the Promotion of Muslim Education in Indo-Pak

(xi)Imam Ahmed Raza Khan's Rebuttal of Faulty Educational Philosophies

(xii)The Development of Rizviyyat Index in Education

(xiii)Imam Ahmed Raza Khan for the Educators and Educationists

(xiv)An Analytical View of Educational Philosophy of Imam Ahmed Raza Khan

(xv)Quality Education Plan in the Light of Imam Ahmed Raza Khan's Educational Thoughts

(xvi)Development of Plan for the Establishment of an International University in the Light of Imam Ahmed Raza's Educational Views

(xvii)A Study of Imam Ahmed Raza Khan's Views about Women Education

(xviii)An Analytical View of Imam Ahmed Raza Khan's thoughts about Science Education

(xix)An Analytical View of Imam Ahmed Raza Khan's Thoughts about Technical Education

(xx)The Quran and Hadith as the Primary Source of Imam Ahmad Raza Khan's Educational Thoughts

مجوزہ بالا ان موضوعات پر تحقیق سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی طرزِ زندگی کو مزید جلا ملے گی کیونکہ صدیقی صاحب کی اس اسٹڈی میں سوفی صد شرکائے کرام نے یہ متفقہ جواب پیش کیا ہے کہ امام احمد رضا خاں کے تعلیمی افکارِ رضا کے مختلف پہلوؤں اور مختلف زاویوں پر مزید تحقیق مزید سودمند ثابت ہوگی۔

مَوتُ العَالِم۔ مَوتُ العَالَم

موت العَالِم۔ موت العَالَم

علامہ مولانا مفتی جلال الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ (کھاریاں، گجرات، پاکستان) ۱۲رجنوری ۲۰۰۸ء کو دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ علامہ جلال الدین صاحب علم وتحقیق میں بلند مقام رکھتے تھے۔ وہ ایک بلند پایہ محقق، مفسر، محدث اور مؤرخ اہلِ سنن تھے۔ زہد وتقویٰ اور علم وتحقیق میں مجمع البحرین تھے۔

وقت کی دو عظیم شخصیتوں، حضرت محدثِ اعظم پاکستان علامہ مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ کے شاگرد مرید وخلیفہ اور حضور مفتی اعظم علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری رضوی علیہما الرحمۃ سے سند واجازات وخلافت یافتہ تھے۔ متنوع موضوعات پر پچاس سے زیادہ کتب ورسائل آپ کے رشحاتِ قلم کے مرہونِ منت ہیں مگر آپ کے علمی کمال اور تحقیقی نگارشات کے درج ذیل تین حوالے بہت اہم ہیں جو آپ کو صبح قیامت تک زندہ وتاباں رکھیں گے۔

۱۔ تاریخ وخطبات آل انڈیا سنّی کانفرنس (دوجلدیں)

۲۔ حیاتِ محدثِ اعظم پاکستان (تین جلدیں)

۳۔ تفسیرِ آیات احکام القرآن (چھ جلدیں)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے سرپرست اعلیٰ، صدر، جنرل سیکریٹری اور تمام اراکینِ مجلسِ عاملہ و دفتری عملہ، علامہ مرحوم کے پس ماندگان بالخصوص ان کے صاحبزادے مولانا مفتی محمود احمد رضوی صاحب سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیّین میں بلند مقام عطا فرمائے اور ان کا بہترین نعم البدل ہمیں عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

نوٹ: ماہنامہ معارفِ رضا کا آئندہ شمارہ (اپریل ۲۰۰۸ء) ان شاء اللہ علامہ جلال الدین قادری پر خصوصی شمارہ ہوگا۔ اہلِ علم وقلم حضرات سے گذارش ہے کہ ۱۵رمارچ ۲۰۰۸ء تک علامہ مرحوم سے متعلق اپنے تاثرات/مقالات ہمیں ادارہ کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ (مدیر)

مَوتُ العَالِم۔ مَوتُ العَالَم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکومت پاکستان

پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۱، اسلام آباد (پاکستان)

فون: ۹۲_۵۱_۹۲۸۰۱۳۲
۹۲_۵۱_۹۲۱۳۲۹۳
فیکس: ۹۲_۵۱_۹۲۸۰۵۲۲
ای میل: KRL@comsats.net.pk

ڈاکٹر عبدالقدیر خان، نشان امتیاز اینڈ بار، ہلال امتیاز
مشیر خاص چیف ایگزیکٹو پاکستان برائے
سٹریٹیجک پروگرام و امور کے۔ آر۔ ایل

پیغام

میرے لیے یہ امر باعث مسرت ہے کہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، پاکستان اگست ۲۰۰۲ء میں "مجلہ امام احمد رضا کانفرنس" شائع کر رہا ہے۔ جس میں امام موصوف کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر مضامین اور عالم اسلام کے اسکالرز، علما اور مفکرین کے پیغامات شائع کیے جائیں گے۔

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ جب دین حق کے خلاف استعماری قوتیں برسرِ پیکار ہوئیں اور اسے نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں تو اللہ رب العزت نے ان کے مکروہ عزائم کو روکنے کے لیے ایک ایسی جلیل القدر ہستی کو پیدا کیا جس نے اپنے فکر و عمل کے ساتھ ہر محاذ پر مردانہ وار مقابلہ کیا اور بھرپور انداز سے اسلامی فکر کی ایسی ترجمانی کی کہ اسلام دشمن قوتوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ جذبہ عشق رسول ﷺ سے سرشار امام احمد رضا بریلوی کا شمار بھی تاریخ کی ایسی شخصیات میں ہوتا ہے کہ جنہوں نے اپنی تصنیفات و تالیفات سے برصغیر کے مسلمانوں میں ایک نیا فکری انقلاب پیدا کیا اور ہر محاذ پر اسلامی فکر کو اجاگر کیا۔ آپ نے مسلمانوں کو دینی شعائر پر قائم رہنے کی تلقین کی اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو جدید تعلیم حاصل کرنے کی طرف بھی راغب کیا اور ایسے تمام علوم کو سیکھنے پر زور دیا جو فکری اعتبار سے دین اسلام سے متصادم نہیں ہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں میں سماجی شعور کی ترویج و اشاعت، دینی و دنیاوی علوم کے فروغ اور مسلمانوں کے جداگانہ سیاسی و سماجی تشخص کے لیے آپ کی خدمات قابل تحسین ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ کا ادارہ امام احمد رضا بریلوی کی تعلیمات کو عام کر کے ملک عزیز میں قومی اتحاد اور ہم آہنگی کی فضا کو قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان
نشان امتیاز اینڈ بار، ہلال امتیاز